یااللہ جل جلالہٗ

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)

اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سینکڑوں مسائلِ شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطایا السیفیة
فی
الفتاویٰ النقشبندیة

المجلد الخامس

تصنیف

فخر المتاخرین العالم العارف باللّٰہ

مفسر کلام اللّٰہ تعالیٰ وخادم حدیث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الشیخ السید احمد علی شاہ

الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی

النقشبندی الجشتی القادری السهروردی

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

(۱) باب نمبر ایک: جنازہ کے ساتھ کلمہ کا ذکر اور نعت خوانی کا بیان

بعض علماء جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا درود شریف یا نعت خوانی کرنے کو بدعت، ناجائز اور حرام کہتے ہیں حالانکہ جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات واحادیث صحیحہ واقوال فقہاء شاہد ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ (آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے یا بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے:

ای یذکرون دائماً علی الحالات کلها قائمین و قائدین و مضطجعین فان الانسان لا یخلو عن هذه الهیئات غالباً۔

ترجمہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔[1]

تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کریمہ کے ماتحت ہے:

والمراد تعمیم الذکر للاوقات وتخصیص الاحوال المذکورۃ لیس لتخصیص الذکر بها بل لانها الاحوال المعهودۃ التی لا یخلوا عنها الانسان۔

ترجمہ: قریب قریب وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

المراد کون الانسان دائم الذکر لربه فان الاحوال لیست الا هذه الثلثته ثم لما وصفهم بکونهم ذاکرین فیها کان ذلک دلیلاً علی کونهم مواظبین علی الذکر غیر فاترین عنه۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزر چکا ہے۔

ابن عدی نے لکھا ہے:

عن ابن عمر قال لم یکن یسمع من رسول اللہ ﷺ وهو یمشی خلف الجنازۃ الا قول لا اله الا اللہ مبدیا و راجعا۔[2]

---

[1] (تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2] (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الحدیث قاھرۃ مصر)

اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو، پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

تخذیر المختار علی رد المختار میں ہے:

ولکن قد اعتاد الناس کثرۃ الصلوۃ علی النبی ﷺ ورفع اصواتھم بذلک وھم ان منعوا ابت نفوسھم عن السکوت والتفکر فیقعون فی کلآم دنیوی وربما وقعوا فی عبیه وانکار المنکر اذا قضی الی ما ھو اعظم منکرا کان ترکه احب لانه ارتکاب باخف المضرتین کما ھو القاعدۃ الشرعته۔[1]

اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات واحادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ خبر واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت وبحالت حیض بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام اذکار کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جارہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا۔

قرآن فرماتا ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد ۲۸)

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں:

فالمومنون یستانسون بالقرآن وذکر اللہ الذی ھو الاسم الاعظم ویحبون استماعھا والکفار یفرحون بالدنیا ویستبشرون بذکر غیر اللہ۔

ترجمہ: پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی وفرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہو گی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل وعیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے۔

---

[1] (تحذیر المحتار علی ردالمحتار ص ۱۲۳ مطبوعہ مصر)

منتخب کنزالعمال میں بروایت حضرت انس: **اکثروا فی الجنازة قول لا اله الا الله مشکوة کتاب الدعوات باب ذکر الله** کے ذیل میں ہے:

ان الله ملئکة یطوفون فی الطرق یلتمسون اهل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون الله تنادوا اهلموا الی حاجتکم قال فیحفو لهم باجنحتهم۔

ترجمہ: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ۔[1]

لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔

مشکوۃ اسی باب میں ہے:

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال حلق الذکر۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔[2]

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔

اسی مشکوۃ میں اسی باب میں ہے کہ:

الشیطن جاثم علی قلب ابن ادم فاذا ذکر الله خنس۔

ترجمہ: شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔[3]

[1] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الاول ص ۱۹۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)
[2] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثانی ۱۹۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)
[3] (مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثالث ۱۹۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہے گی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالتہ ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جس میں اس کی تصریح ملتی ہے۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر۔

پھر فرماتے ہیں:

لکن بعض المشائخ جوزو الذکر الجھری و رفع الصوت بالتعظیم قدام الجنازۃ وخلفھا لتلقین المیت والاموات والاحیاء وتنبیہ الغفلۃ والظلمۃ وازالۃ صداء القلوب وقسوتھا بحب الدنیا وریاستھا۔

ترجمہ: یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔[1]

لواقح الانوار القدسیہ فی بیان العھود المحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ یقول اذا علم من الماشین مع الجنازۃ انھم لایترکون اللغو فی الجنازۃ ویشتغلون باحوال الدنیا فینبغی ان تامرھم بقول لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ فان ذلک افضل من ترکہ ولا ینبغی للفقیہ ان ینکر ذلک الا بنص او اجماع فان للمسلمین الاذن العام من الشارع بقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کل وقت شاءوا واللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل ھذا۔

ترجمہ: حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔[2]

---

[1] (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ج ۲ ص ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

[2] (فتاوی رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۴ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور)

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں:

ولا نمکن احداً من اخواننا ینکر شیئاً ابتدعها المسلمون علی جهة القربة وراہ حسناً لاسیما ما کان متعلقاً باللہ ورسولہ کقول الناس امام الجنازة لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ او قرءة احد القرآن امامها ونحو ذلک فمن حرم ذلک فهو قاصر عن فهم الشریعة۔

ترجمہ: ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ ورسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت سمجھنے سے قاصر ہے۔[1]

پھر فرماتے ہیں:

وکلمة لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اکبر الحسنات فکیف یمنع منها وتامل احوال غالب الخلق الان فی الجنازة تجدهم مشغولین بحکایات الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبهم غافل عن جمیع ما وقع لہ بل رءیت منهم من یضحک واذا تعارض عندنا مثل ذلک وکون ذلک لم یکن فی عهد رسول اللہ اقدمنا ذکر اللہ عزوجل بل کل حدیث لغو اولی من حدیث ابناء الدنیا فی الجنازة فلو صاح کل من فی الجنازة لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فلا اعتراض۔

ترجمہ: یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کر کے کہ یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کے ساتھ پکار کر نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہئیے بلکہ دنیاداروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لا الہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔[2]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

---

[1] (الحدیقةالندیہ شرح الطریقةالمحمدیہ الصنف الثالث ج ۲ ص ۴۰۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

[2] (فتاوی رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۴۔۱۴۵ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور)

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی

دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ہمارے حضرت حاجی صاحب قبلہ نے انتقال کے وقت مولوی اسمٰعیل صاحب سے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کیا جائے۔ انہوں نے کہا حضرت یہ تو نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک نئی بات ہے جس کو فقہا نے اس خیال سے کہ عوام سنت نہ سمجھ لیں، پسند نہیں کیا۔ فرمایا بہت اچھا جو مرضی ہو۔ خیر بات آئی گئی ہو گئی اور کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی کیونکہ خلوت میں گفتگو ہوئی تھی مگر جب جنازہ اٹھا تو ایک عرب کی زبان سے نکلا اُذْكُرُوا اللهَ بس پھر کیا تھا، بے ساختہ سب لوگ ذکر کرنے لگے اور لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ کی صدائیں برابر قبرستان تک بلند ہوتی رہیں۔ بعد میں مولوی اسمٰعیل صاحب اس گفتگو کو نقل کر کے کہتے تھے کہ ہم نے حضرت کو تو منوا دیا مگر اللہ تعالیٰ کو کیونکر منوائیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کی تمنا پوری کر دی، سچ ہے:

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مراد متقیں

اللہ تعالیٰ متقین کی مراد پوری کرتا ہے، انہیں اللہ کا نام سننے سے زندگی میں بھی لذت آتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اور موت کے بعد غفلت کا کوئی سبب نہیں تو پھر غافل کیونکر ہو سکتے ہیں۔[1]

امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ اور جنازہ کے ساتھ کلمہ کا ذکر

مسئلہ نمبر ۳ فتاوی رضویہ ۸-۴ جلد ۴

از پنجاب ضلع جہلم ڈاکخانہ وریلوے اسٹیشن ترقی موضع غازی ناڑہ

مرسلہ: سید محمد مجید الحسن صاحب

۵ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

مشہود خدمت جناب حجت قاہرہ مجدّد ماۃ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب دام ظلکم علی راس المسترشدین بعد سلام سنۃ الاسلام عرض ہے کہ اس ملک میں جنازہ کے آگے مولود خوانی میں اختلاف اور جھگڑا ہے۔ ایک طائفہ بحر الرائق و

[1] (فضائل صبر و شکر صفحہ ۲۲۳، از اشرف علی صاحب تھانوی)

مراقی الفلاح و قاضی خان و عالمگیری وغیرہا کی عبارات سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور دوسری جماعت جائز و مستحب کہتی ہے۔
آپ کی تحریر پر جملہ مسلمانوں کا فیصلہ ہے، کئی ماہ کے تنازع کا فیصلہ ہو گا۔

عبارات فریق قائلِ کراہت

رد المختار قیل تحریما و قیل تنزیها کما فی البحر عن الغایة و فیه عنها و ینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت و فیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالٰی یذکر فی نفسه لقوله تعالٰی انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدّعا قلت اذا کان هذا فی الدّعا و الذکر فما ظنک بالغناء الحارث فی هذا الزمان بحر الرائق ینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت و یکره رفع الصوت بالذکر و قراءة القرآن الخ۔

عبارت فریق قائل

بحلت عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما لم یکن یسمع من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم و هو یمشی خلف الجنازة الا و قل لا اله الا الله احزجه ابن عدی فی ترجمة ابراهیم بن ابی حمید و ضعفه تخریج احادیث الهدایة لابن حجر۔

یعنی اس سے ادنیٰ جہر ثابت ہوتا ہے وغیرہ بینوا و توجروا۔

الجواب

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

ہاں کتب حنفیہ میں جنازہ کے ساتھ ذکر جہر کو مکروہ لکھا ہے جس طرح خود نفس ذکر جہر کو بکثرتِ کتب حنفیہ میں مکروہ بتایا حالانکہ وہ اطلاقات قرآن عظیم و احادیث حضور نبی کریم سیّد المرسلین سے ثابت ہے اور عند التحقیق کراہت کا عروض نظر بعوارض خارجہ غیر لازمہ ہے۔

جیسا کہ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب در مختار وغیرہ محققین نے تحقیق فرمایا اور ہم نے اپنے فتویٰ میں اسے منقح کیا یہاں بھی اوس کا منشاء عوارض ہی ہیں۔ قلب ہمراہیان کا مشوش ہونا یا موت سے دوسری طرف توجہ کرنا انصاف کیجئے تو یہ حکم اوس زمانہ خیر کیلئے تھا جبکہ ہمراہیان جنازہ تصور موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میّت اون میں سے ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میّت ہیں، ہمیں کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں اور اب قبر میں رکھیں گے۔ لہٰذا علماء نے سکوت محض کو پسند کیا تھا کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہو اگرچہ آہستہ ہو اس تصور سے کہ (بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھو دینے والا ہے) روکے گا یا کم از کم دل بٹ تو جائے گا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے۔ ورنہ حاشا اللہ ذکر خدا اور رسول کسی وقت منع نہیں ہے۔

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ تعالٰی علٰی کلّ احیانہ رواہ مسلم و احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و علقہ البخاری قال اللہ عزّ و جل و لذکر اللہ اکبر۔

اب کہ زمانہ منقلب ہوا، لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات و فضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انہیں ذکر خدا اور رسول جل و علیٰ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب و کارِ ثواب ہے۔ لہٰذا جنازہ کے ساتھ ذکر جہر کی کراہت میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے اور ترجیح بھی مختلف آئی، قنیہ میں کراہت تنزیہ کو ترجیح دی اور اسی پر فتاویٰ تتمہ ّ میں جزم فرمایا اور یہی تجرید و مجتبیٰ و حاوی و بحر الرائق وغیرہا کے لفظ ینبغی کا مفاد ہے اور ترکِ اولیٰ اصلاً گناہ نہیں۔

کما نصوا علیہ و حققناہ فی جمل مجلیہ۔

اور عوام کو اللہ عزوجل کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو محض بد خواہی عام مسلمین ہے اور اس کا مرتکب نہ ہو گا مگر متقشف کہ مقاصد شرع سے جاہل و ناواقف ہو یا متصلف کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت و شہرت چاہتا ہو بلکہ آئمہ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اس منکر سے ضرور ہے جو بالاجماع حرام ہو بلکہ تصریح فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یادِ خدا میں مشغول ہوں ہرگز منع نہ کئے جائیں اگرچہ وہ طریقہ اپنے مذہب میں حرام ہو مثلاً سورج نکلتے وقت نماز حرام ہے اور عوام پڑھتے ہوں تو نہ روکے جائیں کہ کسی طرح وہ خدا کا نام تو لیں، اُسے سجدہ تو کریں۔ اگرچہ کسی دوسرے مذہب پر اس کی صحت ہو سکے۔

امام عارف باللہ ناصح الامہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کتاب مستطاب "الحدیقۃ الندیہ فی شرح الطریقۃ المحمدیہ" میں فرماتے ہیں:

"قال فی شرح الطحاوی و علی مشیع الجنازۃ الصمت و عبر فی المجتبی و التجرید و الحاوی ینبغی ان یطیل الصمت و سنن المرسلین الصمت معھا کذا فی منیۃ المفتی و یکرہ لھم رفع الصوت کراھۃ تحریم و قیل تنزیھہ متبغی کراھۃ تنزیہ و قیل تحریم قنیہ و یکرہ علی معنٰی انہ تارک الاولٰی کما عزاہ فی التّمۃ الٰی والدہ و فی شرعۃ الاسلام المسمی بجا مع الشروع یستکثر من التسبیح و التھلیل علٰی سبیل الاخفاء خلف الجنازۃ و لا یتکلم بشیی من امر الدنیا لکن بعض المشائخ جوز والذکر الجھری و رفع الصوت بالتعظیم بغیر التغیر بادخال حرف فی خلالہ قدام الجنازۃ و خلفھا لتلقین المیت و لاموات و الاحیاء و تنبیہ الغفلۃ و الظلمۃ و اذالۃ صداء القلوب و قساوتھا بحب الدنیا و ریاستھا و فی کتاب العھود المحمدیۃ للیشخ الشعرانی قدّس اللہ سرہ ینبغی لعالم الحارہ ان یعلم من یرید المشی مع الجنازۃ عدم اللغو فیھا و ذکر من تولٰی و عزل من الولاۃ او سافر و رجع من التجار و نحو ذلک و قد کان السلف الصالح

لا یتکلمون فی الجنازۃ الا بما ورد وکان الغریب لا یعرف من ھو القریب من المیت حتی یعرف لغلبۃ الحزن علی الحاضرین کلھم وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول اذا علم من الماشین مع الجنازۃ انھم لا یترکون اللغو فی الجنازۃ ویشتغلون باحوال الدّنیا فینبغی ان یامرھم بقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان ذلک افضل من ترکہ ولا ینبغی لفقیہ ان ینکر ذلک الا بنص و اجماع فان مع المسلمین الاذن العام من الشارع بقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فی کل وقت شاؤا و باللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل ھذا و ربما عزم عند الحکام الفلوس حتی یبطل قول المومنین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی طریقۃ الجنازۃ و ھو یری الحشیش یباع فلا یکلف خاطرہ ان یقول لحشاش حرام علیک بل رایت فقیھا منھم یاخذ معلوم امامۃ من فلوس بائع الحشیش فنسأل اللہ العافیۃ وذکر الشقرانی ایضاً رحمہ اللہ تعالٰی فی کتابہ عھود المشائخ قال لا نمکن احدا من اخواننا ینکر شیئا ابتدعہ المسلمون علی جھۃ القربۃ الٰی اللہ تعالٰی ورأوہ حسنا لا سیما ما کان متعلقا باللہ تعالٰی و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کقول الناس امام الجنازۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و قراءۃ القران امامھا ونحو ذلک فمن حرم ذلک فھو قاصر عن فھم الشریعۃ لانہ ما کل مالم یکن علٰی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکون مذموما دلو فتح ھذا الباب لروت اقوال المجتھدین جمیع ما استحبوا من المحاسن ولا قائل بہ و قد فتح رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعلماء امتہ ھذا الباب و اباح لھم ان سینوا کل شیئی استھنوہ ویلحقوہ بشریعۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہ واجر من یعمل بھا و کلمۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکبر الحسنات فکیف یمنع منھا و تأمل احوال غالب الخلق الآن فی الجنازۃ تجدھم مشغولین بحکایت الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبھم غافل عن جمیع ما وقع لہ بل رأیت منھم من یضحک و اذا تعارض عندنا مثل ذلک وکون ذلک لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمنا ذکر اللہ عزّ وجل فلو صاح کل من فی الجنازۃ لا الہ الا اللہ فلا اعتراض ولم یاتنا فی ذلک شیئی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلو کان ذکر اللہ تعالٰی فی الجنازۃ منھیا عنہ لبلغنا ولو فی حدیث کما بلغنا قراءۃ القرآن فی الرکوع و شیئی سکت عنہ الشارع صلی اللہ علیہ وألہ وسلم اوائل الاسلام لا یمنع منہ او اخر الزّمان اوہ باختصار قلیل"۔

اس کلام جمیل امام جلیل رحمہ اللہ تعالٰی کا خلاصہ ارشادات چند افادات

(۱) سلف صالح کی حالت جنازہ میں یہ ہوتی کہ ناواقف کو نہ معلوم ہوتا کہ ان میں اہل میّت کون ہے اور باقی ہمراہ کون؟ سب ایک سے مغموم و محزون نظر آتے اور اب حال یہ ہے کہ جنازہ میں دنیاوی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ موت سے انہیں کوئی عبرت نہیں ہوتی، اُن کے دل اس سے غافل ہیں کہ میّت پر کیا گزری، فرماتے ہیں بلکہ میں نے جنازے میں لوگوں کو ہنستے دیکھا، تو ایسی حالت میں ذکر جہر کرنا اور تعظیم خدا جل جلالہ اور رُسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھنا عین نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ چھوٹیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

(۲) نیز اس میں میت کو تلقین ذکر کا فائدہ ہے کہ وہ سن سن کر سوالات نکیرین کے جواب کیلئے تیار ہو۔

(۳) سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے مسلمانوں کو ذکر خدا اور رسول جل وعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اذن عام ہے تو جب تک کسی خاص صورت کی ممانعت میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو انکار کیا مناسب ہے۔

(۴) نیز انہیں امام عارف نے فرمایا: الٰہی جو اس سے منع کرے اسکا دل کس قدر سخت اندھا ہے۔ جنازہ کے ساتھ ذکر خدا و رسول جل وعلی وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بند کرنے کی تو یہ کوشش اور بھنگ بکتی دیکھیں تو اُس سے اتنا نہ کہیں کہ یہ تجھ پر حرام ہے، فرماتے ہیں بلکہ میں نے انہیں میں سے ایک کو دیکھا کہ اس سے تو منع کرتا اور خود اپنی پیش نمازی کی تنخواہ بھنگ فروش کے حرام مال سے لیتا۔

(۵) امام عارف باللہ سیدی شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں اکابر کرام کے یہاں عہد ہے جو اچھی بات مسلمانوں نے نئی نکالی ہو اس سے منع نہ کریں گے۔ خصوصاً جب وہ اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہو جیسے جنازہ کے ساتھ قرآن مجید یا کلمہ شریف یا اور ذکر خدا اور رسول کرنا جل وعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۶) نیز امام ممدوح فرماتے ہیں جو اُسے ناجائز کہے اُسے شریعت کی سمجھ نہیں۔

(۷) نیز فرماتے ہیں ہر وہ بات کہ زمان برکت توامان حضور پرنور سید عالم میں نہ تھی مذموم نہیں ہوتی ورنہ اس کا دروازہ کھلے تو آئمہ مجتہدین نے جتنی نیک باتیں نکالیں۔ ان کے وہ سب اقوال مردود ہو جائیں۔

(۸) فرماتے ہیں بلکہ رسول اللہ نے اپنے اس ارشاد سے کہ (جو شخص دین اسلام میں نیک بات نکالے اسے اس کا اجر ملے اور قیامت تک جتنے لوگ اس نیک بات کو بجالائیں۔ سب کا ثواب اس ایجاد کنندہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے)۔ علمائے امت کیلئے اس کا دروازہ کھولا ہے کہ نیک طریقے ایجاد کر کے جاری کریں اور انہیں شریعت محمدیہ سے ملحق کریں۔ یعنی جب حضور انور نے یہ عام اجازت فرمائی ہے تو جو نیک بات نئی پیدا ہو گی وہ نئی نہیں بلکہ حضور کے اس اذنِ عام سے حضور ہی کی شریعت ہے۔

(۹) فرماتے ہیں کہ شرعِ مطہر میں اس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے، اگر جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث تو اس کی ممانعت میں آتی جیسے رکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے تو اس کی ممانعت کی حدیث موجود ہے تو جس چیز سے حضور نبی کریم نے سکوت فرمایا وہ کبھی ہمارے زمانہ میں منع نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازہ کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ طیبہ وغیرہا ذکر خدا اور رسول عزوعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔

نیز امام نابلسی ممدوح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

لا ینبغی ان ینھی الواعظ عما قال بہ امام من ائمۃ المسلمین بل ینبغی ان یقع النھی عما اجمع الآئمۃ کلھم علی تحریمہ۔

"در مختار" میں ہے:

"کرہ تحریمًا صلاۃ مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا ولاء الجائز عند البعض اولٰی من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا قلت ونقلہ سیدی عبدالغنی فی الحدیقۃ عن شرح الدرر عن المصفی شرح النسفیۃ عن شیخ الامام الاستاذ حمید الدین عن شیخہ الامام الاجل الترابد جمال الدین المحبوبی و ایضًا عن شمس الائمۃ الحلوانی وعن القنیۃ عن النسفی والحلوانی وایضاً فی الدرر المختار عن الجر عن المجتبی عن الامام الفقیہ ابی جعفر فی مسئلۃ التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر الذی عندی انہ لا ینبغی ان تمنع العامۃ عنہ لقلۃ رغبتھم فی الجیر وبہ نا خذاہ فی الحدیقۃ ومن ھذا القبیل نھی الناس عن صلاۃ الرغائب بالجماعۃ وصلاۃ لیلۃ القدر ونحو ذلک وان صرح العلماء بالکرھۃ بالجماعۃ فیھا فلا یفتی بذکر العوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات۔ واللہ تعالٰی اعلم[1]

---

[1] (مسئلہ نمبر ۳ فتاوی رضویہ ۴-۸ جلد ۴)

(۲) باب نمبر دو: قبر میں عہد نامہ وغیرہ تبرکات رکھنے کے جواز کا بیان

بعض علماء قبر میں عہد نامہ، دلائل الخیرات شریف یاذکر واذکار کی کتابیں یا تبرکات رکھنا حرام کہتے ہیں حالانکہ قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ یا اپنے وظائف کی کتابیں رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہیں۔

قرآن فرماتا ہے: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدة ۳۵) یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا: اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا (یوسف ۹۳) میری قمیص لے جاکر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آ جائیں۔

مشکوۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔[1]

اس کے ماتحت لمعات میں ہے:

هذا الحديث اصل فى التبرك باثار الصلحين ولباسهم كما يفعله بعض مريدى المشائخ من لبس اقمصهم فى القبر۔

ترجمہ: یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور ان کے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین کو قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔[2]

اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے:

دریں جا استحباب تبرک است بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنیں بودہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا۔

---

[1] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح باب غسل المیت فصل اول ج ۴ ص ۳۱۸ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور)

یہ ہی شیخ عبد الحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں:

چوں وقت رحلت قریب ترآمد فرمودند کہ بعض ابیات وکلمات کہ مناسب معنی عفو واشعار۔

اور کلمات جو کہ عفو وبخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا۔

شاہ عبد العزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

شجرہ در قبر نہاون معمول بزرگان است لیکن ایں رادو طریق است اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالا۔ کفن گذارند ایں طریق رافقہاء منع مے کنند وطریق دوم ایں است کہ جانت سر مردہ اندروں قبر طاقچہ بگزارند دوران کاغذ شجرہ رانہند۔

قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔

مشکوۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من اعد الکفن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔

انہوں نے کہا:

واللہ ماسئلتہ لالبسہا انما سئلتہ لتکون کفنی قال سہل فکانت کفنہ۔

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے پہننے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن ہوا۔[1]

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔

[1] (صحیح البخاری باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ فلم ینکر علیہ ج ۱ ص ۴۲۹ رقم الحدیث ۱۲۱۸ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۱۷۷ رقم الحدیث ۳۵۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳ رقم الحدیث ۲۲۸۷۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا:

انی البستھا لتلبس من ثیاب الجنۃ و اضطجعت معھا فی قبرھا لا خفف عنھا ضغطۃ القبر۔

ترجمہ: قمیص تو اس لئے پہنائی کہ ان کو جنت کا لباس ملے اور ان کی قبر میں آرام اس لئے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔[1]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

فقال الرجل و اللہ ماسالتہ الا لتکون کفنی یوم اموت قال سھل فکان کفنہ۔ قال قتیبۃ کان سعد بن ابی وقاص۔

ترجمہ: اس آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے حضور سے ایسے نہیں مانگی بلکہ اس لئے مانگی ہے تا کہ جب میں مروں تو یہ میرا کفن بنے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعی وہی چادر اس شخص کا کفن بنی تھی۔

امام قتیبہ المعروف امام الدینوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جلیل القدر صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

و خذ ذلک الشعر و الاظفار فاجعلہ فی فمی و علی عینی و مواضع السجود منی۔

ترجمہ: اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لے کر ان کو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا۔[3]

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبد الرحمن رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔[4]

زیادہ تحقیقات منظور ہو تو **الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ** کا مطالعہ کریں۔

---

[1] (معرفۃ الصحابۃ ج ۱ ص ۲۷۸۔ ۲۷۹ رقم الحدیث ۲۸۸ مطبوعہ مکتبۃ دار مدینۃ منورۃ)، (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[2] (طبرانی کبیر ج ۶ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۵۹۹۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم و الحکم الموصل)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۶۲۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[4] (المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز ج ۱ ص ۳۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ باب الجنائز فصل فی الغسل ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعہ ریاض سعودی عرب)

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔

امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادرالاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من کتب ھذا الدعاء و جعله بین صدر المیت و کفنه فی رقعة لم ینا له عذاب القبر و لا یری منکراً و نکیراً۔

ترجمہ: جو شخص اس دعا کو کاغذ پر لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔[1]

فتاویٰ کبریٰ للمکی میں اس حدیث کو نقل کرکے فرمایا:

ان ھذا الدعآء له اصل و ان الفقیه ابن عجیل کان یامر به ثم افتی بجواز کتابته قیاساً علی کتابة اللّٰه فی نعم الزکوة۔

ترجمہ: اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔[2]

اور وہ دعا یہ ہے:

لا اله الا اللّٰه و اللّٰه اکبر لا اله الا اللّٰه وحدہ لا شریک له لا اله الا اللّٰه له الملک و له الحمد لا اله الا اللّٰه و لا حول و لا قوة الّا باللّٰه العلی العظیم۔[3]

نیز ترمذی میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الرَّحْمٰنَ الرَّحِیْمَ اِنِّیْ اَعْهَدُ اِلَیْکَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیَاةِ الدنیا بانک انتَ اللّٰه الذی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَاتَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّکَ اِن تَکِلنِی الٰی نفسی تُقَرِّبنی مِنَ الشّرِ وتُباعِدنی من الخیر وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَهْداً عِنْدَکَ تُؤَدِّیْهِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادِ۔

فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالیٰ اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انہیں وُہ عہد نامہ دیا جائے۔[4]

امام ترمذی نے فرمایا کہ:

وعن طاوس انه امر بهذا الکلمت فکتب فی کفنه۔

---

[1](نوادرالاصول ص ۲۱۷ مطبوعہ دارالجیل بیروت)

[2](فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی باب الجنائز ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3](فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۶)

[4](نوادرالاصول اصول الرابع والسبعون والمائة مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۷)

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔[1]

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے:

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالی للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر۔

ترجمہ: امام صفار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرمادے اور عذاب قبر سے امن دے۔[2]

درمختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے:

کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیت۔

ترجمہ: میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔[3]

درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے **بسم اللہ** لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الٰہی سے بچ گیا۔

فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے:

و ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامتہ او کفنہ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالی للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر قال نصیر ھذہ روایۃ فی تجویز ذلک وقد روی انہ کان مکتوباً علی افخاذ افراس فی اصطبل الفاروق حبس فی سبیل اللہ۔

ترجمہ: اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کردے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ **حبس فی سبیل اللہ۔**

ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر ان پہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے **الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن** یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔

---

[1] (الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن ص ۴ مطبوعہ بریلی شریف)

[2] (فتاویٰ بزازیہ علی ھامش فتاویٰ ھندیہ کتاب الاحسان ج ۲ ص ۳۷۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

[3] (درمختار باب صلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دھلی)

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تا کہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لقنو اموتکم میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد ۲۸) سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔ تفسیر نیشاپوری وروح البیان سورہ کہف زیر آیت ما یعلم الا قلیل اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں گمی ہوئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت بھاگتے وقت آگ بجھانے کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں۔ اور کھیتی کے لئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ اور بخار، درد سر کے لئے حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدھی ران پر لکھ کر باندھے مال کی حفاظت کے لئے دریا میں سوار ہوتے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔ (از الحروف الحسن وتفسیر خزائن العرفان و جمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یملیخا، مکشلینا، مثلینا، مرنوش، وبرنوش، شاذنوش، مرطوش (روح البیان سورہ کہف آیت: مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ (کہف ۲۲) محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں لو قرء ت ھذہ الاسناد علی مجنون لبرء من جنتہ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں اور بعد موت بے کار ہوں یہ نہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہو گا۔ لہذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر "الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" کے نام سے مکمل رسالہ لکھا ہے۔ وہ یہاں پر درج کرتا ہوں:

رسالہ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن (۱۳۰۸ھ) (کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو)

مسئلہ نمبر ۱۵: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سیّد محمد ابراہیم ۹ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ کفن جو اماکنِ متبرکہ سے آئے اور اس پر آیاتِ کلام اللہ واحادیث وغیرہ لکھی ہوں وہ میّت کو پہنانا کیسا ہے اور شجرہ قبر میں رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی سترنابذیل کرمہ فی حیاتنا وبعد الممات وفتح علینا فی التوسل بایاتہ وشعائرہ ابواب البرکات والسلام علی من تبرک بأثارہ الکریمۃ الاحیاء والاموات وحی ویحیی بامطار فیوضہ العظیمۃ کل موات وعلی ألہ وصحبہ واھلہ وحزبہ عدد کل ماض وأت۔

سب خوبیاں اللہ کے لئے جس نے اپنے دامنِ کرم سے ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی چھپایا، اور اپنی آیات وشعائر سے توسّل میں ہمارے اوپر برکتوں کے دروازے کھولے اور درود وسلام ہو ان پر جن کے آثار گرامی سے زندے اور مردے سبھی نے برکت حاصل کی اور جن کے عظیم فیوض کی بارشوں سے ہر بے جان کو زندگی ملی اور ملتی ہے۔

اور (درود وسلام ہو) ان کی آل، اصحاب، اہل اور جماعت پر، ہر گزشتہ اور آنے والے کی تعداد کے برابر۔

یہاں چار مقام ہیں:

اول: فقہ حنفی سے کفن پر لکھنے کا جزئیہ کہ بدرجہ اولٰی قبر میں شجرہ رکھنے کا جزئیہ ہو گا۔ اور اُس کے مؤید احادیث وروایات۔

دوم: احادیث سے اس کا ثبوت کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن میّت پر رکھی گئیں اور اسے مخلِ تعظیم نہ جانا۔

سوم: بعض متاخرین شافعیہ نے جو کفن پر لکھنے میں بے تعظیمی خیال اس کا جواب۔

چہارم: قبر میں شجرہ رکھنے کا بیان۔ وباللہ التوفیق۔

مقامِ اوّل:

ہمارے علماءِ کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امیدِ مغفرت ہے۔

(۱) امام ابوالقاسم صفار شاگرد امام نصیر بن یحیٰی تلمیذ شیخ المذہب سیدنا امام ابویوسف و محرر المذہب سید امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تصریح وروایت کی۔

(۲) امام نصیر نے فعلِ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تائید وتقویت کی۔

(۳) امام محمد بزازی نے وجیز کردری (۴) علامہ مدقق علائی نے در مختار میں اُس پر اعتماد فرمایا۔

(۵) امام فقیہ ابن عجیل وغیرہ کا بھی یہی معمول رہا۔

(۶) بلکہ امام اجل طاؤس تابعی شاگرد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ انہوں نے اپنے کفن میں عہد نامہ لکھے جانے کی وصیّت فرمائی اور حسب وصیّت ان کے کفن میں لکھا گیا۔

(۷) بلکہ حضرت کثیر بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں خود اپنے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔

(۸) بلکہ امام ترمذی حکیم الٰہی سیّدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من کتب ھذا الدعاء وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر ولا یری منکرا ونکیراً وھو ھذا لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لاالٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لاالٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جو یہ دُعا کسی پرچہ پر لکھ کر میّت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں، اور وہ دعا یہ ہے:

لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لاالٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لاالٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔[1]

نیز ترمذی میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانک انتَ اللہ الذی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَاتَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّکَ اِن تَکِلنِی اِلٰی نفسی تُقَرِّبنی مِنَ الشّر وتُبَاعِدنی من الخیر وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَھْدًا عِنْدَکَ تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالٰی اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انہیں وُہ عہد نامہ دیا جائے۔[2]

امام نے اسے روایت کرکے فرمایا:

وعن طاؤس انہ امر بھذہ الکلمات فکتبت فی کفنہ۔

امام طاؤس کی وصیّت سے عہد نامہ اُن کے کفن میں لکھا گیا۔[3]

---

[1] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۶)

[2] (نوادر الاصول اصول الرابع والسبعون والمائۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۷)

[3] (الدر المنثور بحوالہ حکیم الترمذی تحت الامن اتخذ عند الرحمٰن عھدا منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۴/ ۲۸۶)

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:

اذا کتب ھذا الدعاء وجعل مع المیت فی قبرہ وقاہ اللہ فتنۃ القبر وعذابہ۔

جب یہ لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالٰی اُسے سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے امان دے۔[1]

(۹) یہی امام فرماتے ہیں:

من کتب ھذا الدعاء فی کفن المیت رفع اللہ عند العذاب الٰی یوم ینفخ فی الصور وھو ھذا۔

جو یہ دُعا میّت کے کفن میں لکھے اللہ تعالٰی قیامت تک اس سے عذاب اٹھالے اور وہ یہ ہے:

اللھم انی اسألک یاعالم السر یاعظیم الخطر یاخالق البشر یاموقع الظفر یامعروف الاثر یا ذاالطول والمن یاکاشف الضرو المحن یااِلٰہ الاولین و الاٰخرین فرج عنی ھمومی واکشف عنی غمومی وصل اللھم علٰی سیدنا محمدوسلم۔[2]

(۱۰) ابن حجر مکّی نے اپنے فتاوی میں ایک تسبیح کی نسبت جسے کہا جاتا ہے کہ اُس کا فضل اُس کی برکت مشہور ومعروف ہیں، بعض علمائے دین سے نقل کیا کہ:

من کتبہ وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ لاینال عذاب القبر ولاینالہ منکر ونکیر ولہ شرح عظیم وھو دعاء الانس، (وھو ھذا)۔

جو اسے لکھ کر میّت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر اُس تک پہنچیں اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے اور وُہ چین وراحت کی دعا ہے۔

وہ دعا یہ ہے:

سبحٰن من ھو بالجلال موحد بالتوحید معروف وبالمعارف موصوف وبالصفۃ علٰی لسان کل قائل رب بالربوبیۃ للعالم قاھر وبالقھر للعالم جبار وبالجبروت علیم حلیم وبالحلم والعلم رؤف رحیم، سبحٰنہ کما یقولون وسبحنہ کما ھم یقولون تسبیحا تخشع لہ السمٰوٰت والارض ومن علیھا ویحمدنی من حول عرشی اسمی اللہ وانا اسرع الحاسبین۔[3]

مصنّف عبدالرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی اور ان کے طریق سے حلیہ ابو نعیم میں ہے:

اخبرنا معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل ان فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا لما حضرتھا الوفاۃ امرت علیا فوضع لھا غسلا فاغتسلت وتطھرت، ودعت بثیاب اکفانھا فلبستھا ومست من الحنوط ثم امرت علیا ان لاتکشف اذاھی

---

[1] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۶)
[2] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶)
[3] (فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶)

قبضت و ان تدرج کما ھی فی اکفانھافقلت لہ ھل علمت احدا فعل نحو ذلک قال نعم کثیر بن عباس، و کتب فی اطراف اکفانایشھد کثیر بن عباس ان لا الٰہ الا اللہ۔

معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل نے ہمیں خبر دی کہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا نے انتقال کے قریب امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے اپنے غسل کے لئے پانی رکھوادیا پھر نہائیں اور کفن منگا کر پہنا اور حنوط کی خوشبو لگائی، پھر مولٰی علی کو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی میرا کفن نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن فرمادی جائیں۔ میں نے پوچھا کسی اور نے بھی ایسا کیا، کہاہاں کثیر بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہمانے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتاہے کہ لا الٰہ الاّ اللہ۔[1]

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے:

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علٰی عمامۃ او کفنہ عھد نامہ، یرجی ان یغفر اللہ تعالٰی للمیّت، و یجعلہ أمنامن عذاب القبر۔

امام صفار نے ذکر فرمایا کہ اگر میّت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالٰی اسے بخش دے اور عذابِ قبر سے مامون کرے۔[2]

پھر فرمایا:

قال نصیر ھذہ روایۃ فی تجویز وضع عھدنامہ مع المیّت و قد روی انہ کان مکتوبا علی افخاد افراس فی اصطبل الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ، حبس فی سبیل اللہ۔

امام نصیر نے فرمایا: یہ میّت کے عہد نامہ رکھنے کے جواز کی روایت ہے اور بیشک مروی ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصطبل میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا وقف فی سبیل اللہ۔[3]

(۱۱) دُرمختار میں ہے:

کتب علی جبھۃ المیت و عمامتہ او کفنہ عھدنامہ یرجی ان یغفر اللہ للمیّت اوصی بعضھم ان یکتب فی جبھۃ و صدرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جاءتنی ملٰئکۃ العذاب فلمار أو امکتوبا علی جبھتی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قالو أمنت من عذاب اللہ۔

---

[1] (حلیۃالاولیاءترجمہ ۱۳۳ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۴۳/۲)

[2] (فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ھندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۹/۶)

[3] (فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ھندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۹/۶)

مُردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اُس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی، پھر خواب میں نظر آئے حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آئے میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی دیکھی کہا تجھے عذابِ الٰہی سے امان ہے۔[1]

(۱۲) فتاوٰی کبری للمکی میں ہے:

نقل بعضھم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی ان ھذا الدعاء له اصل و ان الفقیه ابن عجیل کان یأمر به ثم افتی بجواز کتابته قیاسا علٰی کتابة ﷲ فی نعم الزکٰوة۔

بعض علماء نے نوادرالاصول امام ترمذی سے وہ حدیث نقل کی جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ یہ دُعا اصل رکھتی ہے، نیز ان بعض نے نقل کیا کہ امام فقیہ ابن عجیل اس کے لکھنے کا حکم فرمایا کرتے، پھر خود انہوں نے اس کے جوازِ کتابت پر فتوٰی دیا اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے چوپایوں پر لکھا جاتا ہے ﷲ (یہ اللہ کے لئے ہیں)۔[2]

(۱۳) اُسی میں ہے:

و اقرہ بعضھم بانه قیل یطلب فعله لغرض صحیح مقصود، فابیح و ان علم انه یصیبه نجاسة۔

اس فتوے کو بعض دیگر علماء نے برقرار رکھا۔

(۱۴) اور اس کی تائید میں بعض اور علماء سے نقل کیا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی۔[3]

ھذا ما اثر، ثم نظر و فیه نظر کما سیأتی و باللہ توفیق۔

یہ انہوں نے نقل کیا پھر اس پر کلام کی اور اس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور توفیق خدا ہی سے ہے۔

مقامِ دوم: احادیث مؤیدہ

اقول (۱۵) حدیث صحیح میں ہے بعض اجلۂ صحابہ نے کہ غالباً سیّدنا عبدالرحمن بن عوف یا سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تہبند اقدس (جو کہ ایک بی بی نے بہت محنت سے خوبصورت بُن کر نذر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی) مانگا۔ حضور اجود الاجودین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے انہیں ملامت کی کہ اُس وقت اس ازار شریف کے سوا حضور اقدس صلوات اللہ

---

[1] (درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/۱۲۶)
[2] (فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱۲)
[3] (فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱۲)

سلامہ علیہ کے پاس اور تہبند نہ تھا، اور آپ جانتے ہیں حضور اکرم الاکرما صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی کسی سائل کو رَد نہیں فرماتے، پھر آپ نے کیوں مانگ لیا؟ انہوں نے کہا واللہ! میں نے استعمال کو نہ لیا بلکہ اس لئے کہ اس میں کفن دیا جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کی اس نیت پر انکار نہ فرمایا، آخر اسی میں کفن دئے گئے۔

صحیح بخاری میں ہے:

باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکر علیہ حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ فذکر باسنادہ عن سھل رضی اللہ تعالٰی عنہ ان امراۃ جاءت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیھا حاشیتھا اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتھا بیدی فجئت لاکسوکھا فاخذھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجاً الیھا فخرج الینا وانھا ازارہٖ فحسنھا فلان فقال اکسنیھا ما احسنھا قال القوم ما احسنت لبسھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجاً الیھا ثم سألتہ وعلمت انہ لا یرد قال انی واللہ ماسألتہ وعلمت انہ لا یرد قال انی واللہ ماسألتہ وعلمت انہ لا یرد قال انی واللہ ماسألتہ لالبسھا وانما سألتہ لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنہ۔

باب، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زمانہ میں جس نے کفن تیار کیا اور آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا، حضرت عبداللہ بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں خوبصورت بُنی ہوئی حاشیہ والی چادر لائی، تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چادر تھی، انہوں نے جواب دیا وہ تہبند ہے، کہا ہاں، اُس عورت نے عرض کیا کہ میں نے خود یہ چادر بُنی ہے آپ ﷺ کو پہننے کے لئے پیش کرتی ہوں تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بڑی خوشی سے قبول فرمائی تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے تو فلاں صحابی نے اس تہبند کی تحسین کی اور عرض کیا یہ کتنی اچھی ہے مجھے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حاضرین نے اسے کہا تو نے اچھا نہیں کیا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود اپنے لئے پسند فرمائی تھی، تو نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کسی سائل کو مایوس نہیں فرماتے سوال کر لیا۔ اس نے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم میں نے اسے پہننے کے لئے نہیں اپنے کفن کے لئے طلب کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر مبارک اس سائل صحابی کا کفن بنی۔[1]

(۱۶) بلکہ خود حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب یا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کفن میں اپنا تہبند اقدس عطا کیا اور غسل دینے والی بیبیوں کو حکم دیا کہ اُسے ان کے بدن کے متصل رکھیں۔

[1] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۰)

صحیحین میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونحن نغسل ابنتہ فقال اغسلنھا ثلٰثا او خمسا او اکثر من ذٰلک ان رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الاٰخرۃ کافورا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاٰذننی فلما فرغنا اٰذناہ فالقی الینا حقوہ فقال اشعرنھا ایاہ۔

فرماتی ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم ان کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ، یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ، اور آخری بار کافور ملا لینا، فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ ہم نے جب غسل دے لیا تو حضور ﷺ کو خبر دی۔ سرکار نے اپنا تہبند دیا اور فرمایا اسے اس کے بدن سے متصل رکھنا۔[1]

(۱۷) علماء فرماتے ہیں یہ حدیث مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کی اصل ہے۔ لمعات میں ہے:

ھذا الحدیث اصل فی التبرک باٰثار الصالحین ولباسھم، کما یفعلہ بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتھم فی القبر۔

یہ حدیث صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض ارادت منداُن کی قمیصوں کا کفن پہنتے ہیں۔[2]

(۱۸) یونہی حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ، رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا۔[3]

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابن حبان والحاکم وصححہ وابو نعیم فی الحلیۃ عن انس۔

اسے معجم کبیر و معجم اوسط میں طبرانی نے اور ابن حبان اور حاکم نے بافادہ تصحیح، اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

(۱۹) وابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنّفہ عن جابر۔

اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں حضرت جابر سے۔

(۲۰) وابن عساکر عن علی۔

ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔

---

[1] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۸)
[2] (لمعات التنقیح باب غسل میت فصل اول مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۴/ ۳۱۸)
[3] (مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب مناقب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۹/ ۲۵۷)

(۲۱) والشیرازی فی الالقاب وابن عبدالبر وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

القاب میں شیرازی نے ابن عبدالبر وغیرہم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔

(۲۲) اور ارشاد فرمایا کہ میں نے انہیں اپنا قمیص مبارک اس لئے پہنایا کہ یہ جنّت کے لباس پہنیں۔

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

قال لماماتت فاطمۃ اُمّ علی رضی اللہ تعالٰی عنھا، خلع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ والبسھا ایاہ، واضطجع فی قبرھا فلما سوی علیھا التراب قال بعضھم یارسول اللہ رأیناک صنعت شیئالم تصنعہ باحد، فقال انی البستھا قمیصی لتلبس من ثیاب الجنۃ واضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا من ضغطۃ القبر، انھا کانت احسن خلق اللہ نیعا الیّ بعد ابی طالب۔

فرمایا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا کُرتا اتار کر انہیں پہنایا اور ان کی قبر میں لیٹے، جب قبر پر مٹی برابر کر دی گئی تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ کو وہ عمل کرتے دیکھا جو حضور نے کسی کے ساتھ نہ کیا۔ فرمایا اسے میں نے اپنا کُرتا اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے کپڑے پہنے اور اس کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ قبر کے دبانے میں اس سے تخفیف کروں یہ ابو طالب کے بعد خلقِ خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھی۔[1]

(۲۳) بلکہ صحاح ستّہ سے ثابت کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کہ سخت دشمن حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا جس نے وہ کلمہ ملعونہ لئن رجعنا الی المدینۃ (جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے الخ۔) کہا، جہنم واصل ہوا، حضور پُر نور حلیم غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُسکے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ بن اُبی کی درخواست سے کہ صحابی جلیل ومومن کامل تھے، اُس کے کفن کے واسطے اپنا قمیص مقدس عطا فرمایا، پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، لوگ اُسے رکھ چکے تھے، حضور طیب وطاہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس خبیث کو نکلوا کر لعابِ دہن اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا، اور یہ بدلہ اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما گرفتار آئے برہنہ تھے، بوجہ طول قامت کسی کا کُرتا ٹھیک نہ آتا اس مردنے انہیں اپنا قمیص دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور ﷺ کے اہلبیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہذا اپنے دو قمیص مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، ونیز

[1] (معرفۃ الصحابۃ حدیث ۲۸۸ مکتبۃ الدار مدینہ منورہ ۱/ ۷۹۔۲۷۸)

مرتے وقت وہ ریاکار، نفاق شعار، خود عرض کر گیا کہ حضور مجھے اپنے قمیص مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کا ادب قدیم ہے کہ کسی کا سوال رَد نہیں فرماتے:

یارسول اللہ یا کریم یارؤف یارحیم اسألک الشفاعۃ عندالمولی العظیم والوقایۃ من نار الجحیم والامان من کل بلاء الیم لی ولکل من اٰمن بک بکتابک الحکیم علیک من ولاٰک افضل الصلٰوۃ واکمل تسلیم۔

اے اللہ کے رسول، اے کریم، اے رؤف، اے رحیم! آپ سے ربِ عظیم کے حضور شفاعت، نارِ جہنم سے حفاظت اور ہر دردناک بلا سے امان کا سوال کرتا ہوں اپنے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو آپ پر آپ کی حکمت والی کتاب پر ایمان لایا، آپ پر اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر بہتر درود اور کامل تر سلام ہو۔

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ شانِ رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن اُبی سے مشرف باسلام ہوئے کہ واقعی یہ حلم ورحمت وعفو ومغفرت نبی برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم

صحیحین وغیرہما صحاح وسنن میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ان عبداللہ بن اُبی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ اعطنی قمیصک اکفنہ فیہ وصل علیہ استغفر لہ فاعطاہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ الحدیث۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کے فرزند نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اپنا کُرتا عطا فرمائیں میں اسے اس میں کفن دوں گا اور اسے اپنی صلٰوۃ واستغفار سے نوازیں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں اپنا کُرتا عطا کر دیا۔ الحدیث۔[1]

(۲۴): نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی بعد مادفن فنفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی کے پاس دفن کے بعد تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعابِ اقدس ڈالا اور اسے اپنا کُرتا پہنایا۔[2]

[1] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹)
[2] (صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹)

(۲۵) امام ابو عمر یوسف بن عبد البر کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت میں فرمایا:

انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخرج لحاجۃ فاتبعتہ باداوۃ فکسانی احد ثوبیہ الذی یلی جسدہ فخبأتہ لھذا الیوم، واخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اظفارہ وشعرہ ذات یوم فاخذتہ، فخباتہ لھذا الیوم فاذا انامت فاجعل ذلک القمیص دون کفنی ممایلی جسدی وخذ ذلک الشعر والاظفار فاجعلہ فی فمی وعلی عینی ومواضع السجود منی۔

یعنی میں صحبتِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے شرف یاب ہوا ایک دن حضور اقدس صلی للہ تعالٰی وسلامہ علیہ، حاجت کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ میں لوٹا لے کر ہمراہ رکاب سعادت مآب ہُوا۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدنِ اقدس سے متصل تھا مجھے انعام فرمایا، وہ کُرتا میں نے آج کے لئے چھپار کھا تھا۔ اور ایک روز حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ناخن و مُوئے مبارک تراشے وہ میں نے لے کر اس دن کے لئے اٹھا رکھے، جب میں مر جاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا، وموئے مبارک وناخن ہائے مقدسہ کو میرے منہ اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر رکھ دینا۔[1]

(۲۶) حاکم نے مستدرک میں بطریق حمید بن عبد الرحمن رواسی روایت کی:

قال حدثنا الحسن بن صالح عن ھارون بن سعید عن ابی وائل قال کان عند علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مسک، فاوصی ان یحنط بہ، وقال علی وھو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سکت علیہ الحاکم، ورواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ قال حدثنا حمید بن عبد الرحمٰن بہ، ورواہ البیھقی فی سننہ، قال النووی اسنادہ حسن۔ ذکرہ فی نصب الرایۃ من الجنائز۔

(انہوں نے کہا ہم نے حسن بن صالح نے حدیث بیان کی وُہ ہارون بن سعید سے، وہ ابووائل سے راوی ہیں انہوں نے کہا۔) کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے پاس مشک تھا وصیت فرمائی کہ میرے حنوط میں یہ مشک استعمال کیا جائے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حنوط کا بچا ہُوا ہے۔ (اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا، کہا ہم سے حمید بن عبد الرحمن نے حدیث بیان کی آگے سند دی ہے، اور اسے بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔ امام نووی نے فرمایا اس کی سند حسن ہے۔ اسے نصب الرایہ کتاب الجنائز میں ذکر کیا۔[2]

---

[1] (کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ ترجمہ معاویہ بن سفیان مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/ ۳۹۹)

[2] (المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۶۱) (نصب الرایۃ باب الجنائز فصل فی الغسل المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحجہ الریاض ۲/ ۲۵۹)

(۲۷) ابن السکن نے بطریق صفوان بن ہبیرہ عن ابیہ روایت کی:

قال قال ثابت البنانی قال لی انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذہ شعرۃ من شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضعھا تحت لسانی، قال فوضعتھا تحت لسانہ فدفن وھی تحت لسانہ، ذکرہ فی الاصابۃ۔

یعنی ثابت بنانی فرماتے ہیں مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: یہ موئے مبارک سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے، اسے میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، وہ یوں ہی دفن کئے گئے کہ موئے مبارک اُن کی زبان کے نیچے تھا (اسے اصابہ میں ذکر کیا گیا۔[1]

(۲۸) دلائل النبوۃ بیہقی وابن عساکر امام محمد بن سیرین سے راوی:

عن انس بن مالک انہ کان عندہ عصیۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمات فدفنت معہ بین جیبہ وبین قمیصہ۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی وہ ان کے سینہ پر قمیص کے نیچے اُن کے ساتھ دفن کی گئی۔[2]

اُن کے سوا ہنگام تتبع اور نظائر ان وقائع کے کتب حدیث میں ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ جیسے نقوش کتابت آیات واحادیث کی تعظیم فرض ہے یونہی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رداو قمیص خصوصاً ناخن وموئے مبارک کی کہ اجزائے جسم اکرم حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل جزء جزء وشعرۃ شعرۃ منہ وبارک وسلم تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا ان طریقوں سے تبرک کرنا اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز ومقرر رکھنا بلکہ بنفس نفیس یہ فعل فرمانا جوازِ مانحن فیہ کے لئے دلیل واضح ہے اور کتابت قرآن عظیم کی تعظیم زیادہ ماننا بھی ہرگز مفید تفرقہ نہیں ہو سکتا کہ جب علت منع خوف تجنیس ہے تو وُہ جس طرح کتابت فرقان کے لئے ممنوع ومحظور، یونہی لباس واجزائے جسم اقدس کے لئے قطعاً ناجائز ومحذور، پھر صحاح احادیث سے اسکا جواز بلکہ ندب ثابت ہونا بحکم دلالۃ النص اس کے جواز کی دلیل کافی وللہ الحمد۔

---

[1] (اصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ نمبر ۲۷۷ انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۷۲/۱)

[2] (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ترجمہ انس ابن مالک دار الفکر بیروت ۷۵/۵)

مقام سوم:

کفن پر آیات اسماء ادعیہ لکھنے میں جو شبہہ کیا جاسکتا تھا وہ یہی تھا کہ میّت کا بدن شق ہونا، اس سے ریم وغیرہ نکلنا ہے، تو نجاست سے تلوث لازم آئے گا۔ اس کا نفیس ازالہ امام نفیس نے فرمادیا کہ اصطبلِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا: **حبس فی سبیل اللہ تعالٰی۔** (وقف فی سبیل اللہ تعالٰی ہے)۔[1]

جو احتمالِ نجاست یہاں ہے وہاں بھی تھا تو معلوم ہوا کہ ایک امر غیر موجود کا احتمال نیت صالحہ وغرض صحیح موجود فی الحال سے مانع نہیں آتا۔ مگر ایک متاخر عالم شافعی المذہب امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی نے اس جواب میں کلام کیا ان اسپ پر لکھنا صرف پہچان کے لئے تھا اور کفن پر لکھنے سے تبرک مقصود ہوتا ہے، تو یہاں کلماتِ معظمہ اپنے حال پر باقی ہیں انہیں معرض نجاست پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔[2]

ذکرہ فی فتاواہ الکبرٰی واثرہ العلامۃ الشامی فتبعہ علی عادتہ فانی رأیتہ کثیرا مایتبع ھذاالفاضل الشافعی کمافعل ھھنامع نص ائمۃ مذھبہ الامام نصیر والامام الصفار وتصریح البزازیۃ والدر المختار وکذافی مسئلۃ نزول الخطیب درجۃ عندذکر السلاطین وفی مسئلۃ اذان القبر وفی نجاسۃ رطوبۃ الرحم بالاتفاق مع ان الصواب ان طھارۃ رطوبۃ الفرج عندالامام یشمل الفرج الخارج والرحم والفرج الداخل جمیعا کمابینتہ فی جدالممتار۔

اسے امام ابن حجر مکی نے اپنے فتاوٰی کبرٰی میں ذکر کیا اور علّامہ شامی نے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی پیروی کی، جیسا کہ ان کی عادت ہے اس لئے کہ میں نے بہت جگہ دیکھا کہ وہ اس شافعی فاضل کی پیروی کرتے ہیں جیسے یہاں کی باوجودیکہ ان کے ائمہ مذہب امام نصیر، امام صفار کی تصریح اور بزازیہ و درمختار کی عبارت سامنے ہے۔ اسی طرح خطبہ میں ذکر سلاطین کے وقت خطیب کے ایک سیڑھی نیچے اُتر آنے کے مسئلے میں اور مسئلہ اذانِ قبر میں اور رطوبت رحم کی نجاست کے بارے میں کہا جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک رطوبتِ فرج کی طہارت فرج خارج، رحم اور فرج داخل سبھی کو شامل ہے۔ جیسا کہ جدالممتار میں اسے میں نے بیان کیا ہے۔

اقول قطع نظر اس سے کہ یہ فارق یہاں اصلاً نافع نہیں **کما بینتہ فیما علقت علی ردالمحتار** (جیسا کہ میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں اسے بیان کیا ہے۔) مقام ثانی میں جو احادیثِ جلیلہ ہم نے ذکر کیں وہ تو خاص تبرک ہی کے واسطے تھیں تو فرق ضائع اور امام نصیر کا استدلال صحیح و قاطع ہے۔

ثمّ اقول بلکہ خود قرآنِ عظیم مثل سورہ فاتحہ و آیاتِ شفاء وغیرہا بغرضِ شفاء لکھ کر دھو کر پینا سلفاً خلفاً بلا نکیر رائج ہے۔

---

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۶۰۲)

[2] (ردالمحتار علی الدر المختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۶۰۲)

بلکہ دیلمی نے مسند الفردوس میں اُن سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذاعسرت علی المرأۃ ولادتھا خذ اناء نظیفا فاکتب علیہ قولہ تعالٰی ، کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الاساعۃمن نھار بلغ،فھل یھلک الاالقوم الفٰسقون کانھم یوم یرونھا لم یلبثو الاعشیۃاو ضحٰھالقد کان فی قصصھم عبرۃلاولی الالباب،ثم یغسل وتسقی منہ المرأۃوینضح علٰی بطنھا وفرجھا۔

جس عورت کو جننے میں دشواری ہو پاکیزہ برتن پر آیتیں لکھ کر اُسے پلائیں اور اس کے پیٹ اور فرج (اندام نہانی، شرمگاہ) پر چھڑکیں۔[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے دردِزہ کے لئے فرمایا:

تکتب لھا شیئ من القراٰن وتسقی۔

قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر عورت کو پلائیں۔(قول عبداللہ ابن عباس)

امام احمد بن حنبل اس کے لئے حدیثِ ابن عباس، دعائے کرب اور دو آیتیں تحریر فرمایا کرتے:

لاالٰہ الااللہ الحلیم الکریم سبحٰن اللہ رب العرش العظیم الحمدللہ رب العٰلمین کانھم یوم یرونھا لم یلبثو الاعشیۃ او ضحٰھا کانھم یوم یرون مایوعدون لم یلبثو الاساعۃمن نھار۔[2]

ان کے صاحبزادہ جلیل امام عبداللہ بن احمد اسے زعفران سے لکھتے۔امام حافظ ثقہ احمد بن علی ابوبکر مروزی نے کہا: میں نے ان کو بارہا اسے لکھتے دیکھا: رواہ الامام الثقۃالحافظ ابوعلی الحسن بن علی الخلال المکی (اسے امام، ثقہ، حافظ ابوعلی حسن بن علی خلال مکی نے روایت کیا۔)[3]

حالانکہ معلوم ہے کہ پانی جزوِبدن نہیں ہوتا اور اسکا مثانہ سے گزر کر آلاتِ بول سے نکلنا ضرور ہے بلکہ خود زمزم شریف کیا متبرک نہیں، ولہذا اس سے استنجا کرنا منع ہے۔

درمختار میں ہے:

یکرہ الاستنجاءبماءزمزم لاالاغتسال۔

آبِ زم زم سے استنجاء مکروہ ہے غسل نہیں۔[4]

---

[1](ذکرہ فی نزھۃالاسرار معزی التفسیر بحر العلوم ۱۲ (کنز العمال بحوالہ السنی عن ابن عباس حدیث ۲۸۳۸۱ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۶۴)

[2](مواھب اللدنیہ کتابات الآلام اخرٰی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۳۴ مدارج النبوۃ باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسرولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/ ۲۳۵)

[3](مدارج النبوّۃ بحوالہ خلال مکی باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسرولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/ ۲۳۵)

[4](درمختار باب الھدٰی مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/ ۱۸۴)

ردالمحتار میں ہے:

وکذاازالۃالنجاسۃالحقیقۃمن ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک۔

اسی طرح اپنے کپڑے یا بدن سے نجاستِ حقیقیہ آبِ زم زم سے زائل کرنا یہاں تک کہ بعض علماء نے اسے حرام بتایا ہے۔[1]

اور اس کا پینا اعلٰی درجہ کی سنت، بلکہ کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت۔ تاریخ بخاری وسنن ابن ماجہ و صحیح مستدرک میں بسندِ حسن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایۃما بیننا وبین المنافقین انھم لایتضلعون من زمزم۔ ہم میں اور منافقوں میں فرق کی نشانی یہ ہے کہ وہ کوکھ بھر کر آبِ زمزم نہیں پیتے۔[2]

بلکہ بحمد اللہ تعالٰی ہماری تقریر سے امام ابن حجر شافعی اوران کے متبع کا خلاف ہی اُٹھ گیا، اول نے اسے حدیث سے ثبوت پر موقوف رکھا تھا۔

قال والقول بانہ قیل یطلب فعلہ الخ مردود لان مثل ذلک لایحتج بہ وانما کانت تظھر الحجۃ لوصح عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک۔

ان کا کلام یہ ہے یہ کہنا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی ناقابل قبول ہے کیونکہ اس طرح کی بات سے حجت قائم نہیں ہوتی، اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی طلب صحت کے ساتھ ثابت ہوتی تو حجت ظاہر ہوتی اور ایسا نہیں۔[3]

دوم نے حدیث یا قولِ مجتہد پر:

قال فالمنع ھنا بالاولٰی مالم یثبت عن المجتھد اوینقل فیہ حدیث ثابت۔

انہوں نے کہا: تو یہاں ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث منقول نہ ہو۔[4]

---

[1] (ردالمحتار باب الھدٰی مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲/ ۲۵۶)
[2] (المستدرک علی الصحیحین کتاب المناسک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۷۲)
[3] (فتاوی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۳)
[4] (ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۷)

ہم نے متعدد احادیثِ صحیحہ سے اُسے ثابت کر دیا اور امام نصیر و امام قاسم صفار نے خود ہمارے مذہب کے ائمہ مجتہدین سے ہیں، بالجملہ حکم جواز ہے اور اگر بلحاظ زیادت احتیاط کفن پر لکھنے یا لکھا ہوا کفن دینے سے اجتناب کرے تو جادارد۔ اس بحث کی تکمیل و تفصیل فقیر نے تعلیقات ردالمحتار میں ذکر کی، اُس کا یہاں ذکر خالی از نفع نہیں۔

امام حجر مکی نے بعد عبارت مذکورہ نمبر ۱۲ فرمایا تھا:

قیاسه علی مافی نعم الصدقة ممنوع لان القصد ثم التمیز لا التبرک وهنا القصد التبرک فالاسماء المعظمة باقیة علی حالها فلایجوز تعریضها للنجاسة۔ اھ واقرہ شامی۔

صدقہ کے جانوروں کے بارے میں جو آیا ہے اس پر اس کا قیاس ممنوع ہے اس لئے کہ وہاں امتیاز مقصود ہے تبرک نہیں، اور یہاں برکت لینا مقصود ہے تو عظمت والے اسماء اپنے حال پر باقی رہیں گے انہیں معرض نجاست میں لانا جائز نہ ہوگا اھ، علامہ شامی نے اسے برقرار رکھا۔[1]

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

اقول هذا الفرق لایجدی نفعا وکیف یسلم ان قصد التمیز یسقط تعظیم ماوجب تعظیمه شرعا افتبدل به اعیان الاسماء العظمة فهو باطل عیانا ام لایراد بها معانیها بل تکون الفاظ مستعملة فی معان اخری او من دون معنی وهذا ایضا باطل قطعا فان قولنا الله او حبس فی سبیل الله انما یفید التمیز ویفهم الصدقة بالنظر الی معانیها الموضوعة لها لاغیر ام اذا استعملت الکلمات المعظمة فی معانیها وکان الغرض هنالک افهام امر ما سوی نحو التبرک یخرجها ذلک عن کونها معظمة وای دلیل من الشرع علی ذلک بل الدلائل بل البداهة ناطقة بخلافه ولو ان مجرد قصد غرض أخر غیر نحو التبرک کان یسقط التعظیم فلیجز توسد القرأن العظیم بل اولٰی لان الغرض ثم لایتم الا باسم الجلالة من حیث هو اسم الجلالة اما ههنا فنظر المتوسد لیس الی قرأنیته من حیث هی هی بل الٰی حجمه وضخامة جلده واذا جاز ذلک لذلک جاز ایضا والعیاذ بالله تعالٰی ان یضع المصحف الکریم علی الارض ویجلس علیه توقیا لثیابه من التراب فانه لیس باعظم من التعریض للابوال والارواث الی غیر ذلک مما لایجیزہ احد۔ ولعل معتلا یعتل بجواز قراءة امثال الفاتحة للجنب واختیه اذا قصدوا الثناء والدعاء دون التلاوة۔

اقول: یہ تفریق بے سُود ہے، یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ امتیاز کا قصد ایسی چیز کی تعظیم ساقط کر دے جس کی تعظیم شرعاً واجب ہو۔ اگر یہ کہیں کہ اس قصد کی وجہ سے عظمت والے اسماء کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے تو اس کا بطلان عیاں ہے اور یہ کہیں کہ ان سے ان کی معانی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ دوسرے معانی میں مستعمل الفاظ ہو جاتے ہیں یا معنی سے خالی ہو جاتے ہیں -- تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کلمہ للہ (خدا کے لئے) یا حبیس فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں وقف) امتیاز و نشان کا فائدہ بھی دیتا ہے

---

[1] (فتاوی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۳)

اور اپنے وضعی معنی کے لحاظ سے مال صدقہ ہونے کو بھی بتاتا ہے کوئی اور معنی نہیں دیتا--اور اگر یہ کہیں کہ عظمت والے کلمات جب اپنے معانی میں مستعمل ہوں اور وہاں تبرک کے سوا کوئی اور بات سمجھانی بھی مقصود ہو تو وہ باعظمت نہیں رہ جاتے--تو اس پر کون سی دلیل شرعی ہے؟ بلکہ دلائل بلکہ بداہت اس کے خلاف ناطق ہے تبرک جیسے امر کے سوا کسی اور غرض کا محض قصد ہو جانا اگر تعظیم کو ساقط کر دیتا ہے تو چاہیئے کہ قرآنِ عظیم کا تکیہ لگانا جائز ہو بلکہ بدرجہ اولٰی، اس لئے کہ وہاں جو غرض ہے وہ اسم جلالت بحیثیت اسم جلالت کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ اور یہاں تو تکیہ لگانے والے کی نظر اس کی قرآنیت بحیثیت قرآنیت کی جانب نہیں ہوتی بلکہ اس کے حجم اور جلد کی ضخامت کی جانب ہوتی ہے۔ اور اس بنیاد پر جب وہ جائز ہو جائیگا۔

تو معاذاللہ یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ مصحف شریف زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھ رہے اس غرض سے کہ اس کے کپڑے مٹّی سے محفوظ رہیں، کیونکہ یہ لید اور پیشاب وغیرہ پڑنے کی جگہ لانے سے بڑھ کر نہیں، جسے کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کوئی یوں علت پیش کرے کہ جنب وحائض ونفساء کے لئے دعا وثنا کے ارادے سے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے اور بقصدِ تلاوت جائز نہیں۔

اقول نازعه المحقق الحلبی فی الحلیة وخصّ الجواز بما لا یقع به التحدی ای مادون قدر ثلث أیات ولی فی هذا ایضا کلام والحق عندی ان الجواز بنیة الدعاء والثناء ورد علی خلاف القیاس توسعة من اللّٰہ تعالٰی بعبیدہ رحمة منه وفضلا فلا یجوز القیاس علیه علا ان منع الجنب لم یکن لنفس الالفاظ بل لکونها قرأنا ای کلام اللّٰہ عزوجل النازل علی نبیه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم المثبت بین الدفتین من حیث هو کذلک حتی لو فرض ان تلک الالفاظ کانت حدیثا لم یحرم علیه قراءته فاذا قرأت علی جهة انشاء کلام من عند نفسه لم تبق النسبة المانعة ملحوظة اما ههنا فالتعظیم لنفس تلک الالفاظ الموضوعة لتلک المعانی المعظمة وهی باقیة فی الکتابة علی حالها فافهم، مع ان العلامة سیّدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی نص علیه ان النیة تعمل فی تغییر المنطوق لا المکتوب کما نقله العلامة شامی قبیل المیاہ واقرہ۔

اقول محقق حلبی نے حلیہ میں اس سے اختلاف کیا ہے اور جواز صرف اتنی مقدار سے خاص کیا ہے جس سے تحدّی واقع نہیں ہوتی، یعنی تین آیات سے کم ہی پڑھنے کا جواز ہے--مجھے اس میں بھی کلام ہے--میرے نزدیک حق یہ ہے کہ دعا یا ثنا کی نیت سے جواز کا حکم--اللہ تعالٰی کی جانب سے بطور رحمت وفضل بندوں پر وسعت دینے کے لئے--خلافِ قیاس وارد ہے تو اس پر قیاس روا نہیں--علاوہ ازیں جنب کے لئے ممانعت نفس الفاظ کے باعث نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن ہیں یعنی اللہ عزوجل کا وُہ کلام جو اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہے دو دفتوں کے درمیان ثبت ہے اس لحاظ سے کہ وہ قرآن ہیں، یہاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ الفاظِ حدیث ہیں تو جنب کے لئے ان کی قرأت حرام نہ ہوگی، تو جب ان کی قرأت اس

طور پر ہو کہ خود اپنی جانب سے ایک کلام انشا کر رہا ہے تو جو نسبت باعثِ ممانعت تھی وہ ملحوظ نہ رہ گئی، لیکن یہاں تو تعظیم خود ان ہی الفاظ کے باعث ہے جو ان معانی عظمت کے لئے وضع ہوئے ہیں۔ اور کتابت میں یہ اپنے حال پر باقی ہیں۔ تو اسے سمجھو، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ نیت منطوق کو بدلنے میں اثر انداز ہوتی ہے مکتوب میں نہیں، جیسا کہ علّامہ شامی نے باب المیاہ سے ذرا قبل اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا ہے۔ [1]

ثم اقول علی التسلیم لامحیص عن کونہ اعنی ماکتب علی افخاذ الا بل حروفا و حروف الھجاء المعظمۃ بانفسھا لایجوز تعریضھا للنجاسۃ کیف و انھا علی ماذکر الزرقانی فی شرح المواھب قرأن انزل علی سیدناھو دعلی نبینا الکریم و علیہ الصلٰوۃ و التسلیم و کذا نقلہ فی ردالمحتار عن بعض القراء و قدمہ عن سیّدی عبدالغنی عن کتاب الاشارات فی علم القراءات للامام القسطلانی و قال اعنی الشامی فیہ ان الحروف فی ذاتھا لھا احترام اھ، ثم اقول بر تقدیر تسلیم۔

اونٹوں کی ران پر جو لکھا جاتا اُس کو حروف ماننے سے مفر نہیں ہے اور حروفِ تہجی خود باعظمت ہیں، انہیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہیں ہے ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ وُہ قرآن ہے جو سیّدنا ہود علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم پر نازل ہوا، جیسا کہ علّامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا ہے اسی طرح ردالمحتار میں اسے بعض قراء سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے امام قسطلانی کی کتاب الاشارات فی علم القراءات کے حوالے سے سید عبد الغنی نابلسی سے نقل کیا-اور اسی میں علامہ شامی نے بھی یہ لکھا ہے خود یہ حروف محترم ہیں اھ۔ [2]

وقال ایضانقلوا عندنا ان للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ اھ۔

یہ بھی لکھا ہے کہ علماء نے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی عزت و حرمت ہے اگرچہ یہ الگ الگ ہوں اھ۔ [3]

وفی الھندیۃ لو قطع الحروف فی الحرف او خیط علی بعض الحروف فی البساط او المصلی حتی لم تبق الکلمۃ متصلۃ لم تسقط الکراھۃ و کذلک لو کان علیہ، الملک ،لاغیر و کذلک الالف و حدھا و اللام وحدھا کذا فی الکبری، اذا کتب اسم فرعون او کتب ابو جھل علی غرض یکرہ ان یرموا الیہ لان لتلک الحروف الحرمۃ کذا فی السراجیۃ اھ۔

ہندیہ میں ہے اگر حرف کو حرف سے جدا کر دیا، یا فرش یا جانماز میں بعض حروف پر اس طرح سلائی کر دی گئی کہ پُورا لفظ مستعمل نہ رہا تو بھی کراہت ختم نہ ہوئی-- اسی طرح اگر اس پر صرف الملک ہو، اسی طرح اگر صرف الف اور صرف لام ہو،

---

[1] (ردالمحتار کتاب الطھارۃ مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹)

[2] (ردالمحتار فصل الاستجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷)(ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹)

[3] (ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷)

ایسا ہی کبریٰ میں ہے-- اگر نشانہ لگانے کی جگہ فرعون کا نام لکھ دیا گیا یا ابو جہل لکھا گیا تو اس پر تیر مارنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان حروف ہی کی عزّت و حرمت ہے، ایسا ہی سراجیہ میں ہے اھ۔[1]

بل صرح فی الدر المختار وغیرہ انہ یجوز رمی برایۃ القلم الجدید ولا ترمی برایۃ القلم المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد وکناستہ لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم۔اھ۔

بلکہ در مختار وغیرہ میں تصریح ہے کہ نئے قلم کا تراشا پھینکنا جائز ہے اور مستعمل قلم کا تراشہ پھینکنا جائز نہیں کیونکہ وہ محترم ہے، جیسے مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں بے حرمتی ہو اھ۔[2]

وفی ردالمحتار ورق الکتابۃ لہ احترام ایضا لکونہ اٰلۃ لکتابۃ العلم ولذا عللہ فی التاتارخانیہ بان تعظیمہ من ادب الدین اھ

ردالمحتار میں ہے: کتابت کے کاغذ کا احترام ہے اس لئے کہ وہ کتابتِ علم کا سامان ہے-- اسی لئے تاتارخانیہ میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس کی تعظیم دین کے آداب سے ہے اھ۔[3]

فاذا کان ھذا فی برایۃ القلم وبیاض الورق الغیر المکتوب فما ظنک بالحروف فاذن لا شک فی صحۃ الاستناد ولا بد من اخراج کتابات الابل عن الاخلال بالتعظیم۔

توجب یہ حکم قلم کے تراشے اور بغیر لکھے کاغذ کی بیاض کے بارے میں ہے تو حروف کے بارے میں کیا ہوگا اس سے ظاہر ہوا کہ صحتِ استناد میں کوئی شک نہیں ہے اور اونٹوں والی تحریروں کو بے حرمتی سے خارج ماننا ضروری ہے۔

واقول یظھر لی فی النظر الحاضر ان لیس الامتھان من لازم تلک الکتابۃ ولاھو موجود حین فعلت ولاھو مقصود لمن فعل وانما اراد التمیز وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء ما نوی۔

(اور میں کہتا ہوں) بنظرِ حاضر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اہانت اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بوقتِ تحریر اہانت کا وجود ہے، نہ ہی یہ لکھنے والے کا مقصود ہے اس کا مقصد صرف امتیاز پیدا کرنا اور نشان لگانا ہے اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔[4]

قال فی جواھر الاخلاطی ثم الفتاوی الھندیۃ لا باس بکتابۃ اسم اللہ تعالٰی علی الدراھم لان قصد صاحبہ العلامۃ لا التھاون۔اھ۔

---

[1] (فتاوٰی ھندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۳)

[2] (در مختار کتاب الطھارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱/۳۴)

[3] (ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۲۲۷)

[4] (صحیح بخاری باب کیف بدأ الوحی مطبوعہ قدیمی قطب خانہ کراچی ۱/۲)

جواہر اخلاطی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے: دراہم پر اللہ کا نام تحریر کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحریر کرنے والے کا مقصود صرف نشان ہوتا ہے، اہانت نہیں۔ اھ۔[1]

وھذ الاشک انه جارفیما نحن فیه فلیس التجنیس من لازم الکتابة ولاھو موجود لامقصود وانما المراد التبرک الٰی اٰخر مامر فان قنع بھذافذاک والافایاما ابدیتم من الوجه فی ذالک فانه یجری فیماھنالک ولایظھر فرق یغیر المسالک۔

یہ بات بلاشبہہ تحریر کفن میں بھی جاری ہے اس لئے کہ نجاست آلود کرنا اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بروقت اس کا وجود ہے نہ ہی مقصود ہے، مقصود صرف برکت حاصل کرنا ہے -- وُہ ساری باتیں جو گزر چکیں۔ اگر مخالف اسے مان لے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس میں آپ جو بھی وجہ بتائیں وُہ یہاں بھی جاری ہو گی اور کوئی ایسا فرق رونما نہ ہو گا جس سے راہیں مختلف ہو جاتیں۔

فان قلت التنجیس فی الابل غیر مقطوع به حتی فی اجانب الانسی من افخاذھا لانھاتتفاج حین تبول فکیف بالوحشی المکتوب علیه قلت لاقطع فی التکفین ایضافلیس کل جسدیبلی فان الاولیاء والعلماء العاملین والشھداء والمؤذن المحتسب وحامل القراٰن العامل به والمرابط والمیت بالطاعون صابر امحتسبا والمکثر من ذکر اللہ تعالٰی لاتتغیر ابدانھم نقله العلامة الزرقانی فی شرح المؤطامن جامع الجنائز وجعلھم عشرة کاملة بذکر الانبیاء علیھم الصلٰوة والسلام ثم الصدیقین والمحبین اللہ تعالٰی وجمعت ھذین فی قول الاولیاء۔

اگر یہ کہیے کہ اونٹوں میں آلودگیِ نجاست کا یقین نہیں خواہ پالتو اونٹ کی ران کے پہلو پر لکھائی ہو کیونکہ اونٹ پیشاب کرتے وقت اپنی ٹانگوں کو کھول لیتا ہے تو کھلے جنگل میں رہنے والے جانوروں پر لکھائی میں کیسے یقین ہو سکتی ہے -- میں کہوں گا کفن دینے میں بھی یہ یقینی نہیں، اس لئے کہ ہر جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اولیاء، باعمل علماء، شہداء، طالبِ ثواب مؤذن، باعمل حافظِ قرآن، سرحد کا پاسبان، طاعون میں صبر کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے مرنے والا، کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا، ان کے بدن بگڑتے نہیں اسے علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں جامع الجنائز سے نقل کیا اور انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پھر صدیقین اور خدا کے محبین کو ذکر کرکے ان کی تعداد کامل دس کر دی ہے -- اور میں نے ان دونوں قسموں کو لفظ اولیاء میں شامل کر دیا۔[2]

ثم تقیید المؤذن بالمحتسب ھو نص حدیث اخرجه الطبرانی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال المؤذن المحتسب کالشھید (المشتحط) فی دمه واذامات لم یدود فی قبره۔

---

[1] (فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۳)

[2] (شرح زرقانی علی المؤطا باب جامع الجنائز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۲/۸۴)

مؤذن کے ساتھ محتسب (طالب ثواب) کی قید بتصریحِ حدیث ثابت ہے۔ طبرانی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار نے فرمایا: موذّنِ محتسب اپنے خون میں آلودہ شہید کی طرح ہے جب وہ مرتا ہے تو قبر کے اندر اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے۔[1]

وھو محمل اثر مجاھد، المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیمۃ ولایدودون فی قبورھم۔ رواہ عبدالرزاق وذلک بدلیل الجزء الاول اطول الناس الخ۔

اور یہی حضرت مجاہد کے اس اثر کی بھی مراد ہے کہ اذان دینے والے روزِ قیامت سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز ہوں گے اور قبروں کے اندر ان کے جسم میں کیڑے نہ پڑیں گے۔ اسے عبدالرزاق نے روایت کیا اس کی (یہاں بھی محتسب کی قید ملحوظ ہونے کی) دلیل جزء اول اطول الناس (سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز) الخ ہے۔[2]

اما حامل القراٰن فحدیث ابن مندۃ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا مات حامل القراٰن اوحی اللہ الی الارض ان لاتاکلی لحمہ، فتقول الارض ای رب کیف اٰکل لحمہ وکلامک فی جوفہ قال ابن مندۃ وفی الباب عن ابی ھریرۃ وابن مسعود۔

حافظ قرآن سے متعلق ابن مندہ کی حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب حافظ قرآن مرتا ہے خدا زمین کو حکم فرماتا ہے اس کا گوشت نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے: اے رب! میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں گی جب تیرا کلام اس کے سینے میں ہے۔ ابن مندہ نے کہا اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔[3]

وزاد فیہ الشیخ قید العامل بہ اقول بہ ولکن العامل بہ مرجولہ ذلک وان لم یکن حاملہ فقد اخرج المروزی عن قتادۃ قال بلغنی ان الارض لاتسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئۃ الا ان یقال ان وصف العامل بہ حامل للخطّاء التواب ایضا ثم الذی لم یعمل خطیئۃ ھو الصالح المحفوظ ولایشمل الصبی فیما اظن واللہ تعالٰی اعلم وبضم ھذا تمواعشرۃ واللہ الحمد ۱۔نبی، ۲۔ولی، ۳۔عالم، ۴۔شہید، ۵۔مرابط، ۶۔میت طاعون، ۷۔مؤذن محتسبین، ۸۔ذکار، ۹۔حامل القراٰن، ۱۰۔من لم یعمل خطیئۃ۔

شیخ نے اس پر قرآن پر عامل کی قید کا اضافہ کیا ہے قول مگر عاملِ قرآن اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو بھی اس کے لئے یہ امید ہے -- مروزی نے قتادہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ زمین اس کے جسم پر مسلّط نہیں کی جاتی جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عاملِ قرآن کا وصف اس پر بھی صادق ہے جو خطاکار اور تائب ہو پھر، وہ جس نے کوئی گناہ

---

[1] (مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی باب المؤذن المحتسب مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/۳)

[2] (المصنف لعبدالرزاق باب فصل فی الاذان مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۸۳)

[3] (الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۸۴)

نہ کیا ایسا صالح ہوگا جو گناہ سے بالکل محفوظ رہا ہو-- اور یہ وصف میرے خیال میں بچّے کو شامل نہیں، اور زیادہ علم خدائے برتر کو ہے-- اب اسے ملا کر پورے دس ہوگئے۔ (۱) نبی (۲) ولی (۳) عالم (۴) شہید (۵) مرابط (سرحد کا پاسبان) (۶) میّت طاعون (۷) موذن محتسب (۸) بہت ذکر کرنے والا (۹) حافظِ قرآن (۱۰) وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا۔

(مروزی مسانید فی الحدیث)

فان کان من نکفنه احدھؤلاء فذالک والا فمایدریک ان ھذاالمسلم لیس من اولیاء اللہ تعالی او لم ینل منازل الشھداء بل من الاشرار من لایتغیر جسدہ تشدیدا للتعذیب والعیاذ باللہ القریب المجیب۔

توجسے ہم کفن دے رہے ہیں مذکورین میں سے کوئی ایک ہے تو حال واضح ہے-- ورنہ کیا معلوم کہ یہ مسلمان اللہ تعالی کے اولیاء سے نہیں یا اسے شہداء کا درجہ حاصل نہیں، بلکہ اشرار میں بھی ایسے ہیں جن کا جسم اس لئے متغیر نہیں ہوتا کہ عذاب زیادہ سخت ہو-- پناہ خدائے قریب مجیب کی۔

ھذا واما ما ایدہ بہ المحشی مماقدم عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القراٰن واسماء اللہ تعالٰی علی الدراھم والمحاریب والجدران ومایفرش۔ اھ ما فی الفتح قال المحشی فما ذلک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئه ونحوہ ممافیه اھانۃ فالمنع ھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد اوینقل فیه حدیث ثابت۔ اھ۔ وھذا الذی حملہ علی العدول عن قول امام مذھبه الصفار الحنفی الی قول الامام ابن الصلاح من متاخری الشافیعته۔

اب رہا وہ کلام جو اس کی تائید میں علّامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے پیش کیا کہ درہم، محراب اور دیوار اور بچھائی جانے والی چیز پر قرآن اور اسماء الٰہی لکھنا مکروہ ہے (فتح کی عبارت ختم ہوئی) اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہی احترام اور پامالی وغیرہ سے اہانت کا اندیشہ ہے، تو یہاں ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیثِ ثابت منقول نہ ہو اھ -- یہی وہ بات ہے جو ان کے لئے اپنے مذہب کے امام صفار حنفی کے قول سے عدول کرکے ایک شافعی متاخر امام ابن الصلاح کا قول لینے پر باعث ہوئی۔[1]

فاقول امّاالکتابۃ علی الفراش فامتھان حاضر اوقصدمالا ینفک عن التھاون فلیس ممانحن فیه ولاکلام فی کراھته واما علی البواقی فالمسئلۃ مختلف فیھا وقداسمعناک أنفاما فی جواھر الاخلاطی فی حق الدراھم وقال الامام الاجل قاضی خان فی فتاواہ لو کتب القراٰن علی الحیطان والجدران بعضھم قالوا یرجی ان یجوز وبعضھم کرھوا ذلک مخافۃ السقوط تحت اقدام الناس۔ اھ۔ فاقول۔

---

[1] (ردالمحتار مطلب فیمایکتب علٰی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۰۷) (ردالمحتار مطلب فیمایکتب علی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۰۷)

(تو میں کہتا ہوں) بچھونے پر لکھا تو بروقت اہانت ہے یا ایسے کام کا قصد ہے جو بے حرمتی سے جُدا ہونے والا نہیں۔ یہ تو ہمارے مبحث سے خارج ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ رہا باقی چیزوں پر لکھنا تو ان کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے--- دراہم سے متعلق تو جواہر اخلاطی کی عبارت ابھی ہم پیش کر آئے (دیوار و محراب سے متعلق ملاحظہ ہو) امام اجل قاضی خاں اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں: اگر دیواروں پر قرآن لکھا تو بعض نے کہا امید ہے کہ جائز ہو گا اور بعض نے لوگوں کے پاؤں تلے پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے اس کو مکروہ کہا اھ۔[1]

فقد قدم رجاء الجواز وھو کما صرح بہ فی دیباجۃ فتاواہ لایقدم الا الاظہر الاشہر ویکون کما نص علیہ العلامۃ السید الطحطاوی ثم السید المحشی ھو المعتمد فاذن فلتکن الکتابۃ المعھودۃ علی افخاذ الابل من لدن سیدنا الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مرجحۃ لقول الجواز ان فرضنا المساواۃ والا فلا نسلمھا من الاصل فان الکتابۃ علی المحاریب والجدران انما یکون المقصود بھا غالبا الزینۃ ولیست من الحاجۃ فی شیئ فالمنع ثمہ لایستلزم المنع حیث الحاجۃ ماسۃ کالتمییز والتبرک والتوسل للنجاۃ باذن اللہ تعالٰی فافھم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اس عبارت میں امیدِ جواز کو انہوں نے مقدم رکھا ہے-- اور جیسا کہ اپنے فتاوٰی کے دیباچے میں وہ تصریح فرما چکے ہیں جسے وہ مقدم رکھتے ہیں وہی اظہر اشہر ہوتا ہے-- اور جیسا کہ علامہ سید طحطاوی پھر خود علّامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے وہی معتمد ہوتا ہے-- ایسی صورت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے سے اونٹوں کی ران پر لکھی جانے والی تحریر معہودو معلوم سے قولِ جواز کو ترجیح ہونی چاہئے-- اگر دونوں تحریروں میں ہم مساوات مانیں-- ورنہ اسے ہم سرے سے نہیں مانتے اس لئے کہ محرابوں اور دیواروں پر لکھنے سے عموماً زینت مقصود ہوتی ہے۔ یہ کوئی حاجت کی چیز ہی نہیں ہے تو اگر اس میں ممانعت ہے تو یہ اس کو مستلزم نہیں کہ وہاں بھی ممانعت ہو جہاں حاجت ہے جیسے امتیاز پیدا کرنا، برکت حاصل کرنا، باذنِ الٰہی نجات کا وسیلہ بنانا ہے تو اسے سمجھو-- اور خدائے پاک بزرگ وبرتر خوب جاننے والا ہے۔

مقام چہارم:

جب خود کفن پر ادعیہ وغیرہ تبرکاً لکھنے کا جواز فقہیاً وحدیثاً ثابت ہے تو شجرہ شریف رکھنا بھی بداہۃً اسی باب سے بلکہ بالاولی ،اوّل تو اسمائے محبوبانِ خدا علیہم التحیۃ والثناء سے توسل و تبرک بلاشبہہ محمود ومندوب ہے۔

تفسیرِ طبری پھر شرح مواہبِ لدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

اذا کتب اسماء اھل الکھف فی شیئ والقی فی النار اطفئت۔

[1] (فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح من الحظر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۲)

جب اصحابِ کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈالے جائیں تو آگ بجھ جاتی ہے۔[1]

تفسیر نیشاپوری علامہ حسن محمد بن حسین نظام الدین میں ہے:

عن ابن عباس ان اسماء اصحاب الکھف یصلح للطلب و الھرب و اطفاء الحریق تکتب فی خرقہ ویرمی بھافی وسط النار، ولبکاء الطفل تکتب وتوضع تحت راسہ فی المھد، وللحرث تکتب علی القرطاس وترفع علٰی خشب منصوب فی وسط الزرع وللضربان وللحمی المثلثۃ والصداع والغنی والجاہ والدخول علی السلاطین تشد علی الفخذ الیمنی ولعسر الولادۃ تشد علی فخذھا الایسر، ولحفظ المال والرکوب فی البحر والنجاۃ من القتل۔

یعنی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اصحابِ کہف کے نام تحصیل نفع ودفع ضرر اورآگ بجھانے کے واسطے ایک پرچی پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں، اور بچّہ روتا ہو لکھ کر گہوارے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں، اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کاغذ پر لکھ کر بیچ کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اُس پر باندھ دیں، اور رگیں تپکنے اور باری والے بخار اور دردِ سر اور حصول تونگری ووجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کے لئے دہنی ران پر باندھیں، اور دشواری ولادت کے لئے عورت کی بائیں ران پر، نیز حفاظت مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کے لئے۔[2]

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں نقل فرماتے ہیں: جب امام علی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابوذرعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اوران کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم وحدیث حاضرِ خدمتِ انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا اپنا اجمالِ مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا پردہ ہٹالیں خلقِ خدا کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو ۲ گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق خدا کی وہ حالت ہوئی کہ کوئی چلّاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش سب لوگ خاموش ہورہے۔

دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی حضور نے فرمایا:

حدثنی ابو موسی الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنھم قال حدثنی حبیبی وقرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قال دخل حصنی امن من عذابی۔

---

[1] (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الثامن مطبوعہ معرفۃ بیروت ۷/۱۰۸)

[2] (تفسیر غرائب القرآن ذکر اسماء اھل کھف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۵/۱۱۰)

یعنی امام علی رضا امام موسیٰ کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اس کلمے کو پڑھا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا۔

یہ حدیث روایت فرما کر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے، بیس (۲۰) ہزار سے زائد تھے۔[1]

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

لو قرأت ھذا الاسناد علی مجنون لبرئ من جننه۔

یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھوں تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔[2]

اقول فی الواقع جب اسمائے اصحاب کہف قدست اسرارہم میں وُہ برکات ہیں، حالانکہ وُہ اولیائے عیسویین میں سے ہیں تو اولیاء محمدیین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا کیا کہنا، اُن کے اسمائے کرام کی برکت کیا شمار میں آسکے۔ اے شخص! تو نہیں جانتا کہ نام کیا ہے۔ مسمّی کے انحائے وجود سے ایک نحو ہے۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء نے فرمایا کہ وجودِ شئ کی چار ۴ صورتیں ہیں: وجود اعیان میں، علم میں، تلفظ میں، کتابت میں، تو ان دو شق اخیر وجود اسم ہی کو وجود مسمّی قرار دیا ہے بلکہ کتبِ عقائد میں لکھتے ہیں: الاسم عین المسمی نام عین مسمی ہے۔ امام رازی نے فرمایا: المشھور عن اصحابنا ان الاسم ھو المسمّی مقصود اتنا ہے کہ نام کا مسمی سے اختصاص کپڑوں کے اختصاص سے زائد ہے اور نام مسمی پر دلالت تراشہ ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک اعلٰی ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسامی سلاسل علیہ کی اسناد اتصال بمحبوب ذوالجلال وبحضرت عزت وجلال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور اللہ ومحبوب واولیاء کے سلسلہ کرام وکرامت میں انسلاک کی سند تو شجرہ طیبّہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہیئے: پھر کفن پر لکھنا کہ ہمارے ائمہ نے جسے جائز فرمایا اور امید گاہِ مغفرت بنایا، اور بعض شافعیہ کو اس میں خیال تنجیس آیا، شجرہ طیبہ میں اس کا خیال بھی لزوم نہیں۔ کیا ضرور کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں طاق بنا کر خواہ سرہانے کہ نکیرین پائینتی کی طرف سے آتے ہیں اُن سے پیشِ نظر ہو، خواہ جانبِ قبلہ کہ میّت کے پیش رو رہے اور اس کے سکون واطمینان واعانت جواب کا باعث ہو، باذنہٖ تعالٰی ولہ الحمد۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے

---

[1] (الصواعق المحرقه الفصل الثالث مطبوعه مکتبه مجیدیه ملتان ص ۲۰۵)

[2] (الصواعق المحرقه الفصل الثالث فی الاحادیث الواردة فی بعض اھل البیت مطبوعه مکتبه مجددیه ملتان ص ۲۰۵)

بھی رسالہ فیض عام میں شجرہ قبر میں رکھنے کو معمولِ بزر گانِ دین بتا کر سرہانے طاق میں رکھنا پسند کیا۔ یہ امر واسع ہے بلکہ ہماری تحقیق سے واضح ہوا کہ کفن میں رکھنے میں جو کلامِ فقہاء بتایا گیا وُہ متاخرینِ شافعیہ ہیں، ہمارے ائمہ کے طور پر یہ بھی رواہے، ہاں خروج عن الخلاف کے لئے طاق میں رکھنا زیادہ مناسب و بجاہے، واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

بعض اہل خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات کرتے ہیں جن کے جوابات درج ذیل ہیں۔

اعتراض (۱)...:۔ وہ ہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہذا حرام ہے۔

جواب:۔ ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہوچکا کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲)...:۔ کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ ان پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب:۔ بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عالم میں ہوسکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالٰی نے یثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد وپیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔ اور جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض (۳)...:۔ علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاوٰی عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت پھولے پھٹے گی تو اس کے پیپ وخون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہوگی۔ لہذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں)۔

جواب:۔ اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعوٰی کے مطابق نہیں دعوٰی تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو جائز۔ اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔

دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا، اسی مقام پر خود فرماتے ہیں:

نعم نقل عن بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة بسم اللہ الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ و ذلک بعد الغسل قبل التکفین۔

ترجمہ: بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔[1]

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہو گا؟ ہر گز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی لخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہئیے کیا یہاں خون وپیپ میں لتھڑنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرور تاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہو گا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس ﷺ کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حبس فی سبیل اللہ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لئے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں

---

[1] (درمختار باب صلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دھلی)

کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیونکہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض (۴): عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو نہیں آئے گا برباد ہو جائے گا۔ اور اسراف حرام ہے۔

جواب:۔ چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بے کار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعتراض (۵):۔ حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بے کار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جاسکتے ہیں۔ کیونکہ عبد اللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب:۔ اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبد اللہ ابن ابی کا منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے جانے سے ہم نے جانا ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے۔

ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی۔

دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔

تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے۔ بادل ہر زمین پر برستا ہے۔

مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہو گا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی

وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔[1]

مفتی محمد فرید دیوبندی شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنے فتاویٰ فریدیہ میں لکھتے ہیں کہ مردے کے ساتھ بطور تبرک احادیث مبارکہ اور وظائف کی کتب وغیرہ دفن کرنا اس کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کافی روایات ذکر کیں اور پھر فرمایا کہ ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔[2]

قبر میں تبرکات مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اور تبرکات کے متعلق گنگوہی سے استفسار

"حضرت مولانا اشرف تھانوی مدظلہ نے ایک بار دریافت کیا۔ حضرت قبر میں شجرہ رکھنا جائز ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا ہاں! مگر میت کے کفن میں نہ رکھے، طاق کھود کر رکھ دے۔ اس پر مولانا نے عرض کیا اس سے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کوئی مرید تھے انکے پاس شاہ صاحب کا جوتا تھا۔ انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ جوتے میری قبر میں رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ حسب وصیت رکھ دیئے گئے اس پر شاہ صاحب سے مولوی نذیر حسین وغیرہ نے استہزاءً کہا، کہیئے جوتوں میں کتنا غلیظ لگا ہوا تھا اور کوئی پوچھتا کتنا کیچڑ تھا، اس پر شاہ صاحب نے فرمایا اگر یہ فعل ناجائز تھا تو ہمیں دلیل سے سمجھا دیتے، استہزاء اور تمسخر کی کیا حاجت تھی، سو اب تم لوگوں کے پاس بیٹھو۔ میں کبھی بھی نہیں بیٹھوں گا۔ اور دستور یہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد یہ لوگ مسجد میں بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے کسی شاگرد نے **"ضرب النّعال علی رؤس الجهال"** رسالہ لکھا۔ اس میں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت کیا کہ تبرکات بزرگاں کو قبر میں لے جانا جائز ہے، اس رسالہ کو دیکھ کر منکرین ناکام ہوئے"۔[3]

مفتی محمدؒ شفیع صاحب دیوبندی کے کفن میں تبرکات

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی وفات پر ماہنامہ "البلاغ" کا خصوصی نمبر شائع کیا گیا۔ ایک مضمون بعنوان "والد ماجد کے آخری شب و روز" میں مفتی صاحب کے صاحبزادہ ولی رازی صاحب لکھتے ہیں: "وصیت کے مطابق مسنون طریقہ سے کفن دیا گیا اور تبرکات کفن میں حسب ہدایت شامل کی گئیں"۔[4]

---

[1] (سعیدالحق ص ۲۳۸)

[2] (فتاویٰ فریدیہ، ص ۲۷۹ ج ۳ پشتو)

[3] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۹۰)

[4] (ماهنامه، البلاغ خصوصی نمبر ص ۳۴۳)

قبر میں بزرگانِ دین کے تبرکات اور غلافِ کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنے کے بیان میں

بعض علماء قبر میں بزرگانِ دین کے تبرکات اور غلافِ کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا حرام کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ جائز ہے۔ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا، اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔

امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

من کتب ھذا الدعاء و جعله بین صدر المیت و کفنه فی رقعة لم ینله عذاب القبر و لا یری منکراً و نکیراً۔

ترجمہ: جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔[1]

فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا:

ان ھذا الدعآء له اصل و الفقیه ابن عجیل کان یامره به ثم افتی بجواز کتابته قیاساً علی کتابة اللہ فی نعم الزکوة۔

ترجمہ: اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔[2]

وہ دعا یہ ہے:

لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک له لا الٰہ الا اللہ له الملک و له الحمد لا الٰہ الا اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم۔

الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر ندا کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ:

وعن طاوس انه امر بھذا الکلمات فکتب فی کفنه۔

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے:

---

[1] (نوادر الاصول ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الجلیل بیروت)

[2] (فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی باب الجنائز ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان۔[1]

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھة المیت او علی عمامة او کفن عھد نامه یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ للمیت ویجعله امناًمن عذاب القبر۔[2]

---

[1] (الحرف الحسن ص ۴ مطبوعہ بریلی شریف)

[2] (فتاویٰ بزازیہ علی ھامش فتاویٰ ھندیہ کتاب الاحسان ج۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)(درمختار باب الصلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دھلی، باب الشھید سے کچھ قبل)

(۳) باب نمبر تین: قبر پر اذان دینے کا بیان

بعض علماء نماز کے علاوہ اذان دینے کو بدعت کہتے ہیں۔ اور خاص کر اذان عند القبر حالانکہ نماز کے علاوہ اذان دینا سنت ہے۔

جیسا درِ مختار جلد اول باب الاذان میں یہ اشعار درج ہیں:

فرض الصلوۃ و فی اذان الصغیر و فی — وقت الحریق و الحرب الذی و قعا

خلف المسافر و الغیلان ان ظہرت — فاحفظ لست من للذی شرعا

و زید اربع ذوھم و ذو غضب — مسافر ضل فی قفر و من صرعا

یعنی دس مقامات اذان میں سے نو مقامات ایسے ہیں جہاں نماز کے علاوہ اذان دینا سنت ہے:

(۱) نماز کے لئے (۲) بچے کے کان میں (۳) جب آگ لگ جائے (۴) جب جنگ شروع ہو

(۵) جب مسافر چلا جائے (۶) جب جنات ظاہر ہوں (۷) غم والے شخص کے لئے (۸) غصہ آئے ہوئے کے لئے

(۹) مسافر جب راستہ بھول جائے (۱۰) اس شخص کے لئے جس پر مرگی کا دورہ پڑ جائے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ ان مذکورہ نو مقامات میں کون سی نماز ہوتی ہے جس کے لئے اذان دینا سنت ہے؟ کیا اس اذان میں حی علی الصلوۃ کے الفاظ نہیں ہوتے؟ اور یہ کون سا نماز کا وقت ہے؟ بلکہ ان مذکورہ مقامات میں اگر غور کیا جائے تو مسلمان میت قبر میں مذکورہ وجوہات میں چند وجوہ کی وجہ سے اذان کا محتاج ہوتا ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ آگ لگنے کے وقت اذان دینا سنت ہے۔ اس اذان کا سنت ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ مثلا: اطفؤا الحریق بالتکبیر۔ یعنی آگ کو تکبیر کے ذریعہ سے بجاؤ۔[1]

اسی طرح مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل سے شائع شدہ کتاب الکامل فی الضعفاء الرجال سے عبارت ملاحظہ ہو:

اذا رأیتم الحریق فکبرو ا فانہ یطفی ء النار۔

جب تم آگ دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھا دیتی ہے۔[2]

---

[1] (معجم اوسط حدیث ۸۵۶۴، ج ۹ ص ۲۵۹، مکتبہ معرف ریاض)

[2] (صفحہ ۱۴۲۹ ج ۴)

مندرجہ بالا احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ آگ لگنے کے وقت تکبیرات کہنے کا حکم ہے۔ان تکبیرات کا استحباب کس حدیث کی رو سے ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

مرقاۃ شرح مشکوۃ: التکبیر علی ھذا الاطفاء الغضب الالٰھی ولھذا ورد استحباب التکبیر عند رؤیۃ الحریق الخ۔

یعنی "قبر پر تکبیرات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے اور اسی وجہ سے دنیاوی آگ کے وقت اذان کہنا ثابت ہے۔[1]

ثابت ہو گیا کہ دنیاوی آگ بجھانے کے لئے تکبیرات پڑھنے کا حکم بھی اس لئے ہے کہ قبر کی آگ انہی تکبیرات کی وجہ سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور اذان میں چھ دفعہ تکبیر پڑھی جاتی ہے۔ تو جب غضب الٰہی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ان تکبیرات کا حکم ہے تو اس سے منع کرنے کے کیا معنی اور مطلب؟

جس مسلمان کا دل غم زدہ ہو اور پریشان حالی میں مبتلا ہو، اسے بھی اگر اذان سنائی جائے تو پریشانی ختم ہو جاتی ہے یہ مقام بھی مسنون مقامات میں داخل ہے۔

مرقاۃ:عن علی رضی اللہ عنہ رأنی النبی ﷺ حزینا فقال یا ابن ابی طالب انی أراک حزینا فمر بعض اھلک یؤذن فی اذنک فانہ درأ الھم۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: مجھے حضور پاک ﷺ نے پریشان دیکھا تو فرمایا کہ اے ابن ابی طالب میں تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اپنے اہل خانہ میں کسی کو کہیں کہ آپ کے کان میں اذان کہے، کہ بیشک اذان غم کو ختم کرنے والی ہے۔"[2]

لیجئے اب تو مسئلہ واضح ہو گیا کہ غم اور پریشانی کے وقت اذان دینا سنت سے ثابت ہے، اب اعتراض کرنے والے بتائیں کہ کیا یہ نماز کا وقت تھا جو حضور ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا؟

وجہ استدلال: جب اذان سے پریشانی ختم ہو جاتی ہے تو کیا قبر میں مؤمن کو پریشانی نہیں ہوتی؟ یقینا ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت بالحدیث ہے: لان القبر مقام الھول و الوحشۃ۔ "قبر ڈر اور وحشت کی جگہ ہے۔"[3]

---

[1] (فصل نمبر ۳ باب اثبات عذاب قبر صفحہ ۲۱۱ جلد ۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[2] (باب الاذان ج ۲ صفحہ ۱۴۹)

[3] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۴)

اسی طرح طحطاوی کشف الغمہ حلیۃ الاولیاء میں مرقوم ہے:

کان کعب الاحبار یقول قال رسول اللہ ﷺ لما نزل آدم بارض الھند فاستوحش فنزل جبرئیل علیہ السلام فنادی بالاذان۔

”یعنی جب آدم علیہ السلام ہند کی سرزمین پر اترے تو آپ کو وحشت ہوئی، تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور اذان کہی۔“

اور لما نزل آدم الی قولہ استوحش فنزل جبرئیل کے الفاظ سے اس بات پر صراحت ہے کہ اذان وحشت کے ساتھ متصل ہو۔[1]

جب ان متعدد حوالوں سے ثابت ہوا کہ پریشانی کے وقت اذان دینا صحیح ہے تو قبر کی پریشانی کے وقت اذان سے انکار کیوں؟

شامی میں بھی اذان مسنون قرار دینے کے مقامات کا ذکر بایں الفاظ موجود ہے:

قدیسن الاذان بغیر الصلوۃ کما فی اذان المولود والمھموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بھیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق وقیل عند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجہ لکن ردہ ابن حجر فی شرح عباب وعند تفول الغیلان ای تمرد الجن۔

یعنی نماز کے بغیر اذان دینا سنت ہے جیسا کہ بچے کے کان میں، غم زدہ کے لئے، مرگی کے مریض کے لئے، غصہ والے آدمی (کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے) کے لئے، بداخلاق انسان یا شوخی کرنے والے جانور کے لئے، جنگ کے وقت، آگ لگ جانے کے وقت اور کہا گیا ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت انسان کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے۔ لیکن ابن حجر نے ”شرح عباب“ میں اس اذان کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے، اور جنات کے غلبہ کے وقت۔

اس عبارت میں صراحتاً لکھا ہے کہ قبر میں میت اتارتے وقت اذان کو سنت کہا گیا ہے، مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ اسے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے رد کیا ہے، مخالفین کو نکتہ ہاتھ آگیا اور ہر جگہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اسی رد کو اپنے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو ابن حجر نے اس بات کا رد کیا ہے۔

شامی پڑھنے اور سمجھنے کے لئے عقل کی بھی ضرورت ہے اور پتا کرنا چاہیئے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کس چیز کا رد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ عبارت وقدیسن سے شروع ہوئی اور مصنف علیہ الرحمہ نے اذان قبر کو سنت کہا تو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اذان قبر کے سنت ہونے کا رد کیا ہے نہ کہ مطلق اذان کا رد کیا ہے۔

---

[1] (طحطاوی باب الاذان ص ۱۱۱ کشف الغمہ باب الاذان ص ۶۳ حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ بیروت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال (ابن حجر) من ظن انہ سنۃ قیاساً علی ندبہا للمولود الحاقاً لخاتمۃ الامر بابتدائہ فلم یصب۔[1]

کیونکہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی اذان کے مستحب ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

ویستحب تلقین بالغ عاقل او مجنون سبق لہ تکلیف و لو شہیدا کما اقتضاء اطلاقھم بعد تمام الدفن لخبر فیہ و ضعفہ اعتضد بشواہد علی انہ من الفضائل۔

"عاقل، بالغ، مجنون کو بعد دفن تلقین مستحب ہے اور حدیث کا ضعف شواہد کے ساتھ ختم کیا گیا ہے کیونکہ یہ فضائل میں سے ہے۔"

ابن حجر تلقین بعد الدفن کے قائل ہیں اور اسے مستحب قرار دیتے ہیں اور اذان تو ایمانیات کا کلمہ جامعہ ہے جو تلقین کی بہترین صورت ہے۔

اگر مخالفین کا یہ اصرار ہے کہ ابن حجر نے رد کیا ہے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کم از کم ابن حجر علیہ الرحمۃ کے زمانے میں قبر پر اذان دی جاتی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن حجر کا زمانہ کون سا تھا؟

ابن حجر علیہ الرحمۃ ۹۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۷۴ھ میں فوت ہوئے تو کم از کم ۵۰۰ سال پہلے بھی اذانِ قبر ثابت ہوتی ہے، پھر مخالفینِ اہلسنت کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ اذان صرف پاک و ہند میں ہے اور کسی جگہ بھی نہیں۔ اگر ابن حجر کے زمانہ میں قبر پر اذان نہ دی جارہی ہوتی تو وہ کبھی بھی رد نہ کرتے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ رد "اثبات سنت" کا ہے، نہ کہ استحباب کا۔

و لا یسن الاذان عند انزال المیت القبر خلافا لمن قال بسنیتہ حینئذ قیاسا لخروجہ من الدنیا علی دخولہ فیہا۔ قال ابن حجر و رددتہ فی شرح العباب لکن ان وافق انزالہ القبر اذان خفف عنہ فی السوال الخ۔

"اور میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان سنت نہیں۔ بخلاف ان کے جو اذان قبر کو دنیا میں آنے پر دنیا سے نکلنے کو قیاس کرتے ہوئے سنت قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر کہتا ہے کہ میں نے شرح عباب میں (سنت کا) رد کیا ہے لیکن اگر قبر پر اذان دی گئی تو میت سے سوال میں آسانی کا باعث ہو گی۔"[2]

فقہ حنفی کی مشہور کتاب کنزالدقائق کی شرح البحر الرائق کے ص ۲۵۶ پر بھی شامی اور حاشیہ باجوری کی طرح امام رملی علیہ الرحمہ نے عبارت نقل کر کے اذان کے مسنون مقامات کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر کے رد کا ذکر کیا ہے مگر انہوں نے آخر میں

---

[1] (شامی جلد اول ص ۶۲۰)

[2] (حاشیہ الباجوری علی ابن قاسم الغزی جلد اول ص ۱۶۱ شائع از مصر)

لکھاہے: "اقول و لا بعد فيه عندنا" یعنی حضرت امام رملی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قبر پر اذان دینا ہمارے نزدیک کوئی بعید نہیں۔ خیال رہے کہ امام رملی مجتہد فی المذہب ہیں اس لئے عندنا کے الفاظ استعمال کئے اور مجتہد کا قول ہمارے لئے مذہب اور واضح ثبوت ہے۔

اس کے علاوہ اذان عظیم ذکر ہے، حوالہ کے لئے ملاحظہ ہوں:

لان الاذان ذکر معظم۔

یعنی اذان ذکر معظم ہے۔[1]

اذان خود بھی عظیم ذکر ہے اور اس میں افضل الذکر لا الہ الا اللہ بھی موجود ہے تو اذان دینے سے مکمل ذکر ہو جاتا ہے۔

نسیم الریاض میں شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی بحوالہ امام ابن عطاء، امام قاضی عیاض و دیگر ائمہ مفسرین سے آیت و رفعنا لک ذکرک کے تحت تفسیر لکھی ہے:

جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی۔

یعنی (اے پیارے نبی ﷺ) میں نے آپ ﷺ کو اپنے ذکر میں سے ذکر بنایا ہے، پس جس نے آپ ﷺ کا ذکر کیا، اس نے میرا ذکر کیا۔[2]

ذکر مصطفی ﷺ بھی ذکر خدا ٹھہرا اور اذان میں ذکر خدا بھی ہے (اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ) اور ذکر مصطفی ﷺ بھی ہے۔ (اشھد ان محمد رسول اللہ) لہٰذا اذان مکمل ذکر ہوا۔ اسی لئے بہتر ہے کہ مؤمن کی قبر پر اذان دی جائے۔ کیونکہ اس طرح ذکرِ خدا بھی ہو جائے گا اور ذکر مصطفی ﷺ بھی ہو جائے گا۔

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اذان ذکر بھی ہے اور ایک مرتبہ پھر واضح ہو کہ چھ مرتبہ اللہ اکبر چار مرتبہ شہادتین، آخر میں ایک مرتبہ لا الٰہ الّا اللہ یہ سب ذکر میں شمار ہیں، تو اب وضاحت مطلوب ہے کہ میت کو ذکر سے فائدہ ملتا ہے یا نہیں؟

شامی باب الجنائز میں ہے:

المیت یستأنس بالذکر علی ما ورد فی الآثار۔

یعنی میت ذکر سے انس حاصل کرتی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔[3]

---

[1] (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷)
[2] (شرح شفاء ج ۱ ص ۱۲۵)
[3] (شامی باب الجنائز ج ۱ ص ۵۹۶)

مراقی و طحطاوی باب الجنائز میں فرماتے ہیں:

ویکرہ قلع الحشیش و الشجر من المقبرۃ لانہ ما دام رطبا یسبح اللّٰہ تعالیٰ فیونس المیت و تنزل بذکر اللّٰہ تعالیٰ الرحمۃ۔

یعنی مقبرہ سے گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جب تک یہ سبز ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور میت اس سے مانوس ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور فضائلِ ذکر احادیث مبارکہ میں بے شمار وارد ہیں۔

عن ابی ھریرۃ و ابی سعید الخدری: انھما شھدا علی النبی ﷺ انہ قال: لا یقعد قوم یذکرون اللّٰہ عز و جل الا حفتھم الملائکۃ و غشیتھم الرحمۃ و نزلت علیھم السکینہ و ذکرھم اللّٰہ فیمن عندہ۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی جماعت میں کرتا ہے۔“[1]

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: ان للّٰہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون أھل الذکر، فاذا وجدوا قوما یذکرون اللّٰہ، تنادوا: ھلموا الی حاجتکم۔ قال: فیحفوھم بأجنحتھم الی سماء الدنیا ۔۔۔ الی آخر الحدیث۔

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہلِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پا لیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔ ارشاد فرمایا: پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں ۔۔۔“[2]

امام سفیان بن عیینہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عند ذکر الصٰلحین تنزل الرحمۃ۔

---

[1] ((۱) مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۷۴، رقم: ۲۷۰۰، (۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۹، رقم:۳۳۷۸، (۳) ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۲۴۵، رقم:۳۷۹۱، (۴) ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶:۶۰، رقم:۲۹۴۷۵، (۵) طبرانی، المعجم الاوسط، ۲:۱۳۷، رقم:۱۵۰۰، (۶) احمد بن حنبل، المسند، ۳:۹۲، رقم:۱۱۸۹۳، (۷) طیالسی ،المسند، ۱:۲۹۶،رقم:۲۲۳۳، (۸) ۱:۳۱۴،رقم:۲۳۸۶، (۹) ابویعلی، المسند ۲:۴۴۴،رقم:۱۲۵۲ ، (۱۰) ۱۱:۲۰، رقم:۶۱۵۹،(۱۱) ۱۱:۲۱، رقم:۶۱۶۰، (۱۲) عبد بن حمید ، المسند، ۱:۲۷۲ ، رقم ۸۶۱، (۱۳) بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹ ، رقم:۵۳۰، (۱۴) منذری، الترغیب و الترھیب ۲:۲۶۲، رقم۲۳۲۸)

[2] ((۱) بخاری الصحیح، ۵:۲۳۵۳، رقم:۶۰۴۵، (۲) ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۳۹، رقم۸۵۷، (۳) بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم ۵۳۱، (۴) ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، (۵) منذری، الترغیب و الترھیب، ۲:۲۵۸، رقم:۲۳۱۶)

یعنی "صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔"[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بمجرد ذکرہ وذکر اصحابه فان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة وعند نزول الرحمة یحصل للقلوب الاطمنان والسکینة۔

یعنی محض ذکرِ حضور ﷺ اور ذکر صحابہ سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں کیونکہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور نزولِ رحمت کے وقت دلوں کو اطمینان اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ذکر الانبیاء من العبادة وذکر الصالحین کفارة۔

یعنی انبیاء کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔[2]

ذکر الانبیاء والمرسلین من العبادة وذکر الصالحین کفارة۔

یعنی انبیاء ورسل کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔[3]

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

فان الاذکار کلها نافعة له فی تلک الدار۔

یعنی میت کے لئے اس دار آخرت میں تمام اذکار باعث فائدہ اور نفع بخش ہیں۔[4]

اور اذان بھی ذکر ہے، اور ذکر سے میت کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اذان قبر کے فوائد بہت ہیں نقصان کوئی بھی نہیں۔

عمدۃ القاری باب موعظۃ المحدث عند القبر میں علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

واما مصلحة المیت فمثل ما اذا اجتمعوا عنده لقراۃ القرآن والذکر فان المیت ینتفع به۔

یعنی میت کی مصلحت کے لئے جو چیزیں ہیں وہ تلاوت قرآن اور ذکر ہے، کیونکہ میت اس سے نفع حاصل کرتی ہے۔[5]

مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

احب کلمة الی الله لا اله الا الله لا یقبل الله عملا الا بها وهی توجب المغفرة ۔۔۔ وحرز من الشیطان۔

---

[1] (اتحاف السادۃ المتقین، ج ۱: ص ۳۵۰، القول المبرور فی الاذان علی القبور ص ۵۱)

[2] (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن معاذ) (جامع صغیر للسیوطی ج ۲ ص ۱۹، الفتح الکبیر للنبهانی ج ۲ ص ۱۲۰، فیض القدیر للمناوی ج ۳ ص ۵۶۴)

[3] (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۹۹)

[4] (باب ثامن ص ۳۳۲)

[5] (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۸۶)

یعنی اللہ تعالیٰ کو لا الہ الا اللہ کہنا بہت پسند ہے، قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کوئی عمل مگر اسی کے وسیلہ سے۔ یہ کلمہ مغفرت واجب کرتا ہے اور شیطان سے پناہ کا باعث ہے۔

اسی مسند میں یہ عبارت موجود ہے:

ما من شیء انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اس کے عذاب سے نجات دلانے والی نہیں۔[1]

علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

بہتر و نیکوتر کہ ذکر سبحانہ زندہ و مردہ را شفاء قلب و جلائے روح است۔

یعنی بہتر اور نیک کام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ اس میں زندہ اور مردہ دونوں کے لئے دل کی شفاء اور روح کی تازگی ہے۔[2]

قرآن مجید فرقان حمید کی آیت مبارکہ میں اکمل ترین صراحت موجود ہے۔

رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿الرعد ۲۸﴾

سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

مندرجہ بالا تمام مستند حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ اذان در حقیقت ذکر اور ذکر سے زندہ مردہ دونوں کو راحت ہوتی ہے اور اطمینان نصیب ہوتا ہے چونکہ میت کو قبر میں اتارتے ہی ہیبت لاحق ہو جاتی ہے لہٰذا اگر وہاں اذان کی صورت میں ذکر کیا جائے اور اس کی وحشت دور ہو کر اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے تو اس میں نقصان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ہمیں سوچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اذان دعا ہے:

اب یہ بات ثابت کی جائیگی کہ اذان ذکر کے ساتھ ساتھ دعا بھی ہے اور میت دعا کی محتاج ہوتی ہے۔

کل دعاء ذکر و کل ذکر دعاء۔

ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دعا ہے۔[3]

یعنی ذکر اور دعا ایک ہی چیز ہے اور دونوں میں سے ہر ایک راحت کا ذریعہ ہے۔

---

[1] (ج ۵ ص ۲۳۹)

[2] (اشعۃ اللمعات ص ۷۰۷)

[3] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۵ ص ۱۱۲)

مسلم شریف میں ہے کہ ایک سفر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہ آواز بلند اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا (چونکہ سفر کی تکالیف اور راستہ کی مشکلات کافی تھیں) تو حضور ﷺ نے فرمایا اے میرے صحابہ اپنی جانوں پر نرمی کرو کیونکہ آپ کسی بہرے یا غائب ذات سے دعا نہیں مانگتے بلکہ آپ سمیع و بصیر ذات سے دعا مانگتے ہیں۔

عربی کے الفاظ یہ ہیں:

انکم لا تدعون اصمًا و لا غائباً انکم تدعون سمیعا بصیرا الخ۔[1]

اس عبارت میں اللہ اکبر کے الفاظ کو دعاء قرار دیا گیا ہے۔ اللہ اکبر ذکرِ خدا ہے اور نبی محتشم رؤف الرحیم ﷺ نے دعاء بھی قرار دیا۔ لہٰذا واضح ہوا کہ "ذکر خداوندی دعا بھی ہے۔"

اذان کے بعد جو دعا مانگی جائے وہ مقبول ہوتی ہے اور رب ذوالجلال اسے رد نہیں فرماتا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ قبر پر اذان کے بعد دعا کی جائے کہ میت کے حق میں جلد قبول ہو۔

مستدرک علی الصحیحین میں ہے:

سنتان لا ترد الدعاء عند النداء و عند البأس۔

یعنی دو دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ ایک اذان کے وقت، دوسری جہاد کے وقت۔[2]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اذا نادالمنادی فتحت ابواب السماء و استجیب الدعاء۔

"جب مؤذن اذان دیتا ہے تو آسمان کے دروازہ کھل جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے"۔[3]

حصنِ حصین میں امام شمس الدین محمد بن جزری لکھتے ہیں:

آداب الدعاء منہا تقدیم عمل صالح و ذکرہ عند الشدۃ۔

یعنی دعاء کے بعض آداب یہ ہیں کہ دعا سے پہلے عمل صالح ہو اور اس کا ذکر ہو تکلیف کے وقت۔[4]

اذان عمل صالح بھی ہے اور ذکر بھی لہٰذا میت کی مغفرت کے لئے دعا کرنے سے پہلے اگر اذان دی جائے تو دعاء کے آداب پورے ہونے سے دعا قبول ہو گی۔[5]

---

[1] (باب خفض الصوت بالذکر ج ۱ ص ۳۴۶)

[2] (ج ۱ ص ۱۹۸)

[3] (باب اجابۃ الاذان، ج ۱، ص ۵۴۶)

[4] (باب آداب الدعاء ص ۱۴)

[5] (بحوالہ القول المبرور فی الاذان علی القبور)

لہٰذا مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا مستحب ہے، اور مستحب کو قبیح جاننا کفر ہے جیسا تفسیر صاوی میں لکھا ہے مستحب کو نہ ماننا گناہ ہے مگر نہ کرنا کوئی گناہ نہیں۔ اگر کوئی بد مذہب بد عقیدہ یہ کہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اذان دینا مکروہ ہے، تو مکروہ کے لئے بھی ثبوت کی ضرورت ہے۔

جیسا فتاویٰ شامی میں ہے:

أن الكراهة حكمٌ شرعيٌّ فلابدّ له من دليلٍ خاصٍ۔

یعنی کراہت ایک شرعی حکم ہے لہٰذا اس کے لئے ایک خاص دلیل ضروری ہے۔[1]

"مکروہ" کی دلیل پیش کرنا لازم ہے کیونکہ حرمت اور کراہت احکام شرعیہ ہیں۔ ہر حکم شرعی کے لئے دلیل شرعی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے کہ دعوی بلا دلیل مسموع نہیں۔ كما في كتب المذهب (رد المختار)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:

بان الكراهة لا بدلها من دليل۔[2]

الكراهة اذ لا بدلها من دليل خاص كما ذكره صاحب البحر۔[3]

مولوی عبد الحئی لکھنوی التعلیق المجد علی موطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھتے ہیں:

ان الكراهة امر زائد لا يثبت الا بدليل خاص يدل على النهي و اما مجرد عدم فعله ﷺ فلا يدل الا على انه ليس للعبد سنة قبلها او بعدها لا على انه مكروه و كونه حريصاً على الصلوٰة لا يستلزم ان يفعل نفسه كل فرد من افرادها فى كل وقت من اوقاتها بل كفى فى ذلك قوله الصلوٰة خير موضوع مع عدم ارشاد النهي و نظيره ما ورد انه عليه السلام كان لا يطعم شيئاً يوم الاضحى الى ان يضحىٰ فيا كل من اضحيته مع ذلك صرحوا بان الا كل فى ذلك اليوم قبل العدو اى الى المصلى ليس بمكروه اذا لا بد للكراهة من دليل خاص و اذا ليس فليس۔[4]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قال النووی و المذهبان فاسدان لان الكراهة انما تثبت بنهي الشرع و لم يثبت فيه نهي۔[5]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

فان الاثبات و النفى كلاهما حكم شرعى يحتاج الى دليل او نقل۔[6]

---

[1](ج ۱ بحث مکروهات بیان المستحب و سنة و المندوب)
[2](ج ۵، ص ۲۶۳، ج ۵ ص ۳۲۹، ج ۱ ص ۹۱)
[3](ج ۱ ص ۲۱۴)
[4](التعليق الممجد ص ۱۳۷)
[5](التعليق الممجد ص ۱۷۶)
[6](ص ۲۳۹)

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی فیض الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

والذی یظھر ان الوجوب والحرمة یبتغان الامر والنھی دون النظر المعنوی فلا یجب الشیء ولا یحرم الا بالأمر والنھی۔[1]

وبالجملة: المسائل انما تؤخذ من الامر والنھی لا من اذواق الناس وان "للناس فیما یعشقون مذاھب۔[2]

مذکورہ کتب کی تصریحات سے روز روشن کی طرح یہ واضح ہوا کہ جب تک نہی تحریمی یا تنزیہی نہ ہو تو وہ چیز بدعت، حرام یا مکروہ نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴿الحشر ۷﴾

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت (حل) ہے نہ کہ بدعت۔

واحتج بھذا الحدیث (سعد بن ابی وقاص) من قال اصل الاشیاء الاباحة قبل ورد الشرع حتی یقوم دلیل الحصر۔۔۔آہ مرقات شرح مشکوٰۃ۔[3]

یعنی جب تک منع کی دلیل موجود نہ ہو تو اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم ان مذھب اھل سنت انہ لا یثبت بالعقل ثواب ولا عقاب ولا ایجاب ولا تحریم ولا غیرھا من انواع التکلیف ولا یثبت ھذہ کلھا ولا غیرھا الا بالشرع۔

یعنی اہل سنت (اہل حق) کا مذہب یہ ہے کہ ثواب یا عذاب، وجوب یا حرمت وغیرہ اقسام تکلیف سے ہیں اور یہ تمام شرع کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے۔[4]

شامی میں ہے:

ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة او الکراھة اللذین لا بدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحة التی ھی الاصل۔۔۔الخ۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے میں حرمت اور کراہت ثابت کرنے میں احتیاط نہیں کیونکہ ان کے لئے دلیل ضروری ہے۔ بلکہ اباحت کے قول میں ہے جو کہ اصل ہے۔[5]

---

[1] (ج۲ ص۵۰)
[2] (ج۲ ص۱۸۴)
[3] (ص۲۳۰)
[4] (شرح مسلم ج۲ ص۳۷۶)
[5] (ج۵ ص۳۲۶)

والعمل بالاصل وھو الحل ولا یجوز ترجیح الحرمۃ بالاحتیاط۔[1]

والاباحت اصل۔[2]

عمل، اصل پر ہے جو کہ حل (حلال ہونا) ہے۔ اور احتیاط کی وجہ سے حرمت کو ترجیح دینا جائز نہیں۔

---

[1](عنایہ بر ھدایہ ج ا ص ۵۰)

[2](ھدایہ ج ا ص ۴۰۷)

(۴) باب نمبر چار: قبر کو پختہ بنانا

قبر کے دو حصے ہوتے ہیں:

۱۔ بیرونی حصہ جو لوگوں کو نظر آتا ہے۔

۲۔ اندرونی حصہ جو میت کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

قبر کے بیرونی حصے کو پکّا کرنا:

بغیر کسی وجہ کے عام لوگوں کی قبروں کے بیرونی (اوپر والے) حصے کو پکا (پختہ) کرنا مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ) ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ بغیر کسی وجہ کے صرف زیب و زینت کے لئے ان کو اوپر سے پکا نہ کیا جائے لیکن اگر کوئی پکا کرتا بھی ہے تو گناہگار نہیں ہو گا۔

اور اگر عام لوگوں کی قبروں کو اوپر سے پکا کرنے کی کوئی ضرورت ہو جیسے درندوں کا خوف ہو کہ وہ قبر کو نقصان پہنچائیں گے یا کچی قبر کو شہید کر دیئے جانے کا خوف ہو وغیرہ وغیرہ تو ایسی صورت عوام الناس کی قبروں کو اوپر سے پکا مکروہِ تنزیہی بھی نہیں ہو گا۔

اور دینی عظمت رکھنے والوں (یعنی علماء کرام و مشائخ عظام) کی قبروں کو تعظیم کے لئے اوپر سے پکا کرنا بلا کراہت جائز ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت قائم رہے۔

قبر کا اندرونی حصے کو پکّا کرنا:

قبروں کے اندرونی حصوں کو بلا ضرورت پکا کرنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے البتہ اگر زمین نرم ہو اور قبریں زیادہ دیر قائم نہ رہتی ہوں یا درندے ایذا پہنچاتے ہوں تو اندر سے بھی پکا کر سکتے ہیں اور اس صورت میں بہتر یہ ہے پکی اینٹوں پر مٹی کا لیپ کر دیا جائے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویکرہ الآجر فی اللحد اذا کان یلی المیت کذا فی فتاوی قاضیخان"۔

یعنی لحد میں میت سے متصل پکی اینٹیں لگانا مکروہ ہے، ایسے ہی فتاویٰ قاضیخان میں ہے۔[1]

---

[1] (فتاوی عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر و الدفن و النقل من مکان الی آخر، جلد 1 صفحہ 166 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تنویر الابصار مع در مختار میں ہے:

"(یسوی اللبن علیه و القصب لا الآجر) المطبوخ و الخشب لو حوله اما فوقه فلا یکره ابن ملک و جاز ذلک حوله بارض رخوة کالتابوت"

یعنی اس پر کچی اینٹیں اور بانس لگا دے، پکی اینٹیں اور لکڑی اس (میت) کے گرد نہ لگائے، بہر حال اوپر ہو تو مکروہ نہیں، ابن الملک۔ اور نرم زمین ہو تو اس کے گرد بھی جائز ہے جیسے تابوت۔[1]

عمدۃ المحققین علامہ محمد بن امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"کرھوا الآجر و الواح الخشب و قال الامام التمرتاشی ھذا ان کان حول المیّت و ان کان فوقه لا یکره لانه یکون عصمة من السبع و قال مشائخ بخارا لا یکره الآجر فی بلدتنا لمساس الحاجة لضعف الاراضی"۔

یعنی علماء نے پکی اینٹوں اور لکڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے اور امام تمر تاشی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب میّت کے گرد ہو، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہو گا، مشائخ بخارا رحمھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔[2]

امام قاضی حسن بن منصور بن محمود اوزجندی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"یکره الآجر فی اللحد اذا کان یلی المیّت اما فیما وراء ذلک لا باس به و یستحب للبن و القصب"۔

یعنی لحد میں پکّی اینٹ مکروہ ہے جبکہ میّت سے متصل ہو اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، اور مستحب کچی اینٹ اور بانس ہے۔[3]

علامہ شیخ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قال فی الخانیة یکره الآجر اذا کان مما یلی المیت اما فیما وراء ذلک فلا باس"۔

یعنی امام قاضیخان رحمۃ اللہ علیہ نے خانیہ میں فرمایا: قبر پکی کرنا مکروہ ہے جب میت کے متصل ہو، اگر اس کے علاوہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔[4]

مزید تحریر فرماتے ہیں:

"یفید ان ما ذکره مکروه تحریمی"۔

---

[1] (رد المحتار علی الدر المختار، باب صلٰوۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد 3 صفحہ 167 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (رد المحتار علی الدر المختار، باب صلٰوۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد 3 صفحہ 167 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (فتاوٰی قاضیخاں، کتاب الصلٰوۃ، جلد 1، صفحہ 92، منشی نو لکشور لکھنؤ)

[4] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی حملها و دفنها، جلد 1، صفحہ 610، دار الکتب العلمیہ بیروت)

یعنی افادہ ہوتا ہے کہ جس کو امام واضیخان نے ذکر کیا (یعنی بلا وجہ قبروں کو اندر سے پکا کرنا) مکروہِ تحریمی ہے۔[1]

غنیہ میں ہے:

"اختاروا الشق فی دیارنا لرخاوۃ الاراضی فیتعذر اللحد فیھا اجازوا الاٰجر و رفوف الخشب و التابوت و لو کان من حدید"۔

یعنی ہمارے دیار میں شق اختیار کی گئی ہے اس لیے کہ زمین نرم ہے جس میں لحد متعذر ہے یہاں تک کہ علماء نے پکّی اینٹ، لکڑی کے صندوق اور تابوت کی اجازت دی ہے اگرچہ لوہے کا ہو۔[2]

علامہ زین الدین نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قیدہ الامام السرخسی بان لایکون الغالب علی الاراضی النز و الرخاوۃ فان کان فلاباس بھما کاتخاذ تابوت من حدید لھذا"۔

یعنی امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم کو اس سے مقید کیا ہے کہ زمین پر تری اور نرمی غالب نہ ہو۔ اگر ایسی ہو تو پکی اینٹ اور لکڑی لگانے میں کوئی حرج نہیں، جیسے اس بناء پر لوہے کا تابوت لگانے میں حرج نہیں۔[3]

ابو بکر بن علی بن محمد حداد عبادی زبیدی یمنی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَقَالَ التُّمُرْتَاشِيُّ إنَّمَا يُكْرَهُ الْآجُرُ إذَا كَانَ مِمَّا يَلِي الْمَيِّتَ أَمَّا إذَا كَانَ مِنْ فَوْقِ اللَّبِنِ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّهُ يَكُونُ عِصْمَةً مِنْ السَّبُعِ وَصِيَانَةً عَنْ النَّبْشِ۔

یعنی اور تمرتاشی نے فرمایا: قبر کے اس حصے میں پکی اینٹیں لگانا مکروہ ہیں جو میت سے متصل ہو، بہرحال جب قبر کا اوپر والا حصہ پکا ہو تو مکروہ نہیں اس لئے کہ اس میں درندوں اور اکھیڑنے سے تحفظ ہے۔[4]

فتح المعین میں ہے:

"و قیدہ فی شرح المجمع بان یکون حولہ اما لو کان فوقہ لایکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع"

شرح مجمع میں یہ قید لگائی ہے کہ اس کے گرد ہو لیکن اگر اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ اس سے درندوں سے حفاظت رہے گی۔[5]

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی حملھا و دفنھا، جلد 1، صفحہ 611، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الجنائز، صفحہ 595، سہیل اکیڈمی لاہور)

[3] (بحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلوتہ، جلد 2 صفحہ 194 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[4] (الجوھرۃ النیرۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، جلد 1، صفحہ 272 مکتبہ رحمانیہ لاھور)

[5] (فتح المعین علی شرح الکنز لملامسکین، باب الجنائز، فصل فی الصلوۃ علی المیّت، جلد 2 صفحہ 194، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

درر الحکام میں ہے:

"یسوی اللبن و القصب لا الخشب و الاٰجر و جوز فی ارض رخوة"۔

کچی اینٹ اور بانس چُنا جائے، لکڑی اور پکی اینٹ نہ ہو اور نرم زمین میں اس کی بھی اجازت ہے۔[1]

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

"انما یکرہ الاجر فی اللحد ان کان یلی المیّت اما فی وراء ذلک فلا باس بہ کذا فی الخلاصة و قال الامام علی السغدی اتخاذ التابوت فی دیارنا افضل من ترکہ"۔

لحد میں پکّی اینٹ اسی صورت میں مکروہ ہے کہ میّت سے متصل ہو، اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔ امام علی سغدی نے فرمایا: ہمارے دیار میں تابوت لگانا نہ لگانے سے بہتر ہے۔[2]

مجمع الانہر میں ہے:

"یکرہ الاٰجر و الخشب ای کرہ ستر اللحد بھما و بالحجارة و الجص لکن لو کانت الارض رخوة جاز استعمال ما ذکر"۔

پکی اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے صرف لحد کو ان سے اور پتھروں سے اور گچ سے چھپانا مکروہ ہے لیکن اگر زمین نرم ہو تو ان سب کا استعمال جائز ہے۔[3]

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"اور قبر پختہ بنانے میں حاصل ارشاد علمائے امجاد رحمہم اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ اگر پکی اینٹ میّت کے متصل یعنی اس کے آس پاس کسی جہت میں نہیں کہ حقیقۃً قبر اسی کا نام ہے بلکہ گڑھا کچّا اور بالائے قبر پختہ ہے تو مطلقاً ممانعت نہیں، یہاں تک کہ امامِ اجل فقیہِ مجتہد اسمٰعیل زاہدی نے خاص لحد میں پکی اینٹ پر نص فرمایا جبکہ کچّے چوکے کی تہ ہو اور اپنی قبر مبارک میں یونہی کرنے کی وصیت فرمائی اور متصل میّت ممنوع مکروہ، مگر جبکہ بضرورت تری و نرمی زمین ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔"[4]

---

[1] (درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، باب الجنائز، جلد 1 صفحہ 167، مطبعۃ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت)

[2] (شرح نقایہ برجندی، فصل فی صلٰوۃ الجنائزۃ، جلد 1، صفحہ 182، منشی نولکشور لکھنؤ)

[3] (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، فصل فی الصلٰوۃ المیّت، جلد 1، صفحہ 186، دار احیاء التراث العربی بیروت)

[4] (فتاوی رضویہ جلد 9 صفحہ 421 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

آپ رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

"قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر سے کڑا کچا رہے، اوپر سے پختہ کر سکتے ہیں، طول و عرض موافق قبر میت ہو، اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو، اور صورت ڈھلوان بہتر ہے۔"[1]

مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"قبر جس قدر میّت سے متصل ہوئی اس اندرونی حصہ کو پختہ کرنا ممنوع ہے اور باہر سے پختہ کرنے میں حرج نہیں، اور معظمان دینی کے لئے ایسا کرنے میں بہت مصالح شرعیہ ہیں۔"[2]

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"علماء مشائخ کی قبور کو اوپر سے پختہ کرنا جائز ہے عوام کے لئے مکروہ۔"[3]

فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علماء متقدمین نے علماء و مشائخ کی قبروں کو صرف باہر سے پختہ بنانا جائز لکھا ہے اور عامہ مومنین کی قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے لیکن اب ہندوستان میں جبکہ کفار اور بعض دنیا دار مسلمان ان قبرستانوں پر قبضہ کر رہے ہیں کہ جن میں سب قبریں خام ہوتی ہیں، اس لئے ہر قبرستان میں کچھ قبروں کے پختہ ہونے کی اجازت ہے۔"[4]

مفتی اعظم پاکستان وقار الدین قادری امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"دینی عظمت والے لوگوں کی قبریں اوپر سے پکی بنا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ اندر کی طرف کسی ایسی چیز کا لگانا مکروہ ہے جو آگ سے بنائی گئی ہو مثلاً سیمنٹ یا پکی اینٹیں وغیرہ۔"[5]

حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"خیال رہے کہ قبر میں تین چیزیں ہیں: ایک اس کا اندرونی حصہ جو میت کے جسم سے ملا ہوا ہوتا ہے اسے پختہ کرنا، وہاں لکڑی یا پکی اینٹ لگانا مطلقاً ممنوع ہے خواہ ولی کی قبر ہو یا عام مسلمان کی، جسم میت مٹی میں رہنا چاہیئے حتیٰ کہ اگر کسی وقت مجبوراً میت کو تابوت یا صندوق میں دفن کرنا پڑے تب بھی اس کے اندرونی حصے میں مٹی سے کہگل (استر کاری) کر دی جائے۔ دوسرا

---

[1] (فتاوی رضویہ جلد 9 صفحہ 425 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[2] (فتاوی رضویہ جلد 9 صفحہ 365 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[3] (فتاویٰ امجدیہ جلد 3 صفحہ 389 مکتبہ رضویہ کراچی)

[4] (فتاوی فیض الرسول جلد 2 صفحہ 531 شبیر برادرز لاہور)

[5] (وقار الفتاویٰ جلد 2 صفحہ 362 بزم وقار الدین کراچی)

(۴) بابِ نمبر چار: قبر کو پختہ بنانا

قبر کا بیرونی حصہ جو لوگوں کو نظر آتا ہے اس کا پختہ کرنا عوام کی قبروں میں منع، اولیاء و مشائخ و علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور کا جائز کیونکہ عوام کے لیے یہ بیکار ہے اور خاص قبروں کی حرمت و تعظیم کا باعث اسی پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا اور ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر لگایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کے آس پاس چبوترہ پختہ ہو اور تعویذ قبر کچا یہ مطلقًا جائز ہے۔ لہذا یہاں قبر سے مراد قبر کا اندرونی حصہ ہے اسی لیے عَلَی الْقَبْرِ نہ فرمایا گیا، یا عام قبریں مراد ہیں جن سے مشائخ اور علماء کی قبریں مستثنٰی ہیں۔ ابھی اسی باب میں آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبور پر عہدِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سرخ بجری بچھادی گئی تھی بالکل خام نہ رکھی گئی۔"[1]

مفتی منیب الرحمن صاحب مد ظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

"عام مسلمانوں کی قبروں کو پختہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں تعظیم کے لئے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور کو پختہ کرنا جائز ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں عظمت و احترام قائم ہو۔"[2]

نوٹ: اس تفصیل اور دلائل سے واضح ہو گیا کہ جس روایت میں قبر کو پکی کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد بلاوجہ قبر کو اندر سے پکا کرنا ہے، لہذا اس روایت کو لے کر احناف پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] (مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد 2 صفحہ 489 نعیمی کتب خانہ گجرات)

[2] (تفہیم المسائل جلد 7 صفحہ 115 مکتبہ ضیاء القرآن لاہور)

(۵) باب نمبر پانچ: عذاب قبر کے بیان میں

اور بعض علماء عذابِ قبر کے منکر ہیں۔ اور اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے، جیسا کہ علامہ طاہر بن احمد حنفی "خلاصۃ الفتاویٰ" میں لکھتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر کراماً کاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرؤیۃ لانّہ کافر۔

یعنی جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔[1]

رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھٰذہ الامور عن الشارع ﷺ۔

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع اسے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔[2]

مولانا عبد العلی بحر العلوم حنفی لکھتے ہیں:

منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر والرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔

ترجمہ: اہلِ کبائر کیلئے شفاعت اور رؤیتِ باری تعالیٰ اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا کافر ہے۔[3]

برزخ کے معنی دو چیزیں کے درمیان حدِّ فاصل اور روک کے ہیں۔

(مفردات القرآن امام راغب اصفہانی) برزخ دو چیزوں کے درمیان کی حد؛ روک؛ حائل؛ عالم برزخ موت سے حشر تک کے عالم کا نام ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (المؤمنون ۱۰۰)

---

[1] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۴۹، ج ۱)

[2] (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۷)

[3] (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)

[4] (لغات القرآن ج ۲ ص ۲۸)

(۵) باب نمبر پانچ: عذابِ قبر کے بیان میں

ترجمہ: اور انکے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ اٹھائے جائیں گے) رہیں گے؛ برزخ بازداشت میان دو چیز یعنی برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے۔

وتقال مابین الدنیا والآخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ۔

ترجمہ: برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے اور یہ بولا جاتا ہے (اس زمانے اور مکان پر) جو موت کے وقت سے لیکر حشر تک ہے پس جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا: (صراح؛ علامہ ابو الفضل محمد بن عمر القریشی) برزخ ایک غیر محسوس پردہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اور فعل انسانی کو اس میں کوئی دخل نہیں؛ مولوی سید نور الحسن بخاری لکھتے ہیں: تو برزخ موت کے بعد سے قیامت تک کے درمیانی دور: عہد: زمانہ اور مدت کا نام ہے: اس دور میں دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے؛ اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی؛ اس لیے اسے برزخ کہتے ہیں؛ قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے؛ گویا میت کیلئے قبر اور برزخ دونوں ظرف ہیں برزخ ظرف زماں اور قبر ظرف مکاں۔

قبر اس مقام کو کہتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے؛ قرآن وحدیث میں عموماً اس مدفن پر قبر کا اطلاق ہوا ہے۔

مثلاً نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ (التوبۃ ۸۴)

اور اس کافر منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہو۔

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ (الإنفطار ۴)

یعنی اور (قیامت کے دن) جب قبریں اکھاڑ جائیں گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

ان العبد اذا وضع فی قبرہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: بیشک بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرض کے دوران فرمایا جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا۔[2]

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب عذاب القبر)

[2] (بخاری مع فتح الباری ص ۱۶۵)

ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صلحاء کی انہی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کیلئے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (ام المؤمنین) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں گیا اور کہا کہ اماں جان مجھے حضور ﷺ کی قبر اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھائیں تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے تین قبریں دکھائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہی قبریں دکھائیں جو زمین پر موجود تھیں۔ اگر قبر سے مراد علیین ہے تو کوئی بتائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سائلین کو علیین پر کیونکر لے گئیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فإذا وضع فی قبرہ و سوی علیه و تفرق عنه اصحابهٔ اتاہ منکر و نکیر فیجلسانه فی قبرہ۔

ترجمہ: جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دفن کرنے والے رخصت ہو جاتے ہیں تو اس کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں، پس اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔[1]

حضرت بشیر اکال المعوی کی حدیث کے الفاظ:

انی مررت بقبر و هو یسأل عنی فقال لا ادری فقلت لا دریت۔

ترجمہ: بے شک میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تھا، جس سے میرے بارے میں سوال کیا جارہا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا، اس پر میں نے کہا کہ تم نے نہ خود جانا (نہ کسی جاننے والے کی بات مانی)۔[2]

حضور اکرم ﷺ میت (کی قبر پر) تین بار دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے اور حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔[4]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔ حضور ﷺ قبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات

---

[1] (شرح الصدور ص ۵۴)
[2] (کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۴۲، مجمع الزوائد ص ۴۸، شرح الصدور ص ۵۰)
[3] (مشکوٰۃ المصابیح)
[4] (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹)

(۵) باب نمبر پانچ: عذابِ قبر کے بیان میں

اقتراف مع المرأة (زوجہ سے ہم بستری) نہ کیا ہو ابو طلحہٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ فرمایا اس کی قبر میں اُترجا پھر وہ بنتِ رسول ﷺ کی قبر میں اُترے۔[1]

عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکئًا علی قبرہ فقال لا تؤذ صاحب ھٰذا القبر۔

ترجمہ: عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے قبر پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا قبر والے کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔[2]

ان احادیث مبارکہ کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ میت کو جس قبر میں داخل کرتے ہیں، جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم ﷺ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہو سکتی ہے۔

باقی قبر کے معنی لغات قرآن کے امام سے سُن لیجئے:

القبر کے معنیٰ میت کو دفن کرنے کی جگہ کے ہیں۔ اقبرہ کے معنیٰ کسی کے لیے قبر مہیا کرنے کے ہیں تاکہ اسے دفن کیا جائے۔ قرآن میں ہے۔ **"ثمّ اماتہ فاقبرہ"** پھر اس کو موت دی۔ پھر اسے قبر میں دفن کرایا۔[3]

عربی کی مشہور لغت "منجد" دیکھئے:

القبر: آدمی کے دفن کا مقام جمع قبور **اقبرہ:** کسی کے دفن کرنے کو قبر بنانا، **اقبر القوم:** قوم کو مقتول کے دفن کی اجازت دینا۔[4]

لغات القرآن کے امام (راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) یا صاحبِ منجد نے قبر کے معنی میں کہیں گڑھا کا لفظ نہیں لکھا۔ قبر کے معنی گڑھا تو کوئی جاہل ہی کرے گا، گڑھا تو ہیں حفرہ کے معنی، قبر کے معنیٰ تو ہیں: میت کو دفن کرنے کی جگہ، آدمی کے دفن کا مقام **مقرّ المیت**۔

قرآن کریم میں ایک جگہ "قبر" کا لفظ آیا ہے۔ "قبرہ" (پارہ ۱۰ ع۱۷) چار مقامات پر "القبور" ہے۔[5]

ایک مقام پر "القبور" ہے۔ **(پ ۳۰ ع۷)**

ایک مقام پر "اقبرہ" ہے۔ **(پ ۳۰ ع۵)**

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح)
[2] (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹، ابن عساکر، مسند احمد، کنز العمال ج۱۵ ص ۷۲۰ حدیث نمبر ۴۲۹۹۰)
[3] (مفردات القرآن للاصفھانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۷۲۳)
[4] (المنجد عربی اردو ص ۹۵۷)
[5] (پ ۱۷ ع۸، پ ۲۲ ع۱۵، پ ۲۸ ع۸، پ ۳۰ ع۲۵)

ایک مقام پر ”المقابر“ ہے۔(پ ۳۰ ع ۲۷)

ان آٹھ مقامات میں سے کسی مقام پر بھی قبر کے معنیٰ نہ گڑھا ہیں اور نہ ہی عالم برزخ بلکہ آٹھوں مقامات پر قبر ہی مراد ہے۔اور حدیث میں بھی جہاں قبر کا ذکر آیا ہے وہاں یہی محسوس قبر ہے۔

قبر کا عذاب و ثواب:

قبر کے عذاب و ثواب پر جمیع اہلسنت متفق ہیں۔ان کے نزدیک عذابِ قبر حق ہے۔یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔نبی کریم ﷺ نے اسے حق فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا”**نعم عذاب القبر حق**“ ہاں: قبر کا عذاب حق ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہو **(الا تعوّذ باللہ من عذاب القبر)** اور عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو۔

ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

استعیذوا باللہ من عذاب القبر۔[1]

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اللھم انی اعوذ بک من العجز والکسل والجبن والھرم، واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من فتنة المحیا والممات۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عجز و کسل سے، بزدلی اور انتہائی بڑھاپے سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔[2]

عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذابِ قبر صرف رُوح کو ہوتا ہے اور بعض کا وہم ہے کہ صرف بدن کو۔لیکن اہلسنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعًا باتفاق اھلِ السنة والجماعة۔

ترجمہ: عذاب وراحت وآرام روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اس پر تمام اہلِ سنت و جماعت کا اتفاق ہے۔[3]

---

[1](ترمذی ج ۲ ص ۲۰۰)

[2](بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۲، مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۷، ترمذی ج ۲ ص ۱۸۷، نسائی ج ۲ ص ۳۱۳)

[3](کتاب الروح ص ۶۲)

(۵) باب نمبر پانچ: عذابِ قبر کے بیان میں

امام تقی الدین السبکی فرماتے ہیں:

وقد اجمع اھل السنۃ و الجماعۃ علی اثبات الحیوۃ فی القبور۔

ترجمہ: بیشک قبروں میں اثباتِ حیات پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

ان حیوۃ جمیع الموتٰی بارواحھم و اجسامھم فی قبورھم لا شک فیھا۔

ترجمہ: بلاشُبہ تمام مُردوں کا قبروں میں اپنے ارواح واجسام دونوں کے ساتھ زندہ ہونا، اس میں کوئی شک نہیں۔

حضرت علامہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

العذاب علی الروح و البدن کما ھو مذھب الجمھور و ھو الصحیح۔

ترجمہ: قبر میں گناہ گار کے بدن وروح دونوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔

و محل العذاب الروح و البدن جمیعًا باتفاق اھل السنۃ و الجماعۃ و کذا القول فی التنعیم۔

ترجمہ: اہلِ سنت وجماعت اس بات پر متفق ہے کہ قبر میں عذاب وثواب روح اور جسم دونوں کو دیا جاتا ہے۔

ان براھینِ **قاطعہ** سے خوب واضح ہوا کہ قبر میں روح وجسد دونوں کو سزا وجزاء دی جاتی ہیں۔[1]

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ومحل التنعیم و العذاب الروح و البدن جمیعًا باتفاق اھل السنۃ و الجماعۃ کما ھو مذھب الجمھور وھو الصحیح۔ وقول العامّۃ و اکثر ارباب الشرع علی انھم احیاء فی الحال بحیاۃ جسمانیۃ۔

ترجمہ: اس بات پر اہل سنت وجماعت کا اتفاق ہے کہ عطاء نعمت اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے اور وہی صحیح ہے۔ اور عوام کا قول ہے اور اکثر ارباب شرع کا قول ہے کہ اب بھی وہ سب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔[2]

---

[1] (المقاصد السنیۃ ص ۱۰۷)

[2] (شرح الصدور ص ۲۱۲، المقاصد السنیۃ ص ۱۰۵)

عذابِ قبر کے منکر کی اقتداء میں نماز کا حکم

علامہ طاہر بن احمد حنفی ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں لکھتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر کرامًا کاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر رؤیۃ لانّہ کافر۔

ترجمہ: جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کرامًا کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔[1]

رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھٰذہ الامور عن الشارع ﷺ۔

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کرامًا کاتبین کے منکر کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

مولانا عبد العلی بحر العلوم حنفی لکھتے ہیں:

منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر والرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔

ترجمہ: اہلِ کبائر کیلئے شفاعت اور رؤیتِ باری تعالیٰ اور عذاب قبر اور کرامًا کاتبین کا انکار کرنے والا کافر ہے۔[2]

علامہ ابو الشکور سالمی فرماتے ہیں کہ:

فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوّا وعشیّا۔ یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ایّ موضع وعلی ایّ حال ومن انکر ھٰذا یصیر کافرًا۔ ''واللہ تعالیٰ اعلم''۔

ترجمہ: عذابِ قبر مؤمنوں کیلئے جائز اور کافروں کیلئے واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہے، یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

---

[1] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۴۹)

[2] (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)

عذابِ قبر کے منکر کی اقتداء میں نماز کا حکم

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزری الاندلسی القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

فاعلموا ایھا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمه حق کما صرحت به الاحادیث الصحیحة ولٰکن اللہ تعالی یأخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رؤیة عذاب القبر ونعیمه لحکمة الٰھیة ومن شک فی ذٰلک فھو ملحد الخ۔

ترجمہ: اے بھائیو تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحتًا اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب وراحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمتِ الٰہی کا تقاضہ ہی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔[1]

---

[1] (مختصر تذکرۃ القرطبی لعبدالوھاب الشعرانی رحمۃ اللہ تعالی علیھما ص ۳۶)

(٦) باب نمبر چھ: سماع الموتیٰ کے اثبات کا بیان

بعض علماء اس سے انکار کرتے ہیں کہ مردے نہ تو زندوں سے کلام کر سکتے ہیں اور نہ زندہ مردوں سے کلام کر سکتے ہیں اور نہ قبر میں تلاوت قرآن پاک کر سکتے ہیں اور نہ قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں حالانکہ مُردہ زندوں سے کلام کر سکتا ہے اور زندہ مُردوں کی بات سُن سکتا ہے اور مُردہ قبر میں تلاوتِ قرآنِ پاک کر سکتا ہے۔ اور قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو بھی پہچانتا ہے۔

مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

"اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مُردوں کی بات زندہ بھی سُن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں میں ملتے ہیں"۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالی عنہ یہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلاف میں ان کا وصال ہوا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ جب ان کا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا اور نماز کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار ہونے لگا تو میں نے ارادہ کیا کہ انتظار کے اس وقفے میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لوں، چنانچہ میں نے ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی دوسرے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں جنازے سے آواز آئی: "السلام علیکم انصتوا انصتوا" (یعنی خاموش ہو کر بات سنو) اس کے بعد مرحوم حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل کلام فرمایا جس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں شہادت دی اور ان کے کچھ اوصاف بیان فرمائے اور اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک پیشین گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل حق ثابت ہوئی۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "بعد الموت تکلم" کرنے کا واقعہ اور ان کا وہ پورا کلام قریب قریب ان سب کتابوں میں مروی ہے جو صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے احوال میں لکھی گئی ہیں اور آئمہ حدیث وروایت نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام بخاری تک نے اس کو ذکر کیا ہے۔

(''کمافی الاصابۃ'' ّبحوالہ تذکرہ شاہ عبد الرحیم وشاہ ابو الرضا دہلوی مرتبہ: نسیم احمد فریدی امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع ضمیمہ ''اہلِ قبور کی زندوں سے ہم کلامی'' از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۱۷۲،۱۷۱)[1]

مرتبہ: مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا دیوبندی ''فضائلِ صدقات میں روض الریاحین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ:

ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چُرایا کرتا تھا اس نے ایک قبر کھودی تو اس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا، وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر۔گر پڑا لوگوں نے اسے قبر سے نکالا تین دن بعد ہوش آیا تو لوگوں نے قصہ پوچھا تو اس نے سارا حال سنایا، بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنّا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتادے اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا، اس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا۔[2]

نیز فضائلِ صدقات میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ شیخ ابو یعقوب سنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دُور جاکر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔[3]

فضائلِ صدقات میں ہی مذکور ہے کہ:

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے، یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا، شیخ ابن الجلاء فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا اور ان کو نہلانے کیلئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے، کسی کو ہمت ان کے نہلانے کی نہ پڑتی تھی ایک اور بزرگ ان کے رفیق (دوست) آئے تو انہوں نے غسل دیا۔[4]

---

[1] (تہذیب، عمدۃ الاخبار، اکفار الملحدین: بحوالۂ: ملفوظاتِ محدث کشمیری مرتب: سیداحمد رضا بجنوری مؤلف انوار الباری ص ۲۸ ۱ بحوالۂ فتاوی رحیمیہ: ص ۲۰۳)

[2] (روض الریاحین، فضائل صدقات حصہ دوم ص ۴۷۵)

[3] (روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۴۷۸ حصہ دوم)

[4] (روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم)

اس کے بعد شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ:

غرض صاحبِ روض نے بہت سے واقعات ان مرمٹوں کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشاش ہونا، ہنسنا مذاق کرنا، لطف اُڑانا معلوم ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد کلام کرنے کے واقعات حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں بھی ذکر کیے ہیں۔ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ! اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی نقل کیا ہے۔[1]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی تصنیف "شوقِ وطن" میں ہے:

عن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اما و اللہ الذی لا الٰہ الا ھو لقد ادخلت ثابتا البنانی فی اللحد و معی حمید الطویل فلما سوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فإذا ھو فی قبرہ یصلی و کان یقول فی دعائہ اللھم ان کنت اعطیت احدا من خلقک الصلوۃ فی قبرہ فاعطنیھا فما کان اللہ لیرد دعائہ۔[2]

ترجمہ: حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ قسم اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے۔ جب ہم نے اُن پر کچی اینٹیں چُنیں تو ایک اینٹ گر پڑی میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجئے۔ سو خُدا تعالیٰ نے ان کی دُعا رد نہیں فرمائی۔ (بلکہ جیسا موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا فرمائی ہے، اخرجہ مسلم، اسی طرح ان کو عطا ہوئی۔[3]

مولانا سید نور الحسن بخاری دیوبندی "حیات الاموات" میں لکھتے ہیں کہ:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تو شان ہی نرالی اور عظیم و رفیع ہے حقیقت یہ ہے کہ غیر انبیاء کا بھی قبر میں نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات تابعین میں سے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص اصحاب میں تھے ان کا فرمان ہے! "ہر شئے کی ایک کنجی ہوتی ہے اور ثابت خیر کی کنجی ہے"۔ دنیا کے سب سے بڑے عابد مشہور تھے۔ صائم الدھر تھے دن رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔[4]

---

[1](فضائلِ صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۲)

[2](حلیۃ الاولیاء، ج۲، ص ۳۱۹، دار الکتاب العربي - بیروت)

[3](شوقِ وطن ص ۴۵، انجمن احیاء السنۃ)

[4](تابعین۔ مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳)

ان سے متعلق روایت ملاحظہ ہو:

عن ثابت البنانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ قال اللھم ان کنت اعطیت احدا الصلوۃ فی قبرہ فاعطنی الصلوۃ فی قبری۔

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے انہوں نے دعا کی الٰہی! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرما۔[1]

ابو نعیم کی روایت ہے، جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے **"واللہ الذی لا الہ الا ھو"** میں حمیدِ طویل کے ساتھ بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر تھا **"یصلی فی قبرہ"** وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اللہ سے یہ دعا کیا کرتے تھے اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔[2]

ابن جریر نے **"تھذیب الآثار"** میں اور ابو نعیم نے ابراھیم بن الصمہ المہلبی سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے قبر سے قرأۃ القرآن کی آواز سُنی ہے۔[3]

ابن مندہ نے بسند روایت کی ہے کہ ابو حماد الحفّار جو ثقہ اور متقی تھے، نے کہا کہ میں نے ایک قبر سے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قرآن کی قرأت سُنی۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی "شوق وطن" میں لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال ان بعض اصحاب النبی ﷺ جلس علی قبر و ھو لا یحسب انہ قبر فإذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمھا فاتی النبی ﷺ فاخبرہ فقال رسول اللہ ﷺ ھی المانعۃ وھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کوئی صحابہ کسی قبر پر بیٹھ گئے اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ سو دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک آدمی ہے جو سورۂ مُلک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پورا ختم کیا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو آ کر خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورۃ عذاب سے بچانے والی اور نجات دینے والی ہے کہ مُردے کو عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔[4]

---

[1] (طبقات ابن سعد، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد امام احمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ و ابو نعیم، شرح الصدور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ مطبوعہ مصر ص ۷۸، حیات الاموات ص ۶۳)

[2] (شرح الصدور ص ۷۸ ایضًا)

[3] (شرح الصدور ص ۷۸)

[4] (اخرجہ الترمذی، شوق وطن ص ۴۰، ۲۴، ۲۳، فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

(۶) بابِ نمبر چھ: سماع الموتیٰ کے اثبات کا بیان

ابو القاسم السعدی نے کتاب ''الروح'' میں لکھا ہے کہ:

ھٰذا تصدیق من النبی ﷺ بان المیت یقرأ فی قبرہ فان عبداللہ اخبرہ بذٰلک و صدّقہ رسول اللہ ﷺ۔

ترجمہ: یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ میت اپنی قبر میں قرآت کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی اور آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

امام کمال الدین ''کتاب العمل المقبول فی زیارۃ رسول ﷺ'' میں لکھتے ہیں کہ:

ھٰذا الحدیث و اضح الدلالۃ علی ان المیت کان یقرأ فی قبرہ سورۃ الملک۔

ترجمہ: یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ میت اپنی قبر میں تلاوت کرتی ہے۔ اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکرام کا ثبوت ہے اور بعض اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ تو بعض کے ساتھ قبر میں نماز کے ساتھ اللہ کے اکرام کا ثبوت ہے۔

فإذا کان من کرامۃ اللہ لاولیائہ تمکین من الطاعۃ و العبادۃ فی القبر فالانبیاء بطریق الاولی۔

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان و الاقامۃ عند الدارمی و قرأۃ القرآن عند الترمذی الخ۔

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا ترمذی کی روایت میں۔[1]

مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''اخبار الاخیار'' میں شیخ محمد ترک نارنومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں ہیں ایک کو بوجہ بلند زمین بلند شہید اور دوسرے کو بوجہ نشیبِ زمین نشیب شہید کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں شہداء حافظ کلام اللہ تھے۔ کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی ہے جو بطریقِ دَور پڑھتے تھے۔[2]

صاحبِ خزینۃ الاصفاء شیخ روزبان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

شیخ ابو طاہر جو شیخ روزبان کے اصحاب میں سے ہیں، کہتے ہیں! کہ میں اور شیخ روزبان ہر روز صبح کو قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو دنیا میری نظر میں تیرہ و تاریک ہو گئی ایک دن میں نے پچھلی رات کو اُٹھ کر نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے سرھانے بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا مگر مجھے اپنی تنہائی اور بے کسی پر رونا آیا اسی حالت میں میں نے شیخ کی قبر

---

[1] (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳، کتاب العلم باب من اجاب الفتیا۔ مطبع مجلس علمی دابھیل)

[2] (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۰۹)

سے تلاوت کی آواز سُنی اور جب تک لوگ جمع نہیں ہوئے برابر سُنتا رہا۔ یہی حال ایک عرصہ تک رہا مگر جب میں نے اس کا ذکر ایک دوست سے کر دیا تو اس روز سے آواز کا آنا موقوف ہو گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

ایک شخص ہر روز بوقتِ سحر اپنے شیخ کے ساتھ دس پارے دَور کرتا تھا اس کے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفات پا گئے تو وہ مُرید حسبِ عادت وقتِ سحر شیخ کی قبر پر پہنچا اور پڑھنا شروع کر دیا جب اس نے دس پارے پورے پڑھ لیے تو اس قبر سے آواز آئی کہ شیخ پڑھ رہے ہیں حتیٰ کہ جب دس پارے پورے ہوئے تو شیخ خاموش ہو گئے۔ دَور کا یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ اس شخص نے یہ راز اپنے بعض ساتھیوں پر ظاہر کر دیا تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔[1]

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کا سرِ اقدس مصر میں دفن کیا گیا تو لوگ ان کی قبرِ اطہر سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنتے تھے۔[2]

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت احمد بن محمد الطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے ہر جمعہ کی شب میں تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[3]

حضرت آمنہ بنت موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبرِ انور سے رات کے وقت تلاوتِ قرآن کی آواز آتی تھی۔[4]

امام شعرانی کے جد کریم حضرت علی بن شہاب الدین شعراوی کے متعلق شیخ علی العیاشی جو اہلِ قلب حضرات میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ امام شعراوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کے اندر قیام پذیر ہوئے تو انہوں نے سُنا کہ شیخ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز آ رہی ہے۔ شیخ نے سورۃ مریم سے تلاوت شروع فرمائی اور سورۃ رحمن پر اختتام فرمایا جب فجر طلوع ہوئی تو خاموش ہو گئے۔[5]

---

[1] (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۲۳۸، ۲۳۷)
[2] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۳۸۴)
[3] (الکواکب الدریۃ ج ۲ ص ۳۸۴)
[4] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۲۳۰)
[5] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۴۵۹)

مولانا قاری ظہور احمد فیضی "انوار العرفان فی اسماء القرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

قبر کے اندر تلاوتِ قرآن کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ تو بہت مشہور ہے متعدد کتب میں مرقوم ہے کہ آپ کی قبر شریف سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[1]

یہ سعادت بھی اس امت کے خواص کو حاصل ہے کہ ان کی قبر پر اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآن کرے اور اسے پڑھتے پڑھتے تشابہ لگ جائے یا غلطی ہو جائے تو وہ قبر کے اندر سے غلطی بتلاتے تھے۔

چنانچہ حضرت علی بن عمر الحمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر ان کے فرزند حسین بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش پائے گئے ایک شخص نے چند ساتھیوں کے ساتھ ملکر انہیں اُٹھایا اور ان کے گھر پر پہنچا دیا جب وہ ہوش میں آئے تو ان سے مدہوشی کا سبب دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ابا حضور کی قبرِ انور پر تلاوت کر رہا تھا اچانک مجھے غلطی لگی تو میں نے سُنا کہ میرے والد محترم قبر کے اندر سے مجھے لقمہ دے رہے ہیں پس میں اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکا یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔[2]

حضرت شیخ احمد بن نصر الخزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۳۷ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی آزمائش کی گئی یہاں تک کہ وہ بادشاہ واثق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ابراہیم بن اسمٰعیل بن خلف کہتے ہیں کہ جب ان کی گردن تن سے جُدا ہو کر زمین پر آرہی تو میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ ان کا سر قرآن پڑھ رہا ہے۔ میں اس طرف گیا تو وہاں کچھ گھوڑوں پر اور کچھ کھڑے کھڑے ان پر پہرا دے رہے تھے جب سب آنکھیں سو گئیں تو اُن کے سر نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا جو کچھ ان سے سُنا گیا اس میں یہ آیت بھی تھی: الٓمّٓ (۱) اَحَسِبَ النَّاسُ اَن یُّترَکُوا اَن یَّقُولُوا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُونَ (العنکبوت ۲) الف لام میم کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اس پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔[3]

یہاں یہ واقعہ بھی کافی مناسبت رکھتا ہے کہ حضرت شیخ احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاللہ سکندری شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۰۹ھ کے حالات میں ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر مشہور ترین حنفی فقیہ حضرت امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ حاضر ہوئے اور سورۃ ھود پڑھنا شروع کی، جب ان الفاظ پر پہنچے "فَمِنۡھُمۡ شَقِیٌّ وَّسَعِیۡدٌ

---

[1] (طبقات الکبریٰ لشعرانی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ ص ۳۶، الکواکب الدریۃ للمناوی قسم اول ج ۱ ص ۲۴۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۶۶)

[2] (جامع کراماتِ اولیاء ج ۲ ص ۲۹۰، ۲۸۶)

[3] (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۳۷، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۶، شرح الصدور ص ۲۱۰، الکواکب الدریۃ ص ۵۴۰)

(ھود ۱۰۵) تو قبر سے آواز آئی: "یا کمال! لیس فینا شقی، فاوصی ان یدفن ھناک" اے کمال! ہمارے اندر کوئی شقی نہیں ہے، اس پر امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہاں دفن کیا جائے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی وصیت پوری کرائی اور آپ کو حضرت ابن عطاءاللہ سکندری کی قبر کی غربی جانب دفن کیا گیا۔[2]

مفتی سید عبدالرحیم دیوبندی سے سوال کیا گیا کہ بزرگانِ دین حینِ حیات یا بعد الوفات حج کیلئے یا دیگر مقامات پر جا سکتے ہیں یا نہیں؟

مفتی عبدالرحیم جواب دیتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفر کر سکتے ہیں، حج کے لیے بھی جا سکتے ہیں، مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ خود ان کو اختیار نہیں ہوتا اور یہ درجہ یادِ الٰہی، سنت کی پیروی اور اتباعِ شریعت کی برکت سے حاصل ہوتا ہے یہ ان کی کرامت اور حضورِ اقدس ﷺ کا معجزہ ہوگا۔ حقیقتِ السورت میں ہے کہ سورت کے ایک بزرگ شیخ محمد فاضل سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۳۰۲ھ میں وفات ہوئی، جس روز آپ کی وفات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا آپ فرما رہے تھے کہ میں حج کے لیے جا رہا ہوں چنانچہ سورت کے کچھ باشندے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو ان کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا صاحب کو حج کے دوران عرفات میں دیکھا تھا۔[3]

اسی طرح فتاوی رحیمیہ میں اور واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں:

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "کفایۃ المعتقد" میں کہا ہے کہ:

بعض فقہائے صالحین سے فقیہ الکبیر ولی الشہیر حضرت احمد بن موسیٰ بن عجیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر میں سورت نور کی قرآت کی سماعت مشہور ہے۔[4]

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ علمائے اعلام، تابعین عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات بلکہ خود نبی کریم ﷺ کی تقریر و تصدیق سے ثابت ہے کہ غیر انبیاء بھی قبر میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ جب غیر انبیاء کا یہ حال ہے تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے قبر مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔

---

[1] (الکواب الدریۃ ج۳ص ۱۰)

[2] (شرح حکم ابن عطاللہ السکندری ص ۲۲)

[3] (حقیقت سورت فارسی ص ۹۳، فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۳)

[4] (شرح الصدور ص ۸۷)

مولانا محمد شعیب دیوبندی فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنی کتاب ''معجزے او دلیلونہ''ص ۲۳۵ میں لکھتے ہیں کہ ''الحق''رسالے میں ایک طالبِ علم کی شہادت کا واقعہ چھپا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح تھا کہ ایک طالبِ علم مولوی محمد شریف جوزرمل علاقے افغانستان کا رہنے والا تھا، اس نے اپنے والد سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی مگر والد نے اجازت نہیں دی بالآخر والد کی اجازت کے بغیر ہی جہاد پر چلا گیا اور شاہ توری علاقہ ارگون پر پہنچ گیا اور معاون عبدالحمید کے ساتھ حرکتِ انقلابِ اسلامی سے ملکر جہاد میں شریک ہو گیا۔ شدید جنگ شروع ہو گئی اور مختلف مقامات سے مسلمان امداد کے لیے امیر ارسلا خان کی قیادت میں پہنچ گئے۔ یہ طالبِ علم بہت بہادری سے لڑ رہا تھا کہ ایک کلاشنکوف کی گولی اس کے دل پر لگی جس سے وہ شہید ہو گیا۔ سخت سردی اور برف باری کے موسم کی وجہ سے اس کی لاش اپنے مورچہ میں دو دن تک پڑی رہی۔ تیسرے دن اس شہید کو اپنے مرکز میں لاکر وہاں دفن کر دیا۔ اس شہید طالب علم کے گاؤں کا ایک دوست زرمل پہنچا تو اس کو اس کی شہادت کی اطلاع ملی پھر اس نے شہید کے والدین کو خبر دی کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ سات دنوں بعد اس شہید کے دوست نے مرکز میں آکر امیر حرکت انقلابِ اسلامی سے عرض کی کہ اس شہید کا بوڑھا باپ بہت اصرار کر رہا ہے کہ اس کے شہید بیٹے کو یہاں سے نکال کر اس کو دیں تاکہ وہ اسے اپنے گاؤں میں دفن کرے۔ بالآخر بہت اصرار کے بعد امیر نے اجازت دے دی کہ اسے نکال لیا جائے۔ جب اس شہید کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس کا جسم تر و تازہ تھا اور نہایت خوبصورت تھا اور اپنا ہاتھ اُس نے اپنے دل پر رکھا ہوا تھا۔ معاون عبدالحمید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے سات مرتبہ اس کے ہاتھ کو سیدھا کیا مگر جیسے ہی میں اس کا ہاتھ سیدھا کرتا وہ فوراً اپنا ہاتھ دل پر رکھ لیتا۔ آخر کار ہم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر مجاہدین نے اس کی لاش کو اُٹھا کر اس کے گاؤں پہنچادی۔ جب اس شہید کی لاش اپنے گاؤں پہنچی جہاں بہت سے لوگ جمع تھے تو اس کا بوڑھا باپ اس کے پاس کھڑا اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا پھر اچانک اس کے باپ نے چیختے ہوئے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اے میرے جگر گوشے! اگر تم حق عقیدے اور اچھی نیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اگر اللہ رب العزت تم سے راضی ہے تو ابھی تم مجھ سے مصافحہ کرو تو میں اپنے تمام حقوق معاف کر دوں گا اور اگر تم نے مصافحہ نہیں کیا تو میں اپنے حقوق معاف نہیں کروں گا کہ تم میری بغیر اجازت کے میرے بڑھاپے میں مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ سینکڑوں لوگ وہاں موجود تھے جن میں مجاہدین بھی تھے، اُن تمام لوگوں نے دیکھا کہ اس شہید نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے باپ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر اس کے باپ نے بلند آواز سے اُس کو معاف کیا۔ اس واقعہ کی گواہی تقریباً بیس ہزار لوگ دیتے ہیں۔[1]

[1] (ماھانہ''الحق''شمارہ نمبر ۱ ج ۱۷ ص ۲۲ ۱۴۰۲ ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۱ء)

(۶) باب نمبر چھ: سماع الموتیٰ کے اثبات کا بیان

ان مذکورہ تمام واقعات و دلائل سے ثابت ہوا کہ مردہ قبر میں تلاوت کر سکتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے اور زندوں کا کلام سُن سکتا ہے اور حج بھی کر سکتا ہے اور گھوم پھر بھی سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے۔

جیسا کہ صاحبِ تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ:

ان اللہ یعطی لارواحھم قوّۃ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمّرون اعدائھم إن شاءاللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا کرتا ہے تو وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں، **ان شاءاللہ تعالیٰ**۔

(۷) باب نمبر سات: مسئلہ حیلہ اسقاط کے بیان میں

بعض علماء حیلہ اسقاط مع دورۂ قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ حیلہ کی مشروعیت شریعت میں ضرورت کے وقت جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ حیلہ ادلہ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ حیلہ شرعیہ کا ثبوت قرآن کریم واحادیث صحیحہ و اقوال فقہاء کرام سے موجود ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی اہلیہ کو سو کوڑے ماروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے قسم نہ توڑنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: وخذ بیدک ضغثاً فاضرب به ولا تحنث یعنی تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مارو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بن یامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز بھی ظاہر نہ ہونے پائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حیلہ ارشاد فرمایا جس کا مفصل بیان سورہ یوسف میں موجود ہے۔ ایک بار حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھائی تھی کہ اگر قابو پاؤں تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ ان کی آپس میں صلح کرادو۔ تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہوگی، تو حکم ہوا کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا کان چھید دیں۔

وفی فتاویٰ املح جاء الصحابی الی النبی ﷺ فقال ھلکت واھلکت فقال کیف قال جامعت امرأتی فی نھار رمضان فقال فعلیک اعتاق رقبة فقال رقبتی ھذہ ولیس لی غیرھا فقال النبی ﷺ صم شھرین متتابعین فقال لیس لی طاقة صوم واحد جامعت مع امرأتی فکیف اصوم شھرین متتابعین لیس لی طاقة فقال فاعط طعام ستین مسکینًا فقال لیس لی طاقة انا بنفسه مسکین فقال اعطنی صاعا من تمر لافک به رقبتک فقال واللّٰہ لیس عندی صاع تمر فقال یا عثمان اعط لذالک الرجل صاعا من تمر ففعل عثمان بن عفان کما امر رسول اللہ ﷺ فاعطی لذالک الرجل فقال له النبی ﷺ اعطنی ھذہ الصاع من التمر من فدیة صوم واحد ففعل وقبل النبی ثم اعطی له فقال اعطنی ثانیا ففعل وقبل النبی ففعل کک ستین مرة بالایجاب والقبول فقال علیه السلام قدفک رقبتک بھذ الحیلة الیٰ آخرہٖ۔ وایضاً جاء فی الدرر للامام الغزالی رحمہ اللہ قال الشارح السمرقندی حدثنا عباس بن سفیان انه قال عمر ایھا المؤمنون اجعلوا القرآن وسیلة لنجات الموتی فتحلقوا وقولوا اللھم اغفر لھذا المیت بجزء من القرآن وتناولوا بایدیکم فتناولنا بدوران جزء القرآن لحیلة الاسقاط۔

یعنی ”فتاویٰ املح میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ حاضر ہوا اور فرمانے لگا کہ میں خود بھی ہلاک ہوا اور دوسرے کو بھی ہلاک کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیسے؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنی بیوی سے ماہ رمضان میں دن کے وقت مجامعت کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں سوا اپنی گردن کے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یکے بعد دیگرے (یعنی متواتر) دو ماہ روزے رکھو۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں مجھے ایک روزے کی طاقت رکھنے کی اور میں نے تو بیوی سے جماع

کیا تو کیسے لگاتار روزے رکھوں؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ تو کہا صحابی رضی اللہ عنہ نے کہ مجھے کوئی طاقت نہیں میں خود مسکین ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو مجھے ایک صاع کھجوریں تا کہ میں تمہاری طرف سے غلام کو آزاد کر لوں۔ پس کہا صحابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم نہیں ہے میرے پاس کھجور کا صاع۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دیجئے اس آدمی کو ایک صاع کھجور سے پس عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ویسا کیا جیسا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ پس دے دیا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کو کھجوروں کا ایک صاع۔ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کو، دیجئے مجھے یہ صاع کھجور کا ایک روزے کے فدیہ کی نیت سے، پس اس صحابی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔ اور نبی ﷺ نے قبول فرمایا۔ اور پھر وہی صاع اس کو دیا پھر فرمایا آپ ﷺ نے، مجھے دوبارہ دیجئے، پس اس نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا اسی طرح یہ طریقہ ساٹھ مرتبہ ایجاب و قبول سے ہوتا رہا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک آپ کا غلام اس حیلہ سے آزاد ہوا۔"

(فائدہ: فتاویٰ املح کی اس روایت سے صاف طور پر دورہ اسقاط مع ایجاب و قبول ثابت ہوا۔)

اسی طرح الدرر تصنیف للامام غزالی رحمہ اللّٰہمیں بسند شارح سمرقندی مذکور ہے کہ حضرت عباس بن سفیان نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو بناؤ قرآن پاک کو وسیلہ نجات موتی کے لئے کہ حلقہ بناؤ اور کہو کہ اے اللہ بخش دیجئے اس میت کو وسیلہ اس قرآن حاضر کے اور لگاؤ اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے قرآن کے دوران سے برائے حیلہ اسقاط۔

(فائدہ: اس سے صاف ثابت ہوا کہ حیلہ اسقاط بذریعہ قرآن درست اور جائز ہے۔)

اذا مات الرجل و علیہ صلوٰت فائتۃ فاوصیٰ بان یعطی کفارۃ صلوٰۃ نصف صاع من بر و لصوم یومٍ نصف صاع من ثلث مالہ و ان لم یترک مالاً یستقرض ورثتہ نصف صاع و یرفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض و ارثہ ثم و ثم و ثم حتی یتم لکل صلوٰۃ انتہی و ھکذا او المنصوص علیہ فی المذہب ان یجمع الوارث عشر رجال لیس فیھم غنی و لا عبد و لا صبی و لا مجنون لقولہ تعالیٰ انّما الصدقات للفقراء و المساکین۔

یعنی "جب کہ وفات پانے لگے کوئی آدمی اور اس کے ذمے فوت شدہ نمازیں ہوں تو اس کو چاہیئے کہ وصیت کرے کفارہ دینے کے لئے نصف صاع گندم میں سے بعوض ہر نماز اور ہر ایک روزے کے لئے اپنے ثلث مال میں سے، اور اگر اس نے کوئی مال نہ چھوڑا تو اس کے ورثاء نصف صاع قرض لیں گے۔ اور ایک مسکین کو دیں گے۔ پھر یہی مسکین صدقہ کر دے اس کے

بعض ورثہ پر، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ تمام نمازوں کا فدیہ اور روزوں کا ادا ہو جائے۔ اور اسی طرح ظاہر مذہب میں ہے کہ میت کے ورثاء دس آدمیوں کو جمع کریں جس میں کوئی غنی نہ ہو اور نہ غلام اور نہ نابالغ اور نہ دیوانہ ہو۔"[1]

علمائے دیوبند کے شیخ القرآن والحدیث اور شاگرد خاص مولوی زکریا مولانا محمد اللہ جان نے اپنی کتاب البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر میں مزید وضاحت سے اس مسئلے پر لکھا ہے۔

حیلہ اسقاط کے بیان میں

اس مسئلے میں شیخِ منکر اور ان کے مقلدین نے بہت شور و شغب کیا ہے۔ اور شیخِ منکر نے اس بارے میں ایک رسالہ بنام **"النشاط من حیلۃ الاسقاط"** لکھا ہے۔ حالانکہ یہ رسالہ طعن و تشنیع اور گالی گلوچ سے بھرا پڑا ہے جس سے عقلمندوں کے کان خوش نہیں ہوتے۔ یہ اس قول کے قبیل سے ہے کہ (بر عکس نہند نام زنگی را کافور) یعنی حبشی کو کافور کہا جائے۔ اسی طرح اس رسالے کا نام رکھا گیا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں عاقلوں کے لئے غم و پریشانی پیدا کرتا ہے۔ جبکہ شیخِ منکر نے اس کا نام خوشی رکھا ہے۔ لہٰذا ہم بقدرِ ضرورت اس مسئلے کو ذکر کرتے ہیں تاکہ عاقل کو بصیرت حاصل ہو۔

سب سے پہلے ہم نام اور اس کی تشریح کا ذکر کریں گے اس کے بعد مسمی کا ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالی)

جاننا چاہئے کہ حیلۂ اسقاط مرکبِ اضافی ہے۔ (**حیلۃ الاسقاط**) حیلہ کی اضافت الاسقاط کی طرف ہے۔ مرکب کی تشریح اجزاء کی تشریح پر اس طرح موقوف ہے جس طرح مرکب کی معرفت اجزاء کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے۔

حیلہ: "مایتوصل بہ الی مقصود بطریق خفی مباح"۔

یعنی حیلہ وہ چیز ہے کہ مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچائے۔[2]

یہ تعریف کتاب الحیل میں مذکور ہے۔ شارح نے فرمایا ہے کہ حیل' حیلہ کی جمع ہے جسکے ذریعے مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچا جائے۔ اسقاط باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا مجرد سقط یسقط باب (ن) ہے۔ معنی یہ ہوا کہ مکلف کے ذمہ سے نماز و روزہ یا باقی عبادتوں کو ساقط کرنا۔

مرکب کا معنی یہ ہوا کہ ان امور کے اسقاط میں حیلہ یا ان امور کے اسقاط کیلئے حیلہ جب آپ نے جان لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے! کہ نفس حیلہ سے کوئی بھی عقل مند انکار نہیں کرتا اور خاص کر جب وہ عالم فاضل ہو۔ کیونکہ قرآن میں ذکر ہے 'سورۃ یوسف میں کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے پیالہ یا بادشاہ کا صاع (پیمانہ) اپنے کے سامان میں

---

[1] (شامی ج ۱ ص ۴۸۶، بحر الرائق ص ۹۱ جامع الرموز ص ۱۶۱، عالمگیری فتاوی حمادیہ مراقی الفلاح ص ۲۶۳، نور الایضاح ص ۴۴، طحطاوی ص ۳۴۱، والمنهاج الواضح ص ۴۶۴، وخلاصہ ص ۱۵۳، وجواهر النفیس ص ۳۰، ملحقات الیسر ص ۲۳)

[2] (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۲۸)

رکھوا دیا پھر اس کے بعد ان کو آواز دی گئی "یا ایتھا العیر انکم لسارقون۔" اس کے بعد ذکر ہے کہ (فرمان خداوندی) "کذالک کدنا لیوسف" یعنی اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے حیلہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حیلہ کا انکار نہیں فرمایا بلکہ امتنان واحسان کے مقام میں ذکر فرمایا اور اسے اپنی طرف نسبت فرمایا۔

اسی طرح ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب کفار نے آپ سے عید کے میلے میں جانے کے لیے کہا تو آپ نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں۔ اس سے آپ نے ان کے ساتھ نہ جانے کا حیلہ فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے انکار نہ فرمایا بلکہ ذکر فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو تعلیم دی کہ جب آپ نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ محترمہ کو سو ۱۰۰ کوڑے ماروں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (خذ بیدک ضغثا فاضرب بہ و لا تحنث) یعنی ہاتھ میں گھاس پھوس کا گٹھا لے کر جس میں ۱۰۰ تنکے ہوں اس سے زوجہ کو ماریں کیونکہ ہر تنکہ (تنکا) بدن کو لگ جائے گا تو آپ حانث نہیں ہونگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس حیلہ خواہ مخارج کے نام سے یا حیل کے نام سے ذکر کیا جائے' اس سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرنا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الحیل اور فقہاء نے بہت سے حیلے کتاب الشفعہ اور کتاب الطلاق میں ذکر فرمائے ہیں۔ تو مطلق حیلہ سے انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح روایت میں معاریض بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ اگر کوئی نماز کی حالت میں بے وضو ہو جائے یعنی وضو ٹوٹ جائے تو ہاتھ سے ناک کو پکڑے تا کہ لوگ یہ گمان کریں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے۔ اسے معاریض حیلہ سے گنا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مطلق حیلہ سے انکار کرنا کتاب وسنت اور اقوال فقھاء کے خلاف ہے۔ اور برابر ہے کہ اسے معاریض کہا جائے یا مخارج یا حیل۔ کیونکہ اعتبار معنٰی کا ہوتا ہے۔ (عبار اتنا شتیٰ و حسنک واحدو کل ذالک الی الجمال یشیر) یعنی ہماری عبارتیں مختلف ہیں مگر آپ کا حسن ایک ہی ہے اور ہر عبارت اسی حسن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ نفس حیلہ کا بیان تھا۔ اب رہا مسئلہ حیلۂ اسقاط کا جو متنازع فیھا ہے۔ کیونکہ مخالف اس کا انکار کرتا ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ حیلۂ اسقاط مال کی زیادتی کیلئے ہے کیونکہ جب مال کم اور فدیہ زیادہ ہو تو حیلۂ اسقاط ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔ اور نفس فدیہ سے تو کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کرتا چاہے نماز کا ہو یا روزہ کا۔ اور روزے کا فدیہ قرآن سے ثابت ہے۔ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ یعنی اگر روزہ کی طاقت نہ ہو تو ایک مسکین کو فدیہ دو۔ اور نماز کا فدیہ دلالۃ النص سے ثابت ہے اس لیے کہ نماز روزے سے افضل ہے۔ جس طرح کہ اصول فقہ کی کتب میں تصریح ہے۔ مثلاً نامی' مولوی شرح حسامی وغیرہ۔ کیونکہ دلالت وہ ہے کہ غیر منطوق' منطوق سے فوق (بلند) ہو۔ جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے کہ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ اس سے معلوم ہوا کہ مارنا' پیٹنا اور گالی گلوچ کرنا بدرجۂ اولیٰ منع ہے۔ اور یہ دلالت النص سے ہے۔ کیونکہ مارنے کا نقصان اُف سے زیادہ ہے۔ اور نماز کے فدیے میں روزے کے ساتھ برابری ہے یعنی نماز اور روزہ کا فدیہ مقدار میں برابر ہے اور وتر علیحدہ نماز

ہے اور یہ نماز چھٹی ہوئی۔ پس دن رات میں چھ نمازیں ہیں۔ جب چھ کو سال کے دنوں میں ضرب دیا جائے تو دو ہزار ایک سو ساٹھ (۲۱۶۰) ہو گئے۔ ایک فدیہ کی مقدار صدقۂ فطر کے برابر ہے۔ اور صدقۂ فطر کھجور، اور جَو کا ایک صاع اور گندم کا آدھا صاع ہے۔ جو اس زمانے کے محققین نے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح مولوی محمد شفیع دیوبندی نے اپنے رسالے "ارجح الاقاویل فی اصح الموازین و المکائیل" میں لکھا ہے کہ صاع دو سو اسی تولہ ہے۔ لہٰذا آدھا صاع ایک سو چالیس تولہ ہے۔ پس صاع ہمارے وزن کے مطابق یعنی جب ایک سیر اسّی تولے ہو گا تو صاع تین سیر اور آدھا یعنی ساڑھے تین سیر ہو گا اور اس کا نصف آدھا صاع ہو گا۔ تو جب ہم اس آدھے صاع کو سال بھر کی نمازوں میں ضرب دیں گے تو گندم کے حساب سے فدیہ ایک سال کا ۹۲ من اور ۲۴ سیر گندم ہو گا اور ایک مَن کی قیمت ۲۰ درہم ہو تو مجموعی قیمت ایک ہزار تین سو بَہتر روپے (۱۳۷۲) ہو گی۔ اس وجہ سے علماء نے حیلہ دَور کے طریقے سے بیان فرمایا ہے۔

نور الایضاح میں مذکور ہے کہ جس مال کی وصیت کی گئی ہے اگر وہ پورا نہ ہو تا ہو ان حقوق کی ادائیگی کے لئے جو میت کے ذمے ہوں تو پھر یہ کم مال فقیر کو دیں گے تو اس مال جتنا حق میت کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔ اس کے بعد فقیر یہ مال ولی کو ھبہ کر دے گا تو ولی مال کو قبضہ کر کے دوبارہ فقیر کو فدیہ دے دیں اور فقیر ولی کو ھبہ کرتا جائے گا یہاں تک کہ میت کے ذمے سے حقوق ساقط ہو جائیں۔

اور نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا جائز ہے۔ بخلاف قَسم کے کفارے کے کہ وہ ایک شخص کو نہیں دے سکتے بلکہ الگ الگ شخص کو دیا جائے گا۔[1]

اور نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں مذکور ہے کہ اگر وہ مال جس کی وصیت کی ہو یا ثلث مال یعنی مال کا ایک تہائی حصہ کافی نہ ہو تا ہو اور یا بالکل وصیت نہ کی ہو اور کوئی شخص میت کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہو لیکن مال اتنا کم ہے کہ میت کے حقوق کے لئے کافی نہ ہو تا ہو تو میت کو صوم و صلوٰۃ وغیرہ حقوق سے بَری کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کم مال جس کا حقوق کے ساتھ اندازہ کیا ہو گا کہ کتنے حقوق اس سے ساقط ہو جائیں گے وہ کسی فقیر کو دیں گے اسقاط کی نیت سے، تو اس مال کی مقدار کے برابر حقوق ساقط ہو جائیں گے پھر قبضہ کرنے کے بعد فقیر ولی کو واپس ہبہ کر دے یا کسی اور کو تو وہ قبضہ کر لے یہاں تک یہ طریقہ چلتا رہے گا جب تک کہ میت کے ذمہ سے سارے حقوق ساقط نہ ہو جائیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ولی کا فقیر کو فدیہ دینا اور فقیر کا ولی کو یا کسی اور اجنبی کو ھبہ کرنا دونوں طریقے جائز ہیں۔

---

[1] (نور الایضاح: صفحہ: ۱۰۱)

جامع الرموز میں ذکر ہے کہ ہر نماز کا فدیہ چاہے فرض ہو یا واجب مثلاً وتر (سنتوں کے علاوہ) روزے کے فدیے کے برابر ہے۔ اگر سنت قضاء یا فوت ہو جائے تو اس کا فدیہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی دینے کی ضرورت ہے۔ اور قیل سے قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں کا فدیہ ایک دن کے روزے کے برابر ہے مگر جب کہ عاجز اور فقیر ہو۔ مگر ظاہر مذہب اس کے خلاف ہے جیسے کہ خزانہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

محمد بن نے فرمایا ہے مگر فقیر و مالدار کی قید نہیں لگائی مگر عام مشائخ پہلے قول کے قائل ہیں کہ چاہے مالدار ہو یا فقیر ایک نماز کا فدیہ ایک روزے کے برابر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسے کہ کرمانی نے ذکر فرمایا ہے۔ بلخی کے قول کے مطابق نماز کا فدیہ ناجائز ہے قیاس کے ذریعے جس طرح کہ قاضی خان نے ذکر فرمایا ہے مگر استحسان یہ چاہتا ہے کہ نماز کا فدیہ بھی جائز ہے۔ اور روزے کا فدیہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ رہا نماز کا فدیہ تو وہ فصل کے عموم کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ (ان شاء اللہ)

اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادا کرنے میں نقصان (کمی) کرے خواہشات نفس یا شیطان کے دھوکے سے اور پھر آخری عمر میں نادم ہو کر فدیے کی وصیت کرے تو جائز نہیں ہے لیکن مستصفیٰ کے دیباچے سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اگر وصیت نہ کی اور وارث نیکی اور احسان کرے تو جائز ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یجزی ان شآء اللہ۔

یعنی ان شاء اللہ جائز ہے۔

زاھدی نے کہا ہے کہ قیل نے کہا ہے کہ روزے سے جائز نہیں اور تحقیق سے نماز سے جائز نہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ یہ امر مستحسن ہے اور ایصال ثواب ہے۔ اور فدیہ دفن کرنے سے پہلے دینا چاہیے اور بعد الدفن بھی جائز ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر میں سے ۱۲ سال کم کر دیئے جائیں اور اگر عورت ہو تو ۹ سال کم کر دیئے جائیں پھر باقی عمر کا فدیہ مسکین کو دیا جائے جبکہ مال پورا (کافی) ہو۔ اور ایک تہائی مال سے فدیہ پورا ہو سکتا ہو اگر ثلث مال سے پورا نہ ہو تو پھر جتنا بھی ہو وہ مسکین کو دیا جائے اور مسکین (فقیر) قبضہ کرنے کے بعد دوبارہ وارث کو دے دیں اس کے بعد پھر وہ فقیر کو دے گا یہاں تک کہ حقوق پورے ہو جائیں۔ اگر میت کسی بھی مال کا مالک نہ تھا تو وارث قرض لیکر مسکین کو دیتے وقت کہے گا کہ میں اتنی نمازوں کا اور روزوں کا فدیہ فلاں بن فلاں کی طرف سے تمھیں دے رہا ہوں۔ مسکین کہے گا کہ میں نے قبول کیا۔ اور اگر ایک فقیر کو مال پورا

دیا اور عددیا مقدار ذکر نہ کی مگر نصف صاع سے کم دیا تو جائز نہیں۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ جامع الرموز، ج ۱، صفحہ ۱۶۱ کی عبارت ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حیلہ جائز ہے چاہے میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر فدیہ پورا ادانہ ہوا ہو پھر بھی بے فائدہ نہیں بلکہ ثواب ملے گا اور یہ امر مستحسن ہے۔ قرض لینا مستحسن ہے تاکہ متوفیٰ سے اسقاط کیا جاسکے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فدیہ دفن کرنے سے پہلے دینا افضل ہے۔ منکرین کی ناک خاک آلود ہوگئی اس بات سے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے۔ حالانکہ اسقاط کے لیے دفن کرنے میں تاخیر حق' واجب اور ثابت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قرض کی وجہ سے میت کے جنازے میں تاخیر فرمائی تھی یہاں تک کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اس قرض کے ذمہ دار اور کفیل بن گئے۔ پھر اس کے بعد جنازہ پڑھایا گیا۔ تو کیا یہ تاخیر نہیں تھی۔ اور جب جنازہ میں تاخیر ہو جائے تو پھر دفن کرنے میں بھی تاخیر ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اسقاط کا مال ایک فقیر کو ہی دیا جائے تو بھی جائز ہے۔ لیکن فدیہ سے کم دینا جائز نہیں۔

شیخ ماہر نے انکار' طعن' بہتان اور گالی دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ طریقہ بدعتیوں نے ایجاد کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے آپس میں مال کھائیں اور یہ طریقہ انہوں نے ہندوستان کے برہمنوں سے سیکھا ہے۔ اسی طرح کے کئی غلط الفاظ لکھے ہیں اور افتراء پردازی کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب نفس حیلہ' نصوص' روایات اور فقہاء کرام کے حوالوں سے ثابت ہے اور اسی طرح حیلہ' اسقاط بھی علماء اور فقہاء سے ثابت ہے تو اسکی طرف بدعت کی نسبت کرنا درست نہیں کیونکہ بدعت کی تعریف آپ نے جان لی ہے۔

اسی طرح لوگوں سے مال جمع کرنا' محارم کے اموال اور ان کو تکلیف پہنچانا شیخ منکر کا طریقہ ہے کیونکہ ان کا ناظم فدیہ لیکر بیت المال میں جمع کرتا ہے۔ شیخ منکر کہتا ہے کہ اس کو طلباء (طالب علم) پر خرچ کرو۔ حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ فدیہ کس طرح جائز ہے کیونکہ نہ تملیک ہے اور نہ مسکین ہے۔ کیونکہ ناظم اور شیخ دونوں غنی ہیں اور بیت المال میں کوئی دوسرا مسکین نہیں کہ وہ قبضہ کرے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ اسے طالب علم قبضہ کرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ قابض مالک ہوا پس مثل سوء صادق ہوا (استعارہ لمستعیر) کہ اپنے فقیر کیلئے طعام (کھانا) مانگتا ہے)۔ کیونکہ یہ خود اسی سے کھاتا ہے۔ ان کے قول کے سچا ہونے کی تقدیر پر جب تک طلباء ترجمہ کیلئے نہیں آتے اس وقت تک کھاتا رہتا ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ ہم طلباء کے نفع کیلئے کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اب خود تم نے حیلے کا اقرار کیا حالانکہ اس سے پہلے تم حیلے کا انکار کرتے تھے اور تم لوگوں نے فدیہ ضائع کر دیا۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ اس میں طلباء کیلئے فائدہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حیلہ اسقاط میں مسلمان میت کا فائدہ ہے اور اگر تمھارا کلام صادق ہے تو زندہ مسلمان کا بھی فائدہ ہے۔ حالانکہ میت کو فائدے کی ضرورت وحاجت ہے جیسے کہ صحابی کا دوسرے میت

صحابی کا کفیل بننے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمایا تھا کیونکہ میت پر قرض تھا۔ اگر تم نہیں سمجھتے تو یہ مصیبت ہے اور اگر سمجھتے ہو تو پھر بڑی مصیبت ہے کہ جانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہو۔

رہامیت کی طرف سے کفالہ (کفیل) ہونا تو اس کا حکم فقہ میں مذکور ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ اور جو یہاں مذکور ہوا ہے تو وہ کفالہ نہیں ہے بلکہ میت کی طرف سے قرض دینے کا وعدہ ہے۔ مگر اس سے حقوق ادا کرنے کا اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز جنازہ سے منع فرمایا تھا۔

اگر کوئی یہ گمان کرے کہ یہ تو مدارس کے عام طریقہ سے انکار کرنا ہے

جواب یہ ہے کہ ہم اس طریقے سے انکار نہیں کرتے بلکہ یہ شیخ منکر پر الزام ہے کہ وہ حیلہ سے انکار کرتا ہے اور ہم حیلے کے جواز کے قائل ہیں تاکہ زندہ اور مردہ دونوں کو فائدہ پہنچے۔ (لہذا آپ خود سوچیں) اور شیخ منکر اسی طرح اپنے مریدوں سے جو اس کے علاقے کے ہیں۔ زکوٰۃ لیکر بیت المال میں داخل کرتا ہے۔ اور یہ بہتر ہے کہ اس کا نام بیت المال کی بجائے (بیت ضیاع الفدایا) یعنی لوگوں کے فدیے ضائع ہونے کی جگہ رکھ دیا جائے۔ اور یہ مثل مشہور ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکہ تو نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ میں شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ لہذا آپ کو تعصب اور تعسف سے اجتناب کرنا چاہیے۔

شیخ منکر نے کہا ہے کہ علماء نے کھانے کیلئے کیسا طریقہ ایجاد کیا ہے

جواب یہ ہے کہ ہم نے کئی بار دیکھا ہے کہ جب وارثوں میں چھوٹا نابالغ بچہ ہوتا ہے اور میت نے وصیت نہ کی ہو تو لوگ دور کرکے مال وارثوں کو واپس کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح بھی ہوا ہے کہ دور کیلئے مال قرض لیکر واپس کر دیا جاتا ہے لیکن جب وصیت کی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں اگرچہ وارث صغیر ہو یعنی چھوٹا ہو۔ اس کے علاوہ فقہاء اور علماء نے یہ طریقہ کس سے سیکھا ہے تم کہتے ہو کہ یہ ہندوؤں سے سیکھا ہے۔ یہ بہت بری بات ہے۔ (یہ تمھاری شان کے مناسب ہے کیونکہ تم شیخ ہو) اور اگر ورثاء میں نابالغ بھی ہو لیکن اگر بالغ سارا بوجھ خود برداشت کرلے تو اس میں کیا حرج ہے اور کیا ظلم ہے۔ بلکہ ظلم یہ ہے کہ کوئی اپنے بھائی کا مال دھوکہ سے ہزاروں روپے لے لیے۔

شیخ منکر نے یہ طریقہ کس سے سیکھا اس کا پیشوا اور مقتداء کون ہے۔ بے شک اس کا پیشوا اور مقتداء محمد بن عبد الوھاب نجدی ہے۔ اور وہ خارجیوں میں سے ہے۔ اور خارجی اس شخص کا مال لینا جائز مانتا ہے جو اس کے عقیدے کے خلاف ہو جیسے کہ یہ بات عقائد علماء دیوبند اور شامی کے حوالے سے تفصیل سے گزری ہے۔

شیخ منکر نے حیلۂ اسقاط کو یہودیوں کے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے کے حیلے پر قیاس کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعسف اور غلط بات ہے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو اپنے ھبہ کئے ہوئے مال کو واپس لیتا ہے تو اس طرح ہے جیسا کہ اپنی قے کو چاٹتا ہے اس لیے یہ لوگ حیلہ اسقاط کو قئ الکلب کہتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ منکر حدیث اور فقہ سے کئی وجوہات کی بناء پر لا علم ہے۔

(۱) اول یہ ہے کہ اس طریقے میں ہبہ کرنے والے سے مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اپنی مرضی سے میت کی نفع رسانی کیلئے واپس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ اس میں ھبہ کرنے والے کو دوبارہ ھبہ نہیں کیا جاتا بلکہ دوسرے شخص کو دیا جاتا ہے اوراس میں شک نہیں کہ آخر میں موھوبہ (ھبہ کی ہوئی چیز) واھب ھبہ کرنے والے کو لوٹ کر آتا ہے۔ مگر مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

(۲) دوئم یہ ہے کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مانع نہ ہو تو ھبہ میں رجوع کرنا درست ہے سلب کلی کے طریقے سے۔ جس طرح کہ فقہ میں موانع (روکنے والی چیزیں) مذکور ہیں۔ جو (حروف " دمع خزقہ) ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے اس مسئلے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(۳) سوئم یہ ہے کہ حدیث میں ہے "الواھب احق بھبۃ مالم یثب" یعنی جب تک ھبہ کا بدلہ نہ دیا گیا ہو تو ھبہ کرنے والا اپنے ھبہ کا زیادہ حقدار ہے۔ معلوم ہوا کہ جب تک واھب نے بدلہ نہ لیا ہو تو ھبہ واپس لینا جائز ہے۔

(۴) چہارم یہ ہے کہ کتے کے فعل کو حرام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کتا مکلف نہیں اگرچہ کراھت طبعی ہے مگر حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(۵) پنجم یہ ہے کہ ھبہ اول ایجاب و قبول کے ساتھ مکمل ہوا۔ دوسرا اور تیرا ھبہ الگ الگ ہے جو الگ الگ ایجاب و قبول کے ساتھ ہے۔ ہاں اس بات کو مانتا ہوں کہ اپنے بھائی کا مال دھوکہ سے کھانا خنزیر کا گوشت کھانا ہے۔ ہم قارئین کی خوش طبعی کیلئے ایک لطیفہ ذکر کرتے ہیں۔

لطیفہ: ایک شخص نے زنا کیا جس سے حمل ٹھہر گیا اور وہ ظاہر بھی ہو گیا۔ جس سے زانی بہت شرمندہ ہوا کسی نے اس سے احسان و مہربانی کرتے ہوئے کہا کہ تم نے عزل کیوں نہ کیا تا کہ شرمندگی سے بچ جاتے تو اس نے جواب دیا کہ عزل مکروہ ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ تو اس احمق و بے وقوف کی طرف دیکھئے کہ زنا سے نہیں بچتا جو قطعی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور عزل سے بچتا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ جامع الرموز اور قھستانی کا قول ضیعف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو دوسرے فقہاء نے بھی ذکر کیا ہے اور اس میں اصول دین کے خلاف کوئی چیز نہیں۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ لوگ حقیر رقم کیلئے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے فقیر (غریب) کے جنازے میں کوئی حاضر نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں پر بدگمانی ہے اور یہ گناہ ہے اور اس شیخ منکر کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ لوگ پیسوں کیلئے آتے ہیں۔ کیا اس پر کوئی دلیل ہے یا یہ رجم بالغیب ہے۔ یا یہ اپنے اوپر قیاس کرنا ہے۔ کیونکہ ہمارے علاقے میں تو لوگ مالداروں کے مقابلے میں غریبوں فقیروں کی خدمت بڑے خلوص سے کرتے ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ شیخ منکر کے علاقے میں وہی کام ہوا ہو جو اس نے بیان کیا ہے۔

ع: جس سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کیلئے راستے بھی الگ الگ ہیں۔ حکم خاص لوگوں پر جاری نہیں ہوتا کیونکہ جب حکم عام اور طریقہ نہ ہو تو افراد کی خصوصیات معتبر نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حکم وھمی ہے اور اس طرح کا وھم باقی احکام میں بھی جاری ہوسکتا ہے۔ مثلاً جہاد میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاد میں لوگ اس لیے جاتے ہیں کہ مال غنیمت حاصل ہوسکے نہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے۔ لہٰذا جہاد جہاد نہ رہا۔ اسی طرح مدارس وغیرہ بھی۔ مگر ہم کسی پر بدگمانی نہیں کرتے۔

حدیث شریف میں ہے "ھلا شققت قلبه" تم نے اس کا دل کیوں نہ چھیڑا۔ مگر شرع ظاہر کو دیکھتی ہے اس لیے ہم ظاہر پر عمل کرتے ہیں نہ کہ باطن پر کیونکہ باطن سے ہمارا کوئی سروکار نہیں اسے ہم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جو قادر و قاھر ہے۔

اگر شیخ منکر یہ کہتا ہے کہ یہودیوں نے حیلہ کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کا حیلہ حرام کو حلال کرنے کیلئے تھا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے اگر حیلے جائز ہو جائیں تو شرائع فاسد ہو جائیں گے اور نظام خراب ہو جائیگا۔ حلال حرام اور حرام حلال ہو جائیگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے مطلق حیلہ بند کرنا مقصود ہو تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ صاحب در مختار نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے تین طلاق کو گھر میں جانے سے معلق (مشروط) کیا تو ایک طلاق دے دے' عدت گذرنے کے بعد بیوی گھر میں داخل ہو جائے تو قسم سے تبری (آزاد) ہو جائے گا اور دوبارہ نکاح کرلے (صفحہ ۱۳۰) قاضی خان نے لکھا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تک تم میرے پاس ہو اور میں نے تم سے جماع کیا تو تجھے تین طلاق۔ اس کے بعد اس نے حیلے کا ارادہ کیا تو امام محمد رحمۃ

اللہ علیہ نے اسے طریقہ سکھایا یعنی حیلہ بتایا کہ طلاق بائن دے اور فوراً نکاح کر کے جماع کر لے تو حانث نہیں ہو گا یعنی قسم نہیں ٹوٹے گی۔[1]

اسی طرح بہت سے حیلے کتاب الطلاق میں مذکور ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان امور میں اعتبار نیتوں کا ہے اور مسلمان پر حسن ظن اور اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ ہم کہیں گے کہ مسلمان کی نیت اچھی ہو گی مگر بدگمانی اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ در مختار میں ہے کہ وہ نذر جو لوگ میت کیلئے کرتے ہیں اور دراھم (یعنی روپے)، شمع یا تیل وغیرہ اولیاء کے مزارات پر لے جاتے ہیں ان کا تقرب حاصل کرنے کیلئے تو یہ اجماعاً باطل و حرام ہے جب تک فقیروں میں صرف (تقسیم) کرنے کی نیت نہ کی جائے۔ بہت سے لوگ اس میں گرفتار ہیں۔[2]

لہذا آپ شارح کی قید مالم یقصد کی طرف نظر فرمائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیت کا اعتبار ہے اس لیے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور اگر فقیر کو دینے کی نیت ہو تو پھر حرام نہ ہو گا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے حیلہ اسقاط کی قباحت کے عنوان میں آئمہ کے اقوال میں سے علماء دیوبند کے اقوال ذکر کئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عنوان اور معنوں میں اختلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس نے سوال ذکر نہ کیا کہ کونسا حیلہ مراد ہے۔ کیونکہ حیلہ اسقاط تو شامی، نور الایضاح میں مذکور ہے اور یہ دونوں کتابیں علماء دیوبند کا معمول ہیں تو وہ کس طرح عدم جواز کا حکم کریں گے۔

شیخ منکر یہ کہے کہ شارع علیہ السلام نے حیلہ کا حکم نہیں فرمایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ منع بھی نہیں فرمایا تو حرمت کیسے ثابت ہو گی کیونکہ شرعی حکم کے لیے شرعی دلیل چاہیے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷) یعنی جس کا حکم رسول فرمائیں وہ کرو اور جس سے منع فرمائیں تو منع ہو جاؤ۔ شیخ منکر نے لکھا ہے کہ اس میں مالا یلزم کا الزام ہے۔ اور یہ بدعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب استحباب ثابت ہو تو پھر دوام میں کون سے نقصانات ہیں۔ جیسا کہ شیخ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ الملک کی تفسیر میں فرمایا کہ میں نے کبھی بھی سورہ ملک کو رات میں پڑھنا نہیں چھوڑا حالانکہ اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے علاوہ جواب یہ ہے کہ التزام کسی شئے کا لازم جاننا ہے اور یہ اعتقادی بات ہے کیونکہ بہترین عمل وہ ہے کہ جس میں دوام ہو جس طرح کہ حدیث میں ذکر ہے۔ یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جب میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت ضرور پڑھتا ہوں حالانکہ یہ سب مستحبات ہیں۔ مگر پھر بھی ان کا اہتمام کیا گیا ہے۔

---

[1] (قاضی خان ۲ صفحہ ۲۲۳)

[2] (درمختار ج ۱ صفحہ ۱۵۳)

شیخ منکر نے لکھاہے کہ قیاس فی الدین سے نہیں آئی ہے۔اسکاجواب یہ ہے کہ اگر مطلق قیاس سے نہی مراد ہے تو یہ باطل ہے۔کیونکہ اس میں اعتبار کو روکناہے جو اس آیت کریمہ میں مامور بہ ہے۔فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر ۲) یعنی اے عقل والوں اعتبار کرو یعنی عبرت حاصل کرو۔یاحضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ اے اہل رائے تمہارا کیا خیال ہے۔اور اگر قیاس سے مراد وہ ہے جو نص کے مقابلے میں ہو تو وہ یہاں مراد نہیں ہے اور مدعی کو چاہیے کہ بیان کرے۔

شیخ منکر نے لکھاہے کہ دعابعد السنن بدعت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ پہلے گذر چکاہے۔اور مردان کے مضافات کے ہوسئی نامی گاؤں میں بحث کے دوران شیخ منکر احناف کی کتب میں سے ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکے صرف اس کی طرف سے انکار ہی انکار تھا کہ میں نور الایضاح نہیں مانتاہدایہ نہیں مانتافلاں نہیں مانتا۔

شیخ منکر کے استاذ علامہ غور شتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دعابعد السنن کے جواز میں فتویٰ دیا تھا کہ میرے اور میرے مشائخ کے نزدیک بعد السنن جائز ہے۔جو آجکل معمول ہے اور بعد الفرض سے مراد بعد السنن ہے کیونکہ سنن فرائض کے مکملات ہیں۔مگر شیخ منکر پر تعجب ہے کہ اپنے استاذ کا فتویٰ نہیں مانتا۔اسی طرح باقی استاتذہ بھی دعا کے مستحب ہونے کے قائل تھے مثلاً شاہ منصور بابار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شیخ منکر کے استاذ بھی ہیں مگر اس نے اس مسئلے میں اپنے استاذ کی سخت مخالفت کی ہے ۔لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی اسے کہے کہ تم اپنے استاذ سے کیوں اختلاف کرتے تو کہتاہے کہ نہ وہ میرا استاذ ہے اور نہ میں اس کا شاگرد ہوں۔حالانکہ منکر کے ہم عمر موجود ہیں جو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ان کے شاگرد ہیں۔لہٰذا شیخ منکر کا انکار مردود ہے۔اس کے علاوہ شیخ منکر ان کی شاگردی کے انکار میں ماتم من جہتہ کا نقص کر رہاہے۔حالانکہ ماتم من جہتہ کا نقص کرنے والے کی کوشش مردود ہے۔جیسا کہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قاضی شریح صاحب نے فرمایاہے کہ تمہارے خلاف تمہاری خالہ کی بہنیں کے بیٹے نے گواہی دی ہے۔

شیخ منکر نے شاطبی کے حوالے سے جو ذکر کیاہے۔اس کا جواب یہ ہے یہ ہمارے مذہب کی کتاب نہیں اور ہم پر حجت نہیں جس طرح کہ علم الاصول میں ذکر ہے۔تعجب تو اس بات پر ہے کہ سماع موتیٰ کے مسئلے میں شیخ منکر اپنے گمان کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔حالانکہ سماع موتیٰ کے اثبات میں کئی احادیث وارد ہیں۔اب خود اندازہ لگائیں کہ شیخ منکر سماع موتیٰ کے مسئلے میں مذہب احناف پر کتنے سخت عمل پیرا ہیں۔اور یہاں اپنے مذہب سے انحراف کرتے ہیں جب کہ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں مگر عمل دوسرے مذہب پر کرتے ہیں۔مثلاً شاطبی کے اعتصام' مدخل وغیرہ اور اپنے مذہب کی کتابوں کا لحاظ نہیں رکھتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ نہیں مانتاوہ نہیں مانتاوغیرہ۔لہٰذا اپنے شخص کے قول کا اعتبار نہیں بلکہ یہ تلفیق کے قریب ہے اور تلفیق باجماع فقہاء حرام ہے۔

(۱)یعنی تمہاری خالہ کی بہن تمہاری ماں ہے اوراس کے بیٹے تم خود ہو اور تم نے اقرار کر کے انکار کیا ہے تو قاضی صاحب کا مطلب یہ تھا اب اقرار کے بعد انکار قابل قبول نہیں،۱۲(حافظ کفایت اللہ)

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ لوگ مجھ پر جھوٹ اور افتراء کا الزام لگاتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ پر کوئی جھوٹا الزام نہیں لگایا بلکہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ تمہاری زبان یا تحریر سے ثابت ہے مثلاً اپنی ماں کو مار مار کر گھر سے بھگانا یہ تم نے خود (شیخ جانا)نامی گاؤں (مردان) میں کہا ہے جب کہ تم تقریر کر رہے تھے اور کہا ہے کہ میں سنت کی اتنی اتباع کرتا ہوں کہ اپنی ماں کو مار مار کر گھر سے نکال دیتا ہوں (نعوذ باللہ من ذٰلک) رہا یہ مسئلہ کہ محارم سے مال لینا تو ظاہر ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔اور فدیہ کا ضائع کرنا تو وہ تمہارے گاؤں کے لوگوں کو معلوم ہے۔اور توسل و کرامات کا انکار کرنا تمہاری کتاب البصائر سے معلوم ہو رہا ہے۔اور تم نے فقہ کا رد بار بار کیا ہے کہ میں لوگوں کو حدیث بیان کرتا ہوں اور یہ لوگ مجھے فقہاء کے اقوال دیکھاتے اور بیان کرتے ہیں۔یہ تمام باتیں تم نے تقریر و تحریر میں بیان کی ہیں تو یہ کس کی افتراء پردازی ہے۔بلکہ ان باتوں کی طرف نسبت کرنا افتراء ہے تو تمہاری بات تم پر ہی حجت ہوئی نہ کہ ہم پر۔شیخ منکر کی شخصیت ہی عجیب ہے کیونکہ اس نے اپنے رسالے "النشاط فی حیلۃ الاسقاط" میں فصحاء اور بلغاء عرب کے ناک کاٹ دیئے ہیں کیونکہ عربی لے لحاظ سے غلط عبارتیں لکھی ہیں۔یا تو یہ شیخ منکر کی غلطی ہے یا کاتب کی یا پھر دونوں کی۔لیکن پہلی بات ظاہر ہے کہ شیخ منکر کی غلطی ہے مگر میں نے اس طرح اس وجہ سے تعارض نہیں کیا کہ کلام طویل ہو جائے گا۔اور اپنے موضوع سے الگ ہونے کا خدشہ ہو گا۔شیخ منکر نے بعض حضرات کی تقریظ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہٰذہ تحقیق انیق۔لہٰذا آپ خود اس عبارت کی طرف نظر فرمایئے کہ مبتداء مؤنث ہے اور خبر مذکر جس سے مبتداء و خبر کی مطابقت نہ ہوئی۔اور قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر یا اسم اشارہ جب مرجع، مشار الیہ اور خبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولیٰ ہے۔تو ہٰذا تحقیق کہنا چاہیے تھا یعنی اسم اشارہ کو مذکر ذکر کرتا۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ ایک جملہ صحیح نہیں کر سکتا اور اعتراضات کرتا ہے علماء کرام پر اور ان کی شان میں بے ادبی کرتا رہتا ہے۔اور کافیہ، نحو میر کے قواعد سے بے خبر ہے اور اپنے علم پر فخر کرتا ہے جس طرح کہ شعر میں ہے کہ: جب اس کی طرف سے فخر کی باتیں آئیں تو میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے علقمہ فاخر کے فخر سے۔یعنی میں نے تعجب کیا۔

(۱) مولانا حمد اللہ صاحب نے بہت افسوس کا اظہار کیا کہ شیخ منکر کافیہ کے قواعد کا خیال نہیں رکھتے تو یہ افسوس بے جا ہے کیونکہ شیخ منکر اور اسکی ذریت علم نحو کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ بدعت سے بچا جاتا ہے۔

اور شعبہ کی روایات میں ہے کہ:

"مثل المحدث المفسر الذی لایعرف النحو کمثل الحمار علی رأسہ مخلاۃ لیس فیھا شعیر"۔

یعنی بیہقی شعب الایمان میں مذکور ہے کہ وہ محدث یا مفسر جو علوم عربی سے عاری اور خالی ہو اس گدھے کی طرح ہے جس کے سر کی طرف کنالی رکھی ہو اور اس میں جو نہ ہوں۔یعنی لوگ اس میں علم کا یقین رکھتے ہیں حالانکہ اس میں علم نہیں ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں کتاب کا رد کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں۔ ہم آپ اس مقرظ (تقریظ لکھنے والے) کی شان میں ایک عجیب واقعہ سناتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ ضعیف کے پاس پچھلے سال ایک طالب علم فنون پڑھتا تھا پھر وہ چارسدہ گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے کہا کہ میں اس مقرظ کے درس میں بیٹھا ہوا تھا جو اس آیتِ کریمہ "ولا یؤدہ حفظھما" کا ترجمہ کر رہا تھا یعنی اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی حفاظت کی ڈیوٹی کسی اور کو نہیں سونپتا تو میں نے کہا کہ مولانا صاحب حفظھما تو یؤدہ کا فاعل ہے اور آپ نے مفعول بہ کا معنیٰ کیا۔ تو مولانا صاحب نے کہا کہ تم کیسے سمجھے کہ یہ فاعل ہے اور مفعول نہیں تو میں نے کہا کہ یہ مرفوع ہے کیونکہ اس کی طرف فعل کی اسناد قیام کے طریقے سے ہوئی ہے اور یہ فاعل کا حال (صفت) ہے تو اس نے کہا کہ فاعل تب مرفوع ہوتا ہے جب مضاف نہ ہو اور تم اس طرح کی مثال بتاؤ کہ فاعل مضاف ہو اور مرفوع ہو تو میں نے قرآن شریف سے مثالیں بیان کیں۔ اس کے بعد مولانا نے کہا کہ تم ترجمہ کس طرح کرتے ہو اس آیتِ کریمہ کا تو میں نے کہا کہ "لا یثقلہ حفظھما" یعنی اللہ تعالیٰ پر ان دونوں کی حفاظت میں بوجھ نہیں اور نہ تکلیف دہ ہے۔ اس سے طلباء میں انتشار پیدا ہو گیا بعض میری طرف ہو گئے اور بعض اس کی طرف۔ پس تعجب ہے اس دور کے مشائخ پر جو ان مدارس کے علماء و مہتمم ہیں کہ ہر کسی کو سند دے دیتے ہیں لیکن مسلم کے دیباچے میں مذکور اس کی شرائط کی طرف نہیں دیکھتے کہ آیا یہ حقدار ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ تو ان طلباء کو بھی سند دیتے ہیں جو مرفوع، منصوب، مجرور، فاعل اور مفعول کو نہیں جانتے اور نہ کمزور اور طاقتور پہچانتے ہیں اور نہ ہی دایاں اور بایاں جانتے ہیں ایسے واقعات اس زمانے میں بہت ہیں۔

صفحہ: ۴۰: پر استفتاء اور فتویٰ نقل کیا ہے:

سوال: مرنے کے بعد جو طریقۂ اسقاط عوام کرتے ہیں کہ فرائض وواجبات تجویز کر کے اس کے فدیہ میں جَو گندم وغیرہ ہوں ان کے عوض ایک قرآنِ مجید دے کر سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقہ مروجہ ثابت اور جائز ہے یا نہیں۔ از عبدالعزیز مرادآبادی۔

جواب: حیلہ اسقاط مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ چند روپے کی خاطر ملاؤں کا مقرر شدہ ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے خوب واقف ہے۔ ہاں حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحتِ ورثہ کے۔ کیا عجب ہے کہ مفید ہو۔ ورنہ لغو اور دینا ودینہ۔ فقط واللہ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی۔

شیخِ منکر نے اس کو اس حیلہ پر اعتراض کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ سوال میں جو فرائض وواجبات مقرر کئے گئے ہیں اور اس کے لئے گندم وغیرہ معین کر کے اس کے عوض کلام اللہ دے کر اپنا ذمہ فارغ کر لیتے ہیں۔ آپ خود نظر انصاف سے دیکھیں کہ ہمارے علاقوں میں حیلہٗ اسقاط جو رائج ہے تو کیا اس کا طریقہ ایسا ہے جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے؟ بالکل نہیں بلکہ یہاں تو حسبِ طاقت مال ہوتا ہے جس کو زیادہ کرنے کے لئے گھمایا جاتا ہے تاکہ میت کو نفع زیادہ حاصل ہو اور اس کی تصریح فقہائے کرام نے فرمائی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ لہٰذا امداد آباد کے حیلے کے بطلان سے ہمارے علاقے کے حیلے کا بطلان کیسے لازم آئے گا۔ یہ قیاس غلط اور فاسد ہے۔

گنگوہی صاحب نے سوال کا مناسب جواب دیا کیونکہ مُفتی سوال کے مطابق جواب دیگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ گنگوھی کے جواب سے جواز معلوم ہو رہا ہے کہ یہ علماء نے مفلس کیلئے مقرر کیا ہے۔ یہ لکھا ہے کہ بعید نہیں کہ اگر نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ اور حیلے کا جواز مفلس کیلئے مال کی کمی اور فدیہ کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔ اور یہی ہمارا مدّعیٰ ہے۔ لہذا جب علماء نے وضع کیا اور قبولیت کی اُمید منجانب اللہ ہے۔ اور فقہاء کرام مثلاً جامع الرموز نے جائز کہا ہے۔ اس کے باوجود کہ اگر فدیہ سے جائز نہ ہو پھر بھی امر مستحسن ہے۔ اور میت کے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ ایصال ثواب میں شک نہیں۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ میلاد منانا گاندھی کی تقلید ہے

جواب یہ ہے کہ اس شیخ پر تعجب ہے کہ میلاد میں حضور علیہ السلام کی سیرت واوصاف کا تذکرہ ہوتا ہے اور جب یہ روایات صحیحہ کے ذریعے ہو تو اس کے لیے شرافت ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے حالات، معجزات، ریاضات اور معاملات کا بیان کرنا آپ علیہ السلام سے محبت کی دلیل ہے۔ اور محبت واتباع کا سبب بھی ہے۔

آیت کریمہ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران ۳۱)

سلف صالحین آپس میں اس کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ رہی تخصیص کی بات کہ جس طرح شیخ منکر ترجمۃ القرآن کے لئے کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس بات کی تخصیص ہوئی ہے کہ عورتیں خاص وقت میں خاص مکان میں حضور علیہ السلام کا بیان سننے کیلئے جمع ہوتیں تھیں۔ اور جہاں تک منکرات کی بات ہے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ منکرات کی وجہ سے معروف کو نہیں چھوڑا جاتا۔

اسی طرح خلیل احمد سہارنپوری نے عقائد علمائے دیوبند میں لکھا ہے کہ مسئلہ میلاد کے بارے میں (ص ۳۱) بعنوان عقیدہ در بارہ میلاد شریف اور ذکر کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے دراز گوش (گدھا) کے بول (پیشاب) اور حضور علیہ السلام کے بول

وبراز کا تذکرہ کرنا ہمارے نزدیک اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ اور اس کتاب میں اس مسئلے کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ عوام کو منکرات سے منع کرنا چاہیئے۔

مولانا عبد الحیٔ صاحب نے فتاویٰ میں میلاد شریف کا جواز لکھا ہے اور شیخ دھلوی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میلاد شریف کا ذکر علاقے میں اس سال امن وامان، خوشی کی بشارت کہ اپنے مقصود کو پالے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ)

اس صفحہ پر قیام کا مسئلہ بھی مذکور ہے یعنی جو صاحب وجد شخص اپنے وجد میں صادق ہو اور قیام کرتا ہو مگر بناوٹ اور ریا کاری نہ کرتا ہو تو یہ معذور ہے محبت کے آداب میں سے یہ ہے کہ تمام حاضرین قیام کریں۔ آخر میں لکھا ہے کہ حرمین شریفین کے علماء کرام بھی قیام کرتے ہیں۔ اس کے بعد امام برزنجی کا قول نقل کیا ہے میلاد کے رسالے میں کہ اصحاب روایت آئمہ کے نزدیک مولد شریف کے ذکر کے وقت قیام کرنا مستحسن ہے۔ پس اس شخص کیلئے خوش حالی اور خوش خبری ہے جس کا مقصد حضور علیہ السلام کی تعظیم ہو۔[1]

مولانا مذکور نے ۲ صفحہ ۱۵۰ میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "النعمۃ الکبرٰی علی العالم بمولد سید ولد آدم" کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے کہ میلاد یہ ہے کہ آیت یا حدیث ہو اور اس کی شرح میں اور تفصیل میں حضور علیہ السلام کے فضائل وخصائل، خوارق و معجزات وارھاصات کا ذکر ہو۔

اسی طرح اسی کتاب میں ہے کہ علم کے نشر کے افراد میں سے ایک فرد میلاد بھی ہے اور ہر علم کے نشر کا ہر فرد مندوب ہے۔ لہٰذا میلاد مندوب ہے۔[2]

آخر میں لکھا ہے کہ ایک فرقہ قلیلہ (تھوڑی تعداد والا) میلاد کا انکار کرتا ہے۔ جنکا امام تاج الدین فاکہانی مالکی ہے مگر ان کے پاس مقابلے کی طاقت نہیں۔ اور جہاں تک مسئلہ میلاد کے ساتھ خراب امور کا ملانا ہے تو وہ الگ بات ہے اصل مقصد کو ضرر نہیں دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ گاندھی کی تقلید نہیں بلکہ محقق علماء ذی وقار کی تقلید ہے۔ پس آپ خود انھیں دیکھیں کہ علماء کرام کی بے ادبی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے تاکہ علم کے دقائق و معارف انکے دل میں سما جائیں اور بے ادبی سے بچ جائیں۔

---

[1](مجموعہ فتاوٰی صفحہ ۲۹۷ ج ۲)

[2](مجموعہ فتاوٰی ۲ صفحہ ۱۵۱)

مومن کو تکلیف دینا اور علماء پر بہتان باندھنا عظیم جرم ہے

آیت مبارکہ ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (الاحزاب ۵۸)

یعنی جو لوگ مومن مرد و عورت کو تکلیف دیں تو انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے اوپر ڈال لیا۔

اس وجہ سے یہ لوگ اپنے گاؤں میں میلاد شریف کو اپنے ہاں منع کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ منصف عاقل کیلئے حیلہ کے مسئلے میں اس قدر کافی ہے۔

چند باتیں جو اس سے متعلق ہیں اب ذکر کی جائیں گی۔

نمبر ۱: قرآن شریف کا اسقاط میں گھمانا۔ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہ قرآن شریف کا رکھنا یہ توسل کیلئے ہے جبکہ فرقہ نجدیہ توسل کا منکر ہے۔ عمل کے بغیر دوسری چیز سے توسل کو نہیں مانتے قرآن کو وسیلہ بنانا جیسا کہ روایت میں آیا ہے "اللھم ارحمنا بالقرآن العظیم" شاید یہ حیلہ قرآن کی برکت و وسیلے سے قبول ہو۔

فتاوٰی سمرقندی میں ہے دوران قرآن کے اجزاء کے بارے میں۔

اسی طرح واقدی نے فتوح الشام میں لکھا ہے:

"اخبرہ ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شہاب عن ابی سلمۃ عن ابی موسیٰ قال فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أی دوران الاجزاء للقرآن"۔

(۱) مولانا صاحب نے ان کے لیے دعا کی ہے مگر یہ دعا ان حق میں قبول نہ ہوئی کیونکہ شیخ منکر اپنے غلط عقیدے سمیت دار فانی سے دار باقی چلے گئے ہیں اب ان کے مریدیں اپنے غلط عقیدے پر بہت سخت ہیں اور اب اھل سنت کے قتل کو بھی جائز مانتے ہیں بلکہ قتل بھی کیا ہے۔ تعوذ باللہ۔ (حافظ کفایت اللہ)

شیخ منکر نے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ صاحب مفتاح السعادۃ نے فقہیہ ابو اللیث سمرمندی کا فتاوٰی ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا سمرقندی کے فتاوی کا ذکر نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ قرآن کے اجزاء کا دور صحیح نہیں کیونکہ عدم ذکر' عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ذکر وجود پر دلالت کرے گا جیسے کہ یہ وجوہ فاسدہ سے ظاہر ہے۔ بے شک اگر کوئی معتمد کتاب یہ تصریح کرتی کہ سمرقندی کا فتاوی نہیں اور اسکی طرف فتاوی کی نسبت صحیح نہیں تو پھر ٹھیک ہوتا۔ حالانکہ معتمد کتابوں میں فتاوٰی سمرقندی کا ذکر ہے۔ جس طرح کہ فتاوی ھندیہ وغیرہ۔

شیخ منکر نے حدیث پر تنقید کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام سمرقندی متوفی ۳۷۳ھ ہیں۔ جس طرح الجواھر المضیئۃ صفحہ ۱۹۶ میں ذکر ہے۔ اور فوائد بھی صفحہ ۲۲۰ اور مفتاح السعادہ صفحہ ۱۳۹ ج ۲ میں ذکر ہے۔ اور یہ بات تم نے بھی مان لی کہ امام سمرقندی فلاں سنہ میں وفات پا گئے جیسے کہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے۔ اور وہ زمانہ اجتھاد کا زمانہ تھا۔ اور جب مجتہد روایت سے استدلال واستنباط فرمائے اور پھر اس کے بعد نقاد اعتراض اور قدح کریں تو کوئی ضرر نہیں دیتا کیونکہ اکثر محشی احادیث وکتب فقہ احناف کے دلائل پر اعتراض کرتے ہیں۔ بعض کو ضعیف اور بعض کو غریب کہتے ہیں اور بعض کے بارے میں کہتے ہیں کہ لم اجدہ یعنی میں نے اس کو نہیں پایا۔ اور اسی طرح کے کئی اعتراضات کرتے ہیں۔

لہٰذا ہم جواب دیتے ہیں کہ امام کے اختیار کرنے کے بعد یہ کلام استدلال کو ضرر (یعنی نقصان) نہیں دیتا۔ اس کی دلیل علامہ شعرانی کا وہ قول ہے جو میزان کبریٰ صفحہ ۲۷ مطبوعہ مصر میں ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل میں ضعف نہیں ہے روایت کی جرح سے سلامتی کیوجہ سے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضور علیہ السلام کے درمیان صحابہ وتابعین ہیں۔ یعنی انہوں نے حضور علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے۔ حالانکہ بعض حفاظ جرح کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ تو اس کا جواب کیا ہو گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ اس کو ان راویوں پر محمول کریں جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آئے ہیں اور اس حدیث کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے کے علاوہ دوسرے طریقہ سے لائے ہوں کیونکہ پر حدیث ہم نے امام صاحب کی مسانید ثلاثہ میں پائی ہے لہذا یہ صحیح ہے کیونکہ اگر صحیح نہیں ہوتی تو امام صاحب اس سے استدلال کیوں فرماتے۔ اگر اس کے بعد کذاب، مہتم بالکذب راوی آیا ہو تو وہ قدح نہیں کہلائے گا اور ہمارے لیے حدیث کی حجیت اتنی کافی ہے کہ مجتہد اس سے استدلال کرے اور ہم پر اس پر عمل کرنا واجب ہے اگرچہ کسی دوسرے نے روایت نہ کی ہو۔ لہٰذا آپ یہ باریک نکتہ یاد کر لیں آپ کو کافی فائدہ ملے گا۔ (ان شآء اللہ) اور یہ بات تم کسی اور محدث کے قول میں نہ پاؤ گے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذھب کی طرف ضعف کی نسبت سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس کے بعد کہ تم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسانید ثلاثۃ کا مطالعہ کرو اور یہ حدیث اس میں نہ پاؤ۔ (علامہ شعرانی)

اللہ تعالیٰ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کو خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اتنی باریک بات بیان ونقل فرمائی۔ اور یہ بات اس قابل ہے کہ اسے سنہرے حروف سے لکھا جائے کیونکہ بہت سے وہابیوں کی باتیں اس سے رد ہو گئیں کیونکہ وہ لوگ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کی طرف ضعف کی نسبت کرتے ہیں۔ اور یہ ان کے قواعد دینیہ سے جھالت کی دلیل ہے اور جہالت کا فساد بہت غلہ والا (یعنی بہت بڑا) ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

اسی طرح غیر مشہور کتابوں میں بھی دوران قرآن کا تذکرہ آیا ہے اور یہ بھی تائید کیلئے کافی ہے۔ اور اس مسئلے کو صرف صاحب قنیہ نے ذکر نہیں کیا اور نہ قبول کیا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ صاحب قنیہ کا قول ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل کے بغیر قبول نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب کی کتابیں مذہب کے نقل کیلئے بنائی گئی ہیں۔ اور فقہاء کرام کا نقل کرنا ہی کافی ہے۔ اور حیلہٗ مذکورہ جامع الرموز، شامی، نورالایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی، ھندیہ حمادیہ، بحر الرائق، منحۃ الخالق وغیرہ کتابوں نے ذکر کیا ہے۔ اور نفس حیلہ ثابت ہے جس میں میت کیلئے نفع ہے۔ اس لیے کہ اس میں فدیہ کی کثرت ہے کیونکہ ایک سال کے فدیے کے لیے بہت ساماں چاہیے۔ اور یہ ہر کسی کی طاقت نہیں اسی طرح حیلہ مذکورہ درر المنتقیٰ میں ذکر ہے جیسا کہ طحطاوی علی المراقی ص۲۳۹ نے ذکر کیا ہے۔ جب حیلہ کا ارادہ کرے تو عمر کا حساب گمان غالب سے لگایا جائے۔ لڑکے کے بارہ سال اور لڑکی کی نو ۹ سال کم کرکے یہ طریقہ کئی بار کرے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ نماز میں نقصان کا احتمال ہوتا ہے شرط اور رکن چھوڑنے کی وجہ سے کیونکہ اکثر لوگ لاعلمی کی وجہ سے اس کا خیال نہیں کرتے۔ لہٰذا حیلے کا جواز ثابت ہوا۔ اور جب فقہاء کرام نے اپنی مذہب کی کتابوں میں تصریح فرمائی ہے اور اس حیلہ میں اصولِ دین کی مخالفت بھی نہیں بلکہ تائید موجود ہے اور میت کو فائدہ بھی ہے تو اس کے جواز سے کون سی چیز مانع ہے؟ اس کے علاوہ صدقہ کرنا تو اس میں فائدہ ہی ہے کیونکہ صدقہ کرنا مستحسن ہے۔ کیونکہ نہی ضیافت کے بارے میں ہے نہ کہ صدقہ کے بارے میں۔ اسی طرح طحطاوی صفحہ:۳۳۹: میں ہے کہ شارح کے قول وتکرہ الضیافۃ۔۔۔ الخ کے بعد یعنی اہلِ میت کی ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ بزازیہ میں ہے کہ پہلے اور تیسرے دن کھانا پکانا، ہفتہ کے بعد، مقبرہ میں طعام کا لے جانا مواسم میں، قرأت قرآن کے موقع پر دعوت، قرّاء، صلحاء کو ختم قرآن کے لئے جمع کرنا، سورۃ الانعام، سورۃ الاخلاص وغیرہ کی تلاوت یہ مکروہ ہے۔ لیکن برہان حلبی نے لکھا ہے کہ یہ بات اعتراض سے خالی نہیں۔ کیونکہ کراہت کی کوئی دلیل نہیں بغیر جریر کی حدیث کے جو پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں ہے کہ ہم میت کے لئے جمع ہونا اور کھانا پکانے کو نیاحت کی طرح مکروہ جانتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جاہلیت کا فعل کراہت پر اس وقت دلالت کرتا ہے جب موت کے وقت ہو فقط نہ کہ دفن کے وقت اور مرنے کے بعد ہو۔ اس کے علاوہ اس کے مقابل وہ روایت ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جنازے کے ساتھ گئے اور جب ہم واپس آئے تو میت کی بیوہ کی طرف سے بلاوا آیا اور کھانا لایا گیا۔۔۔ الخ یہ حدیث میت کے اہل کی طرف سے کھانے پر اور دعوت پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ بات بزازیہ میں کتاب

الاستحسان سے ذکر کی گئی ہے۔اور اگر فقر آء کے لئے طعام (کھانا) پکایا تو حسن (یعنی اچھا) ہے۔ لیکن اگر ورثاء میں نابالغ ہو تو پھر یہ میراث میں سے نہیں دیا جاسکتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دَور میں ایسے لوگ بیٹھتے ہیں جو ایجاب و قبول کا علم نہیں رکھتے تو میت کے اولیا، یا اس عالم یا امام پر لازم ہے کہ یہ تمیز کرے کہ کون اہل ولائق ہے اور کون اہل نہیں ہے۔لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور یہ بات کئی بار مشاہدہ میں آئی ہے۔ ہم نے تو مردہ کے نفع کے لئے پروگرام بنایا ہے تو ایسا کام ہونا چاہئے کہ اس کو نفع پہنچے۔اور جو کام بھی صحیح طریقے سے ہو اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ مگر لوگ غفلت کرتے ہیں اور کھرے کھوٹے میں تمیز نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کام میں احتیاط واجب ہے اور صحیح راستہ طلب کرنا چاہیئے تا کہ کام بھی صحیح ہو۔[1]

بس کنم خود زیر کان راایں بس است

[1](البصائر ص ۲۰۲ تا۲۱۸)

(۸) باب نمبر آٹھ: فوتگی کے بعد تین رات اور سات دن تک صدقہ کرنے کا بیان

میت کے گھر میں تین رات تک طعام پکانا اور صدقہ کرنا

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد

یہ بات سن لیجیئے کہ وہابی، پنج پیری اور مودودی کہتے ہیں کہ میت کے گھر میں تین رات تک طعام پکانا اور صدقہ کرنا منع ہے اور تین روز کے بعد اگر پکایا جائے تو پھر جائز ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لئے یہ مسائل جمع کئے تاکہ سچ ظاہر ہو اور باطل الگ ہو جائے اور لوگ بھی خوامخواہ گمراہ ہونے سے بچ جائیں۔

سوال: میت کے لئے اُس کے مرنے کے بعد صدقہ یا خیرات دینا یا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: میت کے لئے صدقہ دینا اور دعا کرنا مطلق جائز ہے۔

شرح عقائد النسفی میں ہے:

وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم عنهم نفع لهم۔

ترجمہ: اور مُردوں کے لئے زندوں کی دعا اور ان کی طرف سے صدقہ خیرات کرنے میں ان کے لئے نفع ہے۔[1]

یعنی مردوں کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس میں نفع ہے

اسی طرح اور کتابوں میں مثلاً طحطاوی، ص۲۷۱، درمختار، شرح فقہ اکبر لعلی القاری، ص۱۵۸، فتح القدیر، ج۱، ص۴۰۴۔

آیت مبارکہ میں بھی ذکر ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبۃ۱۰۳)

ترجمہ: اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔

ایک اور آیت مبارکہ ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر ۱۰)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

اس آیت میں مُردوں کے حق میں دعا ہے اور یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔ اور نفلی صدقہ بہت سے گناہوں کو محو کرنے والا ہے۔

---

[1] (شرح عقائد النسفی، ج۱، ص۳۴۴، الناشر: دائرۃ البرکات، کھوسي (بالکاف الفارسي)، اعظم کرھ، الهند)

جیسا کہ شرح قسطلانی میں ہے:

الصدقة النافلة ماحية للذنوب المدخلة النار۔

ترجمہ: نفلی صدقہ ان گناہوں کو محو کرنے والا ہے جو آگ (جہنم) میں داخل کرنے والے ہیں۔ [1]

سوال: میت کے گھر میں تین روز کے اندر صدقہ جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: صدقہ مطلقاً جائز ہے کیونکہ صدقے کی نصوص (آیات) مطلق ہیں اور اس میں تخصیص نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ اس وقت یا اُس وقت صدقہ کیا جائے یا دیا جائے۔

ویستحب ان یتصدق علی المیت بعد الدفن الی سبعة ایام کل یوم بشيء مماتیسر۔

ترجمہ: مردے کے دفنانے کے بعد سات دن تک جو کچھ بھی میسر آئے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ [2]

یعنی مردے کے ایصال ثواب کے لئے مذکورہ بالا سات کتب سے جلد اور صفحات کے حوالے دے کر یہ بات تحقیق کی حد تک پہنچا دی گئی کہ مردے کے دفن سے لے کر مسلسل سات دن تک کسی بھی میسر چیز سے مردے کے حق میں صدقہ دینا مستحب امر ہے۔

صدقہ کی اشیا میں (پکی روٹی بمعہ سالن، پکے چاول، حلوہ، کھجور یا گوشت وغیرہ) کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ سوئم (تیجہ) بھی ثابت ہے، جس پر علماء نے عمل کیا ہے، مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سوئم ہو چکا ہے۔

روز سوئم کثرت ہجوم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حساب است، ہشتاد ویک کلام اللہ بہ شمار آمدہ، اھ۔

ترجمہ: تیسرے روز آدمیوں کی اتنی کثرت اور بھیڑ تھی کہ حساب لگانا مشکل تھا، اکیاسی ختم قرآن شمار کئے گئے۔ [3]

تو وہابی مانتے کیوں نہیں جو کہتے ہیں کہ مردے کے دفن سے لے کر تین دن تک صدقہ، خیرات وغیرہ حرام اور ناجائز ہے۔ حالانکہ مردہ کی وفات کی پہلی شام کو بھی صدقہ دینا ثابت ہے، اور وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے۔

---

[1] (قسطلانی شرح بخاری، کتاب العلم، ج ۱، ص ۱۹۰، فتح القدیر، ج ۱، ص ۴۰۴، الدر المختار، ج۵، ص ۷۹)

[2] (طحطاوی کتاب الجنائز، ص ۳۷۳، اشعة اللمعات، باب زیارة القبور، شرح مشکوٰة، ص ۷۲۳، برهنه، ج ۱، ص ۳۶۳، شامی، باب الجنائز، ج ۱، ص ۶۳، فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۶۵، کبیری، ص ۶۵۸)

[3] (ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب، ص ۸۰)

(۸) باب نمبر آٹھ: فوتگی کے بعد تین رات اور سات دن تک صدقہ کرنے کا بیان

روایت ہے کہ جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ویران اور سنسان جگہ جہاں آس پاس کوئی آبادی، گاؤں یا قریہ وغیرہ نہیں تھا اور وفات پا رہے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رو رہی تھی تو آپ نے اُن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ تو کیوں رو رہی ہو تو فرمایا اس لئے کہ کوئی آپ کی تجہیز و تکفین میں میری مدد کرنے کے لئے نہیں اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے چند افراد ایک سنسان جنگل میں وفات پائیں گے اور اُن میں سے ایک میں ہوں، اور میری تکفین کے لئے لوگ آئیں گے، پھر اپنی بیٹی سے فرمایا کہ تو بکری ذبح کر اور اس کا گوشت سنبھال کے رکھ دے اور ہانڈی آگ پر رکھ اور جب میں دفن ہو جاؤں تو ان لوگوں سے کہہ دینا کہ میرے والد نے آپ لوگوں سے قسماً کہا ہے کہ یہ طعام کھائیں اور پھر چلے جائیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند ساتھیوں (افراد) کے ہمراہ وہاں آئے اور ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے اندر گئے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے غسل اور کفن وہ آدمی دے گا جس نے حکومت کی ملازمت نہیں کی ہو، اُن میں سے ایک نوجوان نے کہا یہ میرا لباس ہے اور نیا ہے، میں نے اسے استعمال بھی نہیں کیا، یہ کفن ہو گا اور میں ہی غسل دوں گا کیونکہ میں نے حکومت کی ملازمت نہیں کی، ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر ہلا کر تائید فرمائی اور جب فوت ہوئے تو اُن حضرت نے غسل دیا اور جنازہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے پڑھایا اور جب دفن ہوئے تو بنت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کھانے کے لئے قسم دی کہ یہ طعام تناول فرمائیں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔[1]

اور ان میں سے کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ یہ تو میت کی پہلی شام ہے اور میت کے گھر پہلی شام کھانا پکانا اور اسے کھانا منع ہے۔

اب وہابی کس منہ سے اسے اچھا نہیں کہتے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خود اسے کھانے بیٹھے اور نوالہ اپنے مبارک منہ تک اٹھا کر لے جا چکے ہیں اور اسے ناجائز نہیں فرمایا۔

حضرت عاصم بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مشکوٰۃ، صفحہ ۵۴۴ باب المعجزات قبیل باب الکرامات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ممانعت موجود نہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی کراہت اور منع معلوم ہوتی ہے۔

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجلِيِّ، قَالَ: "كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ"۔

---

[1] (تاریخ ابن جریر)

(۸) باب نمبر آٹھ: فوتگی کے بعد تین رات اور سات دن تک صدقہ کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم میت کے خاندان کے ہاں جمع ہونا اور ان کا طعام کا پروگرام کرنا غم اور ماتم میں شمار کرتے تھے۔[1]

جواب: جواب یہ ہے کہ یہ ایک خاص قسم کے اجتماع پر محمول ہے جو بہ امرِ مجبوری یا بوجہ ننگ و شرم کیا جائے اور اس میں تصدق کی نیت نہ ہو یا اس بات پر محمول ہے کہ اس میں وارثانِ صغیر شامل ہوں، یا غائب ہوں اور اُن کی رضامندی شامل نہ ہو یا طعام کسی ایک نے (اُن میں سے) اپنے مال سے نہ کیا ہو، یا یہ مال وصیت کا نہ ہو یعنی قبل القسمت (تقسیم وراثت سے قبل)۔ اگر یہ وجوہات نہ ہوں تو پھر منع بھی نہیں۔[2]

دوسرا جواب یہ ہے کہ کراہت کی دلیل نہیں اور یہ روایت جریر صاحب کی ہے اور یہ دلیل عند الموت ہے نہ کہ مطلقاً کراہت پر دال ہے۔ اور یہ روایت عاصم بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معارض اور متضاد ہے۔ جنہوں نے ابو داؤد اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ تو اب ترجیح کس کو دی جائے گی؟

تو فقہاء نے جریر کی روایت سے جواب دیا ہے تو معلوم ہوا کہ جواز کے لئے ترجیح ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ اس سے مراد ضیافت ہے نہ کہ تصدق۔ وجہ یہ ہے کہ ضیافت مشروع فی السرور ہے، یعنی خوشی کے موقع پر ضیافت اڑانا اور ضیافت دینا شرعاً جائز ہے، نہ کہ حزن اور غم کے موقع پر۔[3]

اور میت ابتدائی شب و روز میں کالفریق المتغوث ہوتی ہے یعنی غرق ہونے والا ہوتا ہے اور امداد کا محتاج اور اس کے علاوہ اور ایام میں بھی امداد کا محتاج۔ مگر اول دنوں میں بہت زیادہ محتاج۔

مشکوٰۃ، ص۲۰۶، باب الاستغفار والتوبۃ میں ذکر کیا گیا ہے اور مسلسل سات دنوں تک بھی تصدق ثابت ہے۔

کتاب الزھد میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت ہے:

و فیہ یفتنن الاموات فی قبورھم الی سبعۃ ایام و لذا یستحب التصدق الی سبعۃ ایام۔

کتاب زھد میں ہے کہ مردے کی تجہیز و تکفین کے بعد سات روز تک قبر کے فتنے (عذاب) میں آزمائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے سات دن تک اُن کے لئے صدقہ کرنا مستحب ہے، اور چہلم بھی ثابت ہے۔

نسائی کے حاشیہ میں اس کا نام زھد والربیٰ لکھا ہے:

المیت ان کان منافقا ای فیہ خصلۃ المنافق فھو یفتیٔ الی اربعین یوما۔

---

[1] (مسند احمد، ج ۱۱، ص ۵۰۵، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۱۴، الناشر: دار الفکر—بیروت، مشکوٰۃ المصابیح، ج۵، ص ۱۹۶)

[2] (حاشیہ مشکوٰۃ، ص ۵۴۴ از مرقاۃ)

[3] (کبیری، ص ۶۰۹)

نسائی شریف میں ہے کہ اگر میت منافق ہو یا اس میں منافقت کی خصلت پائی جائے تو اسے چالیس دن تک فتنے میں ڈالا جاتا ہے۔[1]

اور: کان السلف یحبون الاطعام من المیت اربعین یوما۔

اسلاف بزرگ مردے کی طرف سے چالیس دن طعام دینا پسند کرتے تھے۔

وشواہد ایں بسیار است۔

اور اس کے شواہد بہت زیادہ ہیں۔[2]

اس سے چالیسواں (چہلم) ثابت ہوا۔ اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوئم، ساتواں اور چالیسواں اور ششماہی اور سالانہ صدقہ دیا ہے، اور یہ بات انوار ساطعہ کے صفحہ ۱۴۵ اور خزانۃ الروایات میں ذکر شدہ ہے، بہ نقل جاء الحق، ج ا، ص ۲۶۲۔

سوال: وہابی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صدقہ کو روزِ جمعہ یا شبِ جمعہ سے مخصوص کرنا جائز ہے۔

جواب: تخصیص دو قسم کی ہے، ایک جوازی اور دوسری تفضیلی تخصیص اور دوم تخصیص جو فضیلت کے درجے کے لحاظ سے کی جائے، تو وہ جائز ہے اور ثابت بھی ہے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک بڑھیا جمعہ کے روز چقندر کا حلوہ پکاتی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن کے آنے پر خوش رہتے۔[3]

اس سے جمعہ کے دن صدقہ دینا ثابت ہوا، اور وہابیوں کا قول اور کہا غلط ثابت ہوا، جو اسے بدعت کہتے ہیں (نعوذ باللہ) پھر تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی بدعتی کہا جائے گا۔ (معاذ اللہ)

ختمِ قرآن کے لئے جمعہ کا دن مخصوص کرنا اور خیرات کرنا

سوال: کیا ختم قرآن کے لئے جمعہ کا دن مخصوص کرنا جائز ہے؟ اور کچھ خیرات کرنا بھی؟

جواب: جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز اور ثابت ہے۔

---

[1] (نسائی شریف، ج ا، ص ۲۹۰)

[2] (فتاویٰ رفیع الدین دهلوی، ص ۸ بنقل مقیاس حنفیت، ص ۲۶)

[3] (بخاری، ج ۲، کتاب الاطعمة باب السلق والشعیر، ص ۸۱۳، ج ا، ص ۱۱۸، قبیل صلوٰۃ الخوف)

(۸) باب نمبر آٹھ: فوتگی کے بعد تین رات اور سات دن تک صدقہ کرنے کا بیان

حکیم ابن عقبہ فرماتے ہیں کہ مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدہ بن ابی لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجمع بلا لیا اور فرمایا کہ آج ہم ختم قرآن کریں گے کیونکہ ختم قرآن کے وقت مانگی گئی دعا قبول ہوتی ہے اور رحمت نازل ہوتی ہے۔(بحوالہ نووی کتاب الاذکار، باب تلاوۃ القرآن میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ البقرۃ کے ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کیا، جس دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ البقرۃ یاد کی تھی اور یہ مسئلہ تفسیر فتح العزیز، ص ۸۶ پر شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا ہے اور بیہقی کی حدیث مبارک نقل فرمائی۔ اس سے ختم قرآن کے موقع پر خیرات کرنا ثابت ہوا۔

سوال: اگر کوئی پوچھے کہ طعام المیت، یمیت القلب روایت میں ہے یعنی مطلب یہ کہ میت کا طعام دل کو مردہ کر دیتا ہے، اس لئے کھانے سے منع ہو جا۔

جواب: جواب یہ ہے کہ اول تو یہ کلام "**طعام المیت یمیت القلب**" حدیث ہے ہی نہیں۔ اور اشرف علی تھانوی نے بھی لکھا ہے کہ یہ الفاظ حدیث کے نہیں ہیں اور ہو سکتا ہے ہے کہ بزرگوں کا قول ہو اور مطلب میت سے عاصی (گنہگار) یا کافر ہو۔

جیسے آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ اه (الأنعام ۱۲۲)

مراد میت سے عاصی اور کافر ہے اور اَحْیَیْنَاہُ سے مراد ہدایت اور اسلام ہے۔ تو مراد اس سے یہ ہے کہ عاصی کا طعام یا خوراک کھانا دل کو مرواتا ہے، یعنی جو خوراک یا طعام گناہ کے طور پر پکایا جائے اسے کھانا اچھا نہیں ہوتا۔ اور جو کارِ ثواب میں پکائی جائے تو اسے کھانا منع نہیں۔ یہ تفصیل دعواتِ عبدیت میں ہے اور مصنف اشرف علی تھانوی نے علاج الاکبر، ص ۵۸ پر تحریر فرمایا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ میت کا طعام صرف فقراء کھائیں گے اور بہتر بھی یہی ہے، اور اگر اغنیاء کھائیں تو بھی جائز۔ کیونکہ یہ نفلی صدقہ ہے فرض نہیں اور "زبدۃ النصائح بکفا ھم" نے بنقل جاء الحق، ص ۳۶۶ اسکا جواز لکھا ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ چالیس دن کے بعد انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نہیں رہتے یعنی اپنی قبروں میں موجود نہیں ہوتے اور یہ حدیث مبارک دلیل میں پیش کرتے ہیں:

ان الانبیاء لا یترکون فی قبورھم اربعین لیلۃ ولکن ھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور۔

یعنی انبیاء علیہم السلام چالیس دن کے بعد صورِ قیامت پھونکنے تک خدا کے حضور میں عبادت کرتے رہتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان چالیس دنوں کے دوران روح کا تعلق اپنے جسم کے ساتھ بہت زیادہ ہوتا ہے اور پھر قربِ الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے اور جسمانی شکل و صورت میں جہاں چاہتی ہے جا سکتی ہے۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے

کہ اس روایت میں راوی ابن ابی لیلیٰ ہیں جو سیئ الحفظ ہیں، پہلا جواب زرقانی نے کیا ہے شرح مواھب میں اور دوسرا جواب محمد ایوب صاحب پشاوری نے "تحفۃ الفحول فی حکم الاستعانۃ بالرسول" میں خلاصۃ الوفاء سے نقل کیا ہے اور عام نصوص اس دلیل پر ہیں کہ ہر وقت روح کا تعلق جسم کے ساتھ یکساں اور ایک جیسا ہوتا ہے، اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔(واللہ اعلم)

اور اوائل ایام میں صدقہ بہت ضروری ہوتا ہے اور عبارت یوں ہے:

اول حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ و اُلفت تعلق بدن ودیگر معروفان از ابنائے جنس خود باقی است ودرین وقت از طرفِ مدد زندگان بمردگان درین حالت زود تر می رسد ومردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشد وصدقات وادعیہ وفاتحہ دریں وقت بیسیار بکار می آید وطوائف بنی آدم تا یک سال وعلی الخصوص یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام مے نمایند۔[1]

اسی آیت کے ذیل میں وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ (الإنشقاق ۱۸) اس کی عبارت سے معلوم ہوا کہ میت کو ابتدائی دنوں میں صدقہ اور دعا کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور سال بھر کے بعد برسی بھی ثابت ہوئی۔

سوال: وہابی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روزِ سوم میت کا صدقہ دسواں وغیرہ منع کیا ہے کہ میرے مرے پیچھے نہ کریں، اھ۔

جواب: جواب یہ ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ عبد العزیز صاحب کے قول میں اختلاف ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب بھی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں اور شاہ عبد العزیز شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزند اور شاگرد رشید بھی ہیں۔ اب کس کا قول منظور؟ بات یہ بھی ہے کہ دونوں مقلدین ہیں اور مقلدین کی بات اس وقت قابل قبول ہوتی ہے جب وہ مجتہد سے نقل کی گئی ہو، اور اگر بعض فقہاء بعد الاسبوع اسے منع کہتے ہیں جیسے بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے تو اس کا جواب پہلے دے دیا گیا ہے کہ ضیافت کرنا ممنوع ہے اور تصدق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نام ونمود کے لئے منع ہے اور تصدق کے لئے نہیں۔

سوال: میت پر ایک سال مرے اور گزرنے کے بعد اُس کی زیارت کرنے اور اس کی روح کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] (بحوالۂ تفسیر عزیزی، پارہ عم)

(۸) باب نمبر آٹھ: فوتگی کے بعد تین رات اور سات دن تک صدقہ کرنے کا بیان

جواب: رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ۔[1]
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ و الخلفاء الاربعة هكذا يفعلون۔[2]

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنا جائز اور روا ہے۔

بحوالہ تفسیر کبیر، در منثور، فتاویٰ عزیزی، ص ۷۵، زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح، مصنفہ شاہ عبد العزیز، دیوبندیوں کے مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی کو اس کے جواز پر شاہ صاحب نے جواب بھی لکھا ہے (زبدۃ النصائح) واللہ اعلم۔

سوال: شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کا دن جو گیارہویں یا سترہویں ربیع الاول کو منایا جاتا ہے، کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ نہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارہویں ربیع الاول کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا میلاد مناتے تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اُن سے فرما رہے ہیں کہ تو نے مجھے یاد کیا میں تجھے یاد کروں گا، تو یہ عرس اس وجہ سے مشہور ہوا۔ یہ مسئلہ یازدہ مجلس شامی کتاب میں مذکور ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں تنخواہیں دس تاریخ کو ملتی تھیں تو گیارہویں تاریخ کو نوکر حضرات غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کا صدقہ دیتے اسی طرح یہ صدقہ گیارہویں کے صدقے کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مُرید ربیع الثانی کے گیارہویں دن صدقہ دیتے (آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام) پھر یہ اُن کے نام سے مشہور ہوا۔

ویسے عرس ایک مستحسن عمل ہے اور ثابت ہے یہ عبارت:

العرس من مستحسنات المتأخرین ماثبت بالسنة للشیخ المحدث الدھلوی۔

اور دیوبندیوں کے مولوی حاجی امداد اللہ مکی نے "ہفت مسئلہ" میں اس کے جواز پر بات کی ہے اور دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب بھی عرس کو جائز مانتے تھے۔[3]

---

[1] (شامی، ج۲، ص ۴۰۰)

[2] (شامی، ج۲، ص ۴۰۰)

[3] (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، کتاب البدعات، ص ۹۲)

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں:

بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں، مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے۔ اہل عرب سے معلوم ہوا ہے کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے منایا کرتے تھے، خاص کر علمائے مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس کرتے رہے۔ غرضیکہ دنیا بھر کے مسلمان علماء وصلحاء خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں، جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے، عقل بھی چاہتی ہے کہ عرسِ بزرگان بھی عمدہ چیز ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ و خیرات کا مجموعہ ہے۔ زیارتِ قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت۔ دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟[1]

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "قرۃ العیون الناظرہ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ صاحب ربیع الثانی کے گیارہویں دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نام صدقہ کرتے تھے تو اس صدقہ نے شہرت پائی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے منسوب ہوا (یعنی غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گیارہویں شریف)۔

ایک اور کہاوت بھی ہے کہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بڑھیا کے بیٹے کی بارات کو جو دریائے راوی / سندھ میں بارہ سال گزرے ہوئے غرقاب تھی، اللہ کے حکم سے بذریعہ کرامات و خرق عادت عطیۂ خداوندی تمام اہل بارات کو زندہ نکالا، تو اس بڑھیا نے صدقہ دیا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام اور جب وہ آتا تو وہ اسی طرح صدقہ دیتی، اسی وجہ سے یہ صدقہ گیارہویں غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور ہوا۔ واللہ اعلم یہ حکایت سلطان الاذکار فی مناقب غوث الابرار میں ہے۔[2]

فوتگی کے بعد سات دن تک صدقہ کرنا

بعض علماء میت کے گھر میں ساتویں دن تک خیرات کرنے کو ناجائز اور حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ میت کے لئے پہلے سے ساتویں دن تک، جمعہ کی رات، چالیسویں دن اور برسی میں خیرات کرنا بالکل درست، جائز اور روا ہے۔ اور اس کا ثواب بھی میت تک پہنچتا ہے۔ اور اس کا مخالف فرقہ معتزلہ وہابیہ ہے۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن الرجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ فرأیت رسول اللہ ﷺ: وھو علی القبر یوصی الحافر ویقول اوسع من قبل رجلیہ اوسع من قبل رأسہ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ، فاجاب ونحن معہ وجئ بالطعام ووضع یدہ ثم وضع القوم: فاکلوا فنظرنا الیٰ رسول اللہ ﷺ یلوک لقمۃ فی فیہ ثم

---

[1] (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، کتاب البدعات، ص ۹۲)

[2] (بحوالہ خلاصۃ القادریہ، مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی، کتاب غوث الاعظم، ص ۲۷۷، مصنفہ مولانا برخوردار ملتانی، مصنف نبراس، محشی شرح عقائد النسفی)

(۸) باب نمبر آٹھ: فوتگی کے بعد تین رات اور سات دن تک صدقہ کرنے کا بیان

قال اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اھلھا: فارسلت المرأة تقول یا رسول اللہ ﷺ انی ارسلت الی النقیع وھو موضع یباع فیہ الغنم لیشتری لی شاة فلم تجد فارسلت الی جار لی قد اشتری شاة ان یرسل بھا الیّ بثمنھا فلم یوجد فارسلت الیٰ امرأة فارسلت الیّ بھا فقال رسول اللہ ﷺ اطعمی ھذا الطعام الاسریٰ رواہ ابو داؤد و البیھقی فی دلائل النبوة۔

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنازے میں گئے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ قبر پر گورکن سے فرمارہے ہیں کہ اس قبر کو سر اور پاؤں کی طرف سے کشادہ کردو۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو مرحوم کی بیوی کی طرف سے ایک آدمی جو آپ ﷺ کو بلانے کیلئے آیا تھا، آپ ﷺ سے ملا جب آپ ﷺ اس آدمی کے گھر پہنچے تو کھانا لایا گیا جو آپ ﷺ کے اور لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وہ کھانا لوگوں نے کھایا اور آپ ﷺ اپنے منہ میں لقمہ چبانے لگے پھر فرمایا مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پکڑ ا گیا ہے، اس عورت نے آپ ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے بکری کی خریداری کے لئے ایک آدمی بھیجا تھا لیکن مجھے وہاں سے بکری نہ ملی پھر میں نے اپنے پڑوسی کو کہلا بھیجا کو جو بکری آپ خرید کر لائے ہیں وہ مجھے قیمتاً دے دیں مگر وہ آدمی نہ ملا پھر میں نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا تو اس عورت نے مجھے بکری بجھوادی، آپ ﷺ فرمایا کہ اسے قیدیوں کو کھلادو۔[1]

اس حدیث میں واضح طور پر ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو میت کے گھر والوں نے بلایا اور حضور ﷺ نے اس کی دعوت قبول فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ کھانا بھی کھایا اور وہ لقمہ جو حضور ﷺ نے اپنے منہ میں ڈالا تھا اسے باہر نہیں گرایا۔ مرقات میں امرأة کی جگہ ''امرأة المیت'' اور ابو داؤد میں ''امرأة'' آیا ہے۔ ابو داؤد میں جو لفظ ''امرأة'' آیا ہے یہاں تنوین عوض کی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر امرأة لفظ عام لیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ میت کی بیوی نہ تھی بلکہ اور کوئی تھی۔ جب اس میں یہ احتمال پیدا ہوا اذا جآء الاحتمال بطل الاستدلال۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں شامل ہیں اور تمام محدثین کے نزدیک یہ میت کی بیوی تھی۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے پہلی رات میں صدقہ کرنا جائز ہے۔

وھکذا الشیخ المحدث عبد الغنی الدھلوی شارح ابن ماجہ حیث قال اما صنعة الطعام من اھل المیت اذا کان للفقراء فلا بأس بہ لان النبی ﷺ قبل دعوة امرأة المیت التی مات زوجھا کما فی سنن ابی داؤد ص ۴۷۳۔

[1] (مشکوة شریف ص ۵۴۴)

"حضرت شیخ محمد شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ کھانا اگر میت کے ورثاء فقراء کے لئے تیار کریں تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحقیق دعوت قبول فرمائی رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی جس کا شوہر فوت ہو گیا تھا۔ یہ سنن ابی داؤد شریف میں ہے۔"[1]

اس سے ظاہر ہوا کہ اگر میت کے ورثاء بخوشی کھانا کھلائیں تو کوئی حرج نہیں۔

وھکذا قال عبد الحق المحدث الدھلوی والمستحب ان یتصدق عن المیت بعد ذھابہ من الدنیا الی سبعة ایام۔[2]

والسنة ان یتصدق ولی المیت قبل مضی اللیلة الاولیٰ بشیٔ ممّا تیسّر لہ فان لم یجد شیئاً فلیصل رکعتین۔

طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ میت کے ورثاء صدقہ کریں پہلی رات گزرنے سے پہلے جس قدر بھی ان کے لئے آسان ہو۔ اگر ان کو کچھ میسر نہ ہو تو دو رکعت نفل ہی پڑھ کر اس کی روح کو بخش دیں۔[3]

ثابت ہوا کہ صدقہ میت کی پہلے رات گزرنے سے پہلے نہایت مفید ہے۔

---

[1] (انجاح الحاجة شرح ابن ماجہ شریف مولفۂ عبد الغنی ص ۱۱۷)

[2] (اشعة اللمعات ص ۷۳۴، ج ۱)

[3] (طحطاوی ۳۳۸، برھنہ ۳۶۳، ج ۱، شرح شرعة الاسلام و شرحہا ص ۵۶۸)

(۹) باب نمبر نو: ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ پڑھنے کا بیان

مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثبواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور پہنچتا ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔

مشکوۃ باب الفتن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ:

من یضمن لی منکم ان یصلی فی مسجد العشار رکعتین ویقول ھذہ لابی ھریرۃ۔[1]

اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ کہ زبان سے ایصال ثواب کرنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگان دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی وبدنی کا مجموعہ جیسے زکوۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میری طرف سے زکوۃ دے تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کرا سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہو جاوے گا اسی طرح یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آگیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔

دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی لئے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔

کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرۃ ۲۸۶)

ترجمہ: ہر نفس کے لئے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کر لیا۔

نیز قرآن میں ہے:

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹)

ترجمہ: انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔

---

[1] (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۴۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال ہیں۔ نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے۔ (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس کی نقل ہے۔

یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ (الطور ۲۱)

یہ ہی عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل درجات پائینگے۔ دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے۔ نہ کہ ہبہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرضیکہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

بعض علماء میت کے ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ کے ختم کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ ختم کلمہ طیبہ میت کے لئے باعثِ انس اور سببِ مغفرت ہے۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ مرقاۃ شرح مشکوۃ[1] اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ **لا الہ الا اللہ** کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا۔ اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔[2]

یہی واقعہ منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی للفقیہ المحدث علامہ وصی احمد السورتی میں بھی لکھا ہے:

کما قال الشیخ محی الدین بن العربی انه بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انه قال من قال لا اله الا الله سبعین الفاً غفر الله تعالیٰ له و من قیل له غفر له ایضا فکنت ذکرت التهلیلة بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت مع بعض

[1] (مرقاۃالمفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ما علی المأموم من المتابعت و حکم المسبوق، الفصل الثانی)

[2] (صفحہ ۹۸ جلد ۳)

الاصحاب وفیهم شباب مشهور بالکشف فاذا هو فی اثناء الاکل اظهر البکاء فسألته عن السبب فقال اری امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلة المذکورة فضحک وقال انی اراها الآن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه وصحة کشفه بصحة الحدیث انتهی۔[1]

خود علماء دیوبند کے "استاذ الکل" مولوی قاسم نانوتوی نے بھی تحذیر الناس میں ایسا ہی ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے: حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ایک مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں، حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی صحت اس کے مکاشفہ سے ہوئی۔[2]

---

[1](ص۴۱۷)

[2](از تحذیر الناس ص ۳۴)

(۱۰) باب نمبر دس: مسئلہ زیارت القبور کے بیان میں

یہ ایک ایسا مسئلہ جو عقلاً و نقلاً دونوں لحاظ سے جائز ہے کیونکہ ارواح بشریہ جب اپنے اجسام سے الگ ہو کر اور ظلمت جسمانی سے نکل کر انوار روحانیہ کی جانب پرواز کر لیتے ہیں اور اتصال عالم علوی کے بہت مشتاق ہونے کی وجہ سے عالم الملائکۃ و منازل القدس کی طرف چلے جاتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ ارواح علائق و عوائق جسمانی سے خالی ہوتے ہیں تو ان سے آثار اس عالم کے احوال میں بہت رونما ہوتے ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور "فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (النازعات ۵) "(پھر کام کی تدبیر کریں) کا ایک صحیح مصداق بن جاتے ہیں۔

ارواح کو جسمانی تعلقات کے ختم ہونے کے بعد مدبرات اس عالم میں بھی اس طرح دیکھا گیا ہے کہ شاگرد کو سخت مسئلہ سامنے آیا۔ حل کی کوئی صورت نہیں ملی استاد کو خواب میں دیکھا اور اس کی روح نے اس مسئلہ کو حل کر کے صحیح راستہ بتا دیا۔ اسی طرح بہت سے لوگوں نے اپنے والدین کو خواب میں دیکھا اور اس کی روح نے اس مسئلہ کو حل کر کے صحیح راستہ بتا دیا۔ اسی طرح بہت سے لوگوں نے اپنے والدین کو خواب میں دیکھا کہ مشکل سوالات پوچھنے کے بعد حل فرما رہے ہیں اور ان کے صحیح جوابات سے اپنے بیٹے کو مطمئن کر رہے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ارواح بعد از مفارقت موجود ہیں اور ان سلسلۂ ملاقات ان ارواح کا جواب تک علائق جسمانی میں مبتلا ہیں جاری ہے منقطع بالکلیہ نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بچپن میں جب میں اول کتاب "حوادث الاول لها" پڑھ رہا تھا تو میں نے والد بزرگوار کو خواب میں دیکھا کہ مجھے حدوث حرکت پر آپ نے نہایت عمدہ دلیل بتا دی اور فرمانے لگے:

اجود الدلائل ان یقال الحرکۃ انتقال من حالۃ الی حالۃ فھی تقتضی بحسب ماھیتھا مسبوقیتھا بالغیر و الازل ینافی کونہ مسبوقا بالغیر فوجب ان یکون الجمع بینھما محالاً۔

کہ حرکت انتقال ہے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور یہ بحسب ماہیت مقتضی مسبوقیت بالغیر کی ہے اور ازل مسبوقیت بالغیر کے منافی ہے۔ پس ازل اور مسبوقیت بالغیر کا جمع ہونا محال ہے تو حرکت حادث ہوئی۔

فردوسی شاعر کا بھی ایک واقعہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ اس نے شاہ سبکتگین کے نام پر شاہ نامہ بغرض انعام کے تحریر کیا اور اس میں شاہ کی بہادری اور پہلوانی وغیرہ کی بہت تعریف اور رستم کے حالات وغیرہ بیان کر کے اس کو ثابت کیا مگر بادشاہ نے اس کی طرف کماحقہ توجہ نہ فرمائی۔ بہت تنگ اور پریشان ہوا۔ خواب میں رستم کو دیکھا کہ کہہ رہا ہے کہ

تم نے میری تعریف اس کتاب میں بہت کی ہے۔اور میں مردوں میں شمار ہوں مگر تاہم چاہتاہوں کہ آپ کو کچھ فائدہ ملے۔آپ فلاں مقام کو جایئے اور زمین کھودیئے وہاں آپ کو دفینہ مل جائے گا۔فردوسی شاعر اکثر یہ فرماتے تھے کہ رستم مرنے کے بعد شاہ سبکتگین سے زیادہ کرم فرماہے۔امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مطالب عالیہ کے تیسرے مقالہ کے پندرہویں فصل میں ادلہ بیان کرنے کے بعد فرمایاہے۔

فوجب القطع بان النفس بعدمفارقة البدن مدركة للجزئيات۔

”پس اب یقین واجب ہوگیااس بات پر کہ نفس بدن کی مفارقت کے بعد جزئیات کا مدرک ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مقالہ کی اٹھارویں فصل میں اس عنوان سے:

الفصل الثامن عشر فی بیان کیفیة الانتفاع بزیارة الموتیٰ و القبور۔

کہ اٹھارہویں فصل اس بیان میں ہے کہ موتیٰ اوراہل قبور سے کس طرح نفع حاصل ہو سکتاہے۔

منعقد کرکے چند مقدمات کے بعد لکھتے ہیں کہ انسان جب ایک انسان قوی النفس، کامل الجوہر، شدید التاثیر کہ قبر کے پاس جاکر کھڑاہو جاتاہے تواس کانفس اس تربت سے متاثر ہو جاتاہے چونکہ نفس کا تعلق خاص اور عشق ہے اس بدن سے جس میں کافی عرصہ تک دنیامیں رہ چکاہے۔لہذااس زائرحی کواس میت کے نفس سے (بوجہ اجتماع دونوں کے اس تربت پر) ملاقات ہوجاتی ہے پس ان دونوں نفوس کی مثال ایسی ہے جس طرح کہ دوشفاف صیقل شیشے ایسے رکھے جائیں کہ ایک دوسری کی شعائیں ان میں منعکس ہوں پس جو معارف برہانی وعلوم کسبی اوراخلاق حمیدہ اس زائر کے نفس میں حاصل ہوجاتے ہیں تو اس سے ایک نورمیت کی روح میں منعکس ہوجاتاہے اور جو علوم نورانی کاملہ روح میت میں ہیں وہ اس زائر کی روح میں منعکس ہوجاتے ہیں تو یہ سلسلۂ ہر دوطرف سے بوجہ اجتماع دونوں کے اس قبرپر ہوتاہے توزیارت قبر حقیقت میں اس منفعت کبریٰ اور بہجت عظمیٰ کاروح زائر کیلئے اورروح مزوردونوں کیلئے بہترین سبب بنااوریہی وجہ زیارۃالقبور کی مشروعیت کی ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائداوراسرارہیں جو کامل النفس سے مخفی نہیں۔وتمام العلم بحقائق الاشیاء لیس الاعنداللہ۔

علامہ میر السید الشریف الجرجانی شرح المطالع کے اوائل میں لکھتے ہیں کہ توسل اور فیض ارواح سے بعد ازتجرد عن الابدان بھی حاصل ہوتاہے کیونکہ ان ارواح کا تعلق اپنے ابدان کے ساتھ تھااوراس حالت میں تکمیل نفوس کی طرف اپنے ہمم

عالیہ کی بناءپر متوجہ تھے تو اس کا اثراب بھی ان میں باقی ہے اس وجہ سے ان کے مزارات پر جانا فیضان کثیرہ کا معد ہے جو اصحاب بصائر کے مشاہدات میں سے ہیں۔

انتهىٰ بادنىٰ تغير۔ پس امام رازی، علامہ تفتازانی اور میر سید شریف رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر متکلمین اولیاءاللہ کے روحانی فیض کے بعد الموت بھی قائل ہیں اور ان کے مزارات پر جانا باعث برکت اور حصول منفعت کبریٰ سمجھتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور عفو کا دارومدار ہے کیونکہ ظاہر و باطن کی اصلاح سے اور خضوع للہ اور اخلاق حمیدہ سے یقیناً اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشی اہم مقصد حیات انسانی ہے۔لہٰذا جو ذرائع اس مقصد عظمیٰ کے ہیں ۔ان پر عمل کرنا بھی اہم مقاصد میں سے ہے اور اس راستہ میں شیاطین الجن والانس میں سے جو بھی سدراہ بنیں اس کیلئےوَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ کے مطابق اسلحہ جہاد تیار فرمائیں۔

مقدمہ

نحمده ونصلى على رسوله الكريم امابعد!

دور حاضر جو برمان رسول اکرم ﷺ فتن وفساد اور دنیا کی حرص وہوس کا دور ہے دنیاوی مال ومتاع کے فتنوں سمیت دینی، مذہبی اور خانقاہی فتنے بھی برپا ہیں، نااہل وناخواندہ حضرات مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز ہیں اور اپنی لاعلمی وجاہلیت کی بناء پر آئے روز نئے فتنے معاشرے میں پھیلا کر مسلمانوں کے مابین نفرتوں کو ہوا دے رہے ہیں، حال ہی میں کوئی نام نہاد پیر ومرشد جو علم وعمل وعقیدے سے عاری ہے نے علی الاعلان اپنے متعلقین کے ساتھ پنجاب کے کسی علاقے میں کسی بزرگ کے مزار پر بآواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے مزار کے ارد گرد طواف کا کرتب وتماشا دکھا کر اہل شریعت وطریقت کو انگشت بدندان حیران کر کے ملک عزیز پاکستان میں ایک نئی جاہلیت وبدعت وفتنے کا دروازہ کھول دیا، اگرچہ فوراً ہی علماءومشائخ اہل سنت وجماعت نے اس گمراہ کی گرفت فرماتے ہوئے تحریراً وتقریراً رد فرما کر دنیا کو بتادیا کہ اس طرح کے جاہلوں کے کرتبوں سے اہلسنت کا دامن پاک ہے اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فتاویٰ سے اظہر من الشمس دلائل پیش کر دیئے کہ اس جاہل نامراد کا بریلویت واہلسنت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اپنی من مانی اور جاہلیت کی بناء پر معاشرے میں نام پیدا کرنے کی کوشش کرتے کرتے بدنام ہو گیا۔

الحمدللہ! پیرومرشدم حضرت علامہ مفتی سید احمد علی شاہ سیفی قدس سرہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی شایان شان اس گمراہ اوراس کی گمراہ کے رداوراہل سنت خواص وعوام کے عقائد کے تحفظ اور مسلک دشمنوں کی زبانوں پر قفل لگانے کی غرض سے ایک مختصر ومدلل تحریر پیش فرماکر یہ ثابت کردیا کہ ہر فرعون کے لئے موسیٰ ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب مبارک نے زیارت قبور کے جواز واستحباب اوراہل اللہ کی قبور سے فیوض وبرکات کے حصول اور زیارت قبور کے مسنون طریقہ پر دلائل ظاہرہ باہرہ پیش فرماکراس مسئلے کی بھی وضاحت فرمادی کہ اکابرینِ اہل طریقت وشریعت کی عبارات سے اگرچہ فیوض وبرکات کے حصول کے لئے طواف کرنایااہل اللہ کی قبور کوبوسہ دیناجائزہے مگر حالات حاضرہ اور جاہل پیروں کے کرتبوں کودیکھ کران جائزامور کے بارے میں محتاط رویہ اختیار فرمانے والے اکابرین وفقہاء کے ان عبارات کی تائید فرمادی جنھوں نے ان امور سے روکاہے جیسے جیسے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارات کہ قبور کوہاتھ نہ لگایانہ چوماجائے وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ بعض معمولات پر اگرچہ جواز کے دلائل موجودہیں لیکن اگر مسائل کومطلقاً کرنے کی اجازت دی جائے توعوام الناس توکیابہت سے جاہل سجادہ نشین بھی گمراہی میں واقع ہوجاتے پیر جیسے کہ حال ہی میں یہ فتنہ برپاہوا۔

حضرت شاہ صاحب مبارک سمیت تمام مانعین علماءنے اس عمل میں رسول اللہ ﷺ کے عمل مبارک کی اقتداء فرمائی ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاسے فرمایاکہ اگر جاہلیت کادور قریب نہ گزراہوتااورلوگوں کے مابین فتنے وفساد کاخوف نہ ہوتاتو میں حطیم کوکعبہ کے اندرداخل فرماکرکعبے کوابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرواتا۔ (رواہ البخاری)

آخرمیں ناچیز تمام علماءاہلسنت کے خاکِ پابن کراور حضرت پیرومرشد کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے تمام علماءو پیرو مرشد کریم کے لئے دست بدعاہے کہ اللہ تعالیٰ ان اکابرین کاسایہ ہم جیسے ناکارہ کے سروں پر قائم ودائم رکھ کرہمیں ان کے فیوضات سے مستفیض فرمائے اوراللہ تعالیٰ ان تمام علماءومشائخ کے مابین اتحادواتفاق عطافرماکران کوعزت، خوشی اور سکون کی زندگی عطافرمائے، اور جن علماءومشائخ نے مذہب کے خلاف کمربستہ ہوکر فتنہ وفساد کاماحول بنایاہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی ہدایت الی الحق اور ہم سمیت استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔العبد۔

نیز زیارۃ القبور روایات صحیحہ سے بھی ثابت ہے

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، وَحَمَّادٍ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْقُبُورِ أَنْ تَزُورُوهَا، فَزُورُوهَا وَلَا تَقُولُوا: هَجْرًا"۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا قبروں کے زیارت سے۔ تو اب زیارت کرو قبروں کی لیکن بری بات زبان سے نہ کہو۔[1]

عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ، قَالَ: السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قبرستان میں تشریف لے جاتے تو فرماتے (یہ الفاظ دعائیہ زبان مبارک پر ہوتے) السلام علی اھل الدیار الخ: کہ قبروں میں رہنے والے مسلمانو! سلامتی ہو تم پر ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کے خواستگار ہیں۔[2]

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا؛ فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت کرنے سے۔ تو اب زیارت کرو قبروں کی کہ یہ دنیا میں زاہد (دنیا سے بے رغبت) بناتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔[3]

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے تم لوگوں کو (ابتداء میں) قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا (بوجہ قرب زمانہ جاہلیت کے کہ کفار اپنے بزرگوں کی زیارت پر کلمات قبیحہ وشرکیہ کہتے تھے اوران کو نافع اور ضار حقیقۃً سمجھتے تھے کہ یہ اصحاب القبور جو بھی کرنا چاہیں تو بغیر اذن الٰہی کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان امور جزئیہ میں محتاج نہیں اور ماذون مطلق ہیں) مگر اب اجازت ہے جاسکتے ہو۔ اس میں تمہاری بہتری اور خیر کا پورا سامان ہے۔ (کیونکہ احکام شرعیہ واضح طور سے بیان ہوگئے ہیں توحید ورسالت کی حقیقت اوراس کی تعلیم قوم کے سامنے کھل کر بیان ہوگئی ہے عالم الغیب اور نافع وضار، مالک

---

[1] (مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي كتاب الصلاة)

[2] (مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي كتاب الصلاة)

[3] (سنن ابن ماجه ج ا ص ۱۰۵ بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ)

خیر وشر، حیی قیوم اور ظاہر وباطن کا جاننے والا مطلقاً ہر آن وہر زمان اور ہر مکان میں وہی ذات **وحدہ لاشریک له** ہے۔اس کے ساتھ کوئی بھی ان صفات کمالیہ میں شریک نہیں۔یہی اس میں مستقل اور فاعل ومختار ہے اور مخلوق میں بعض صرف ذرائع اوروسائل ہیں جن کے ذریعہ سے فیضان وجود وقضاء حاجات اوردافع بلاء وغیرہ فرماتے ہیں تواصحاب القبوراوران میں اصحاب نبوت وولایت شفیع اوروسیلہ فیضان الٰہی ہیں اوران کی صحبت وزیارت سے تورقت قلب اوردنیاسے بے رغبتی اورآخرت کی یادحاصل ہوتی ہے تواب تمہارے جانے میں کوئی خطرہ نہیں اب توبوجہ مکمل مسلمان اوراحکام شرعیہ سے واقف ہونے کے ایسا قول اور فعل نہ کروگے جس سے عادت جاہلیت کی بوآتی ہو بلکہ اس سے اپنے آپ کوبچاؤگے۔)چونکہ پھر بھی عادت قدیمہ کی وجہ سے تقاضابشری کے ماتحت خطرہ تھاکہ کچھ خلاف شرع بات زبان سے نہ نکالیں توفرمایا(**وَلَا تَقُولُوا: هَجْرًا**)کہ باطل اور بری بات زبان سے نہ نکالو۔وہی بات کہنی چاہیئے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو اور صاحب قبر کو بھی تکلیف نہ ہو۔

استحباب زیارۃ القبور

روایات سے معلوم ہواکہ زیارت القبور میں کوئی ممانعت نہیں بلکہ مستحب ہے اگرچہ قاعدہ اصولیہ(**ان الامر بعد الحظر للحظر للاباحة**)کی روسے مباح ہونی چاہیئے مگر جناب رسول اللہ ﷺ کا بار بار جنت البقیع میں زیارۃ القبور کیلئے جانااوراسی طرح شہداءاحد کی زیارت کے لئے میدان احد کی طرف تشریف لے جاناجوروایات صحیحہ سے ثابت ہے اس بات پر دلیل واضح ہے کہ یہ مستحب اور سنت ہے اگرچہ بعض نے واجب فرمایاہے لیکن جمہور محققین کامسلک استحباب ہے۔**واتفقوا على ندبها للرجال في قبور المسلمين وإن بلوا**،[1] زیارۃ القبور مستحب ہے۔[2]**کمافی البحر عن المجتبیٰ۔**

اورہفتہ میں ایک بارزیارۃ القبور ہونی چاہیئے۔ کمافی مختارات النوازل مگرجمعرات، جمعہ اورہفتہ،پیراورپھربقول محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ جمعہ کادن بہتر ہے۔

قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي فَتَاوِيهِ: وَلَا تُتْرَكُ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ كَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذَلِكَ، بَلْ عَلَى الْإِنْسَانِ فِعْلُهَا وَإِنْكَارُ الْبِدَعِ، بَلْ وَإِزَالَتُهَا إنْ أَمْكَنَ۔اهـ۔[3]

---

[1] دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج۵ص ۱۹ باب استحباب زیارۃ القبور للرجال۔

[2] شامی ردالمحتار ج ۱ ص ۸۴۳۔

[3] ردالمحتار علی الدر المختار باب مطالب فی زیارۃ القبور ج ۲ ص ۲۴۲۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک فرمایا کہ زیارۃ القبور کو بوجہ منکرات و مفاسد کے جو وہاں ہوتی ہیں مثلاً مردوں اور عورتوں کا اختلاط یا اس قسم کے اور مفاسد اور منکرات (قمار بازی ، رقص اور ہیجڑوں وغیرہ کے گانے بجانے، غنڈوں اور فساقوں کے جمگھٹے) ترک کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ جو اعمال صالحہ ہوں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے وہ ایسے منکرات یا اقوال وافعال کی وجہ سے جو بوجہ جہالت زائرین سے صادر ہوتے ہیں نہیں چھوڑے جاسکتے بلکہ اگر اس کی قدرت میں روک ٹوک نہیں تو ان افعال و اقوال کو برا سمجھتے ہوئے اور انکار کرتے ہوئے زیارۃ القبور کا شرف حاصل کرے اور اگر ممکن ہو اور اس کے بس میں ہو تو ان منکرات کا ازالہ بھی کرے۔

معلوم ہوا کہ زیارۃ القبور سے کسی کو روکنا اور منع کرنا نہیں بلکہ اہل علم اور زیارۃ القبور کے آداب سے واقف حضرات کو چاہئیے کہ عوام کو آداب زیارت سے مطلع کریں اور عملاً بھی آداب کی تعلیم دیتے ہوئے مزارات کا شرف حاصل کریں۔

فرض کریں کہ ایک شخص ہے کہ وہ دو رکعت نماز نفل یا فرض مسجد میں ناپاک کپڑوں کے ساتھ پڑھ رہا ہے یا وہ نماز میں دائیں بائیں اوپر نیچے بغیر کسی تردد کے دیکھ رہا ہے یا وہ قومہ ، جلسہ ، رکوع ، سجود مسنون طریقہ سے نہیں ادا کر رہا تو کیا اس شخص کو ہم یہ کہیں گے کہ نماز حرام ہے۔ نماز مت پڑھو اور تمہیں مسجد میں نہیں آنا چاہیئے یا اس کو نہایت نرمی اور حکیمانہ رنگ میں (جب مخاطب جلالی طبیعت یا اس کی عمر کا اکثر حصہ جہالت اور اسی عادت غیر مشروعہ میں گزرا ہے) سمجھائیں گے۔ برادر، دوست ، مہربان اور بزرگ وغیرہ جیسے اچھے اور مہذب الفاظ میں اس سے خطاب کریں گے اور اس کو بتائیں گے کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہم پر نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد اور دین کی نشر و اشاعت فرض کیا ہے اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے قولاً و فعلاً ہمیں اس کی تعلیم دی ہے اور اس کا طریقہ سکھلایا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم نماز ادا کرنے کیلئے آؤ تو وضو کرو اور اس طرح کرو۔ پھر نماز پڑھو تو اس طرح پڑھو اور اس میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ ادا کرو تو اس طرح سے ادا کرو اور نماز کو سکون اور وقار، خشوع اور حضور سے ایسے پڑھا کرو۔ علی ھذاالقیاس۔ تو تمام آداب اور واجبات اور سنن بمعہ فرائض کے ہم اس کو بتائیں گے تاکہ آئندہ وہ نماز صحیح اور مسنون طریقے سے ادا کرے۔

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و شہداء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات اور مشاہد پر جانا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ مستحب اور مسنون ہے۔ اب اگر کوئی اس مستحب اور مسنون فعل کو غلط اور منکر طور سے ادا کرے تو ہم اس کو سمجھائیں گے کہ دوست! زیارت اور مشاہد مبارکہ پر حاضری تو بہتر ہے باعث برکت و فیض اور تذکرہ آخرت ہے مگر جس طرح تم حاضری

دیتے ہو اور جو اقوال وافعال زیارت کرنے کے وقت تم سے صادر ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جو اسی صاحب قبر بزرگ نے بھی نہیں کئے بلکہ اس کی ممانعت فرمائی ہے اگر ہمیں کچھ فیض وبرکت حاصل کرنا ہے یا اللہ تعالیٰ سے اسی پیغمبر ﷺ یا ولی علیہ الرحمۃ کے وسیلہ سے سوال کرنا ہے تو اسی عقیدہ اور طریقہ کو اختیار کرنا پڑے گا جو ہمارے لئے مفید ہو اور اس پیغمبر ﷺ یا ولی علیہ الرحمۃ کیلئے باعث خوشی اور رفع درجات ہو لہٰذا زیارۃ القبور کے آداب جناب رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور فقہاء ومحدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی زبانی یہ ہیں اور اس کی روشنی میں ہم سب برکات اور دنیا وآخرت کی خوشی اللہ تعالیٰ کی رضا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی شفاعت حاصل کرسکتے ہیں۔ آداب زیارۃ القبور کو ان شاء اللہ تعالیٰ اسی رسالہ کے آخر میں عرض کردوں گا۔

زیارۃ القبور کی اقسام:

زیارۃ القبور کی غرض وغایت کے لحاظ سے علماء نے کئی اقسام بیان کی ہیں۔

علامہ محمد بن الصدیقی المکی نے شرح ریاض الصالحین للنووی ج۵ ص۱۹ پر علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ زیارت اگر محض تذکر موت وآخرت کیلئے ہو تو کسی شخص کی قبر دیکھنا کافی ہے۔(مسلم دون مسلم کی کوئی تخصیص نہیں)

اگر اس کے علاوہ دعا بھی مقصد ہو کہ صاحب قبر کے حق میں دعائے مغفرت بھی کی جائے تو اس کیلئے کسی مسلمان کی قبر میسر آئے تو کافی ہے کیونکہ دعا مسلمان ہی کے حق میں ہوسکتی ہے مردہ کافر کے حق میں منع ہے یا مقصد اس کے علاوہ تبرک بھی ہو کہ زیارت پر جاکر دعا اور یاد موت کے علاوہ صاحب قبر سے برکات اور فیوضات بھی حاصل کروں تو اس کو اہل خیر اور اولیاء اللہ کی زیارت پر جانا چاہئیے۔

فی من لاھل الخیر لان لھم فی برازخھم تصرفات وبرکات (باذن اللہ تعالیٰ) لایحصیٰ مددھا۔

کیونکہ اولیاء اللہ کو عالم برزخ میں وہ برکات اور تصرفات اللہ تعالیٰ کے حکم اور فضل سے حاصل ہیں جن کا کوئی شمار واندازہ نہیں۔

آگے علامہ کی عبارت صرف طلبہ کی خاطر لکی جاتی ہے لہٰذا مطلب کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

والعقل ایضاًیقتضی ذلک کماقال العلامۃ التفتازانی فی شرح المقاصدوھو من امھات کتب اصول الدین فی ص ۳۲۔

من الجزءالثانی منہ فی الردعلی الفلاسفۃ لماکان ادراک الجزئیات مشروطاعندالفلاسفۃ بحصول الصورۃ فی الآلات فعندمفارقہ النفس وبطلان الآلات لاتبقی مدرکۃ للجزئیات ضرورۃ انتفاءالمشروط بانتفاءالشرط ،وعندنالمالم تکن الآلات شرطافی ادراک الجزئیات امالانہ لیس بحصول الصورۃ لافی النفس ولافی الحس واما لانہ لایمتنع ارتسام صورۃالجزئی فی النفس۔

بل الظاھر من قواعدالاسلام انہ یکون للنفس بعدالمفارقۃ ادراکات جزئیۃ واطلاع علی بعض احوالہ الاحیاء سیماالذین کان بینھم وبین المیت تعارف فی الدنیاولھذاینتفع بزیارۃالقبور والاستعانۃ بنفوس الاخیار من الاموات فی استترال الخیرات واستدفاع الملمات فان للنفس بعدالمفارقۃ تعلقاًمابالبدن وبالتربۃ التی دفن فیھافاذازارالحی تلک التربۃ وتوجھت نفسہ تلقاءنفس المیت حصل بین النفسین ملاقاۃو اضافات انتھی۔

فیاایھاالطالب اللبیب قدعلمت ان الاھل الخیرفی برازخھم تصرفات وبرکات ینتفع بھاالزائرومثل ھذاالعالم المحقق یعتقدھاو یبینھافعلیک باتباعہ۔

اوریامقصد ادائے حق ہو کہ جاکر اپنے والدیا دوست کا حق بھی ادا کروں تو اس کو خاص والدیا دوست کی قبر پر جانا چاہئے۔

لخبر ابی نعیم من زارقبر والدیہ او احدھمایوم الجمعۃ کان کحجۃ ولفظ البیھقی غفرلہ وکتب لہ براءۃ۔

کیونکہ ابونعیم کی روایت ہے کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی تو اس کو ایک حج کی مانند (ان شاء اللہ تعالیٰ) تو ثواب ملے گا اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش اور جہنم سے بری ہو لکھ دے گا۔

وفی روایۃ ابن عدی عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من زارقبر والدیہ او احدھمایوم الجمعۃ فقرأ یٰس غفرلہ کذافی شرح عین العلم للملاعلی القاری ج ۱ ص ۳۹۶۔

ایک دوسری روایت میں بھی ہے کہ جو ملا علی القاری نے ذکر کی ہے کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی اور سورہ یٰس پڑھ کر اس کا ثواب بخش دیا تو اس کی بخشش کی جائے گی۔

اوریامقصد تانیس وانس اور رحمت ہو تو اس کو دوست اور محب کی قبر پر جانا چاہئے۔

لخبر انس مایکون المیت فی قبرہ اذارأی من کان یحبہ فی الدنیا (وفی شرح الشفاءللشھاب الدین الخفاجی ج۳ص ۱۱۵،ان المیت انس مایکون اذازارہ من کان یحبہ فی دار الدنیاوَفِي الْأَرْبَعين الطائیۃرُوِيَ عَن النَّبِي صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم أَنه قَالَ آنس مَايكون الْمَيِّت فِي قَبره إِذا زَارَهُ من كَانَ يُحِبهُ فِي دَار الدُّنْيَا۔[1])

[1] شرح الصدور ص ۸۵۔

کیونکہ روایت میں ہے کہ جب میت کی قبر پر اس کا دوست اور محب آجائے تو اس کے دیکھنے سے اس کو زیادہ انسیت اور محبت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

ولایسن سفرالرجل لاجل الزیارۃ الاقبرالنبی ﷺ اوعالم اوصالح لانھم احیاءفی قبورھم ویعطی اللہ لارواحھم قوۃ الاجسادفیذھبون من الارض والسماءوالجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمرون اعدائھم ان شاءاللہ تعالیٰ ومن اجل ذلک الحیاۃ لاتأکل الارض اجسادھم ولااکفانھم۔

اور کسی کو سفر کی زحمت کسی قبر کی زیارت کی وجہ سے نہیں اٹھانی چاہیئے سوائے قبر نبی ﷺ۔ یاعالم اور صالح کے کیونکہ یہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسمانی قوت کی طرح قوت عطا فرمادیتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت جس کی وجہ سے جہاں بھی جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔ آسمان، زمین اور جنت ہر جگہ جاسکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو اپنے دوستوں کی امداد بھی کرتے ہیں اور دشمن کو شرمندہ، ذلیل اور برباد کرلیتے ہیں چونکہ ان کی حیات بہت قوی ہے لہذا ان کے کفن اور اجسام محفوظ رہتے ہیں اور زمین نقصان نہیں پہنچاتی۔[1]

عورتوں کا قبروں پر جانا

عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا گیا ہے اس حدیث کے پیش نظر جو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَحَسَّانَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَنَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے۔[2]

کیونکہ خواتین ضبط و تحمل پر قدرت نہیں رکھتیں۔ اس لئے قبروں پر جاکر جزع فزع کرنے لگتی ہیں اور اکثر حد اعتدال سے بڑھ کر گستاخی بھی کرلیتی ہیں اور یہ سب ناجائز ہے۔ لہذا ہمارے فقہاء روایات کے اختلاف کی وجہ سے اس میں تفصیل کرتے ہیں۔ ایک منع مطلقاً للحدیث المذکور ہے اور دوسرا جواز مطلقاً ہے۔

لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا الحدیث کماذکرت۔

کیونکہ ابتدائے اسلام میں مرد عورت دونوں کو منع کیا گیا تھا۔ جب منع منسوخ ہوا تو اجازت مردوں عورتوں سب کو حاصل ہوگئی۔

---

[1] (تفسیر مظھری ج ۱ ص ۱۵۲)

[2] (السنن الصغیر للبیھقي باب زیارۃ القبور ج ۲ ص ۳۷)

تفصیل سوم **منع من وجه** اور **جواز من وجه** یعنی ایک لحاظ سے جائز اور دوسرے لحاظ سے منع، اگر مقصود زیارت سے ندبہ ونوحہ اور رونا پیٹنا وغیرہ کرنا ہو تب حرام ہے اور اسی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے اور اگر عبرت اور برکت کیلئے ہو تو جائز اور یہ محمل ہے حدیث **فزوروها** کی جس میں عام اجازت ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اگر عبرت اور برکت کیلئے ہو اور خوف، فتنہ وفساد نہ ہو تو جائز ورنہ نہیں۔ پس بڑھیا عورتوں کے لئے جائز ہے کیونکہ ان میں خوف فتنہ نہیں اور جوان عورتوں کے لئے ناجائز۔ جیسا کہ مساجد وجماعات میں آنا ناجائز ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ:

أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ: لَوْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر دیکھتے ان منکرات وغیر شرعی امور کو جو عورتوں نے آپ ﷺ کے بعد ایجاد کئے ہیں اور وہ اس میں مبتلا ہوئی ہیں تو ضرور ان کو منع فرماتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا۔[1]

اس زمانہ میں جب خیرون القرون کا زمانہ تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی کم اعتدالی اور کم ضبطی کا اپنی فقاہت اور خداداد ذکاوت سے اندازہ لگایا کہ اگر یہ حالت جناب رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوتی تو ضرور عورتوں کو مساجد کی حاضری سے منع فرماتے تو آج جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اور تعلیم سے اس قدر دوری ہے اور مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی زندگی دن بدن تنزل میں جارہی ہے تو ایسے نازک اور پر فتن دور میں مستورات کو کس طرح زیارۃ القبور کی اجازت دی جائے۔ ہاں اگر علمائے کرام جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں مستورات کو اس حدیث کی بناء پر کہ:

"من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني"۔

"جو حج بیت اللہ کو آئے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔[2]

"من زار قبري وجبت له شفاعتي"۔

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہو گئی"۔

---

[1] (صحیح مسلم، بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ إِذَا لَمْ يَتَرَتَّبْ عَلَيْهِ فِتْنَةٌ، وَأَنَّهَا لَا تَخْرُجُ مُطَيَّبَةً، ج ۱ ص ۳۲۸)

[2] (شفاء السقام الحديث الخامس مطبوعہ مكتبہ نوريہ رضويہ فيصل آباد ص ۲۹)

اجازت دیں تو مناسب ہے کیونکہ حضور ﷺ کے مزاراقدس کی وہ خصوصیات وبرکات ہیں جو اور میں نہیں آپ کے حرم کاوہ حصہ جو جسد اطہر سے ملاہواہے وہ بیت اللہ اور عرش معلی سے بھی بہتر ہے اور صرف آپ ﷺ ہی کی زیارت کی خاطر سفر کرناوسیلۂ شفاعت سے مشرف ہوناہے۔ "فكأنما زارني في حياتي" کے شرف سے مشرف ہوناہے۔

اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایاہے کہ:

قَالَ فِي شَرْحِ اللُّبَابِ: وَهَلْ تُسْتَحَبُّ زِيَارَةُ قَبْرِهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لِلنِّسَاءِ؛ الصَّحِيحُ نَعَمْ بِلَا كَرَاهَةٍ بِشُرُوطِهَا عَلَى مَا صَرَّحَ بِهِ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ۔ أَمَّا عَلَى الْأَصَحِّ مِنْ مَذْهَبِنَا وَهُوَ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَنَّ الرُّخْصَةَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ ثَابِتَةٌ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ جَمِيعًا فَلَا إشْكَالَ۔ وَأَمَّا عَلَى غَيْرِهِ فَكَذَلِكَ نَقُولُ بِالِاسْتِحْبَابِ لِإِطْلَاقِ الْأَصْحَابِ, وَاَللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

شرح اللباب میں ہے کہ کیامستورات کاجاناجناب رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس پر مستحب ہے ۔ صحیح یہ ہے کہ جائزاور مستحب بلاکراہت ہے جب اپنی شرائط کے ساتھ ہوجو بعض علماءنے بیان کی ہیں اور بنابراصح ہمارے مذہب حنفی کے (جو علامہ کرخی وغیرہ نے فرمایاہے وہ یہ ہے کہ اجازت زیارۃ القبور میں مرد اور عورت دونوں کو ثابت ہے) توکوئی اشکال نہیں اوراس کے بغیر بھی ہم استحباب کے قائل ہیں بوجہ اطلاق اصحاب کے۔ [1]

بلکہ جناب رسول اللہ ﷺ کے مزاراقدس پر حاضری ان لوگوں کے اوپرواجب ہے جن کی استطاعت اور توفیق زادراہ ہو اور یہ بعض فقہاء کامسلک ہے۔

اہل قبور سے خطاب اوران کااُنس ورَدِّسلام

اہل قبوراپنے عزیز اور مسلمان بھائیوں کے قبرپر آنے سے مانوس بھی ہوتے ہیں۔

اخرج ابن ابی الدنیافی کتاب القبورعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنهاقالت قال رسول اللہ ﷺ مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا یستانس ورد علیه حتی یقوم۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ جوبھی اپنے عزیزبھائی مسلمان کی قبرپرجاکرسلام کہےاوراس کے پاس بیٹھ جائے تومیت اس کوسلام کاجواب دیتاہے اوراس کی رخصت تک اس سے مانوس بھی ہوتاہے۔

[1] (ردالحمتار ج۲ ص ۳۵۳)

نیز:

واخرج ایضاً البیہقی فی الشعب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اذامر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ ردعلیہ السلام وعرفہ واذامر بقبر لایعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنی جان پہچان والے کی قبر پر گزرے اوراس کو سلام کرے تو وہ صاحب قبر اس کو سلام کا جواب دیتا ہے اور پہچانتا ہے اور اگر صاحب قبر جان پہچان والا نہ ہو اوراس نے سلام کیا تو صرف سلام کا جواب دیتا ہے۔

واخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمہید عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ مامن احدیمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام۔ صححہ عبدالحق۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے مسلمان بھائی ، جان پہچان والے کی قبر سے گزرے اوراس کو سلام کرے تو وہ صاحب قبر اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔[1]

وفی فتح الملہم ج ۲ ص ۵۰۸ علی ان الصواب ان المیت اہل للخطاب مطلقا لماسبق من الحدیث مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام۔

پس معلوم ہوا کہ اہل قبور اپنے زائرین سے جس وقت بھی جائیں مانوس ہوتے ہیں اوران کا سلام سن کر جواب دیتے ہیں مگر ہم عوام الناس نہیں سنتے۔

واخرج الحاکم وصححہ والبیہقی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ وقف علی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین رجع من احد فوقف علیہ وعلی اصحابہ فقال اشہدانکم احیاء عنداللہ فزوروہم وسلموا علیہم فوالذی نفسی بیدہ لایسلم علیہم احد الاردوا علیہ الی یوم القیامۃ فی شرح الصدور وفی الباب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اخرجہ الطبرانی وفی الاوسط واخرج الحاکم وصححہ والبیہقی فی الدلائل من طریق العطاف بن خالد المخزومی قال حدثنی عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن ابی بکر عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ زار قبور الشہداء باحد فقال اللہم ان عبدک ونبیک یشہدان ہؤلاء شہداء وان من زارہم الی یوم القیامۃ ردوا علیہ۔

[1] (شرح الصدور ص ۸۴)

ایک دن کا ذکر ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ احد سے واپسی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم خدا کے نزدیک زندہ ہو پس اے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام کہو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ قیامت تک جو شخص ان کی قبور کو آئے اور ان کو سلام کہے تو یہ سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

شہداء اور صلحاء کی قبور کو جب کوئی جائے اور سلام عرض کرے تو وہ جواب دیتے ہیں ایک اور روایت صحیحہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ شہداء احد کے قبور کو تشریف لے گئے تو فرمانے لگے کہ اے باری الہ بے شک تیرا بندہ ورسول گواہی دیتا ہے کہ یہ سب شہید ہیں اور جو قیامت تک ان کے مزارات پر آئے اور ان پر سلام کہے تو یہ جواب دیتے رہیں گے۔

سماع موتی

ان روایات سے جس طرح خطاب، انس، رحمت اور جواب سلام ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح معرفت، فہم۔ رویت اور سماع بھی ہوتا ہے کہ اہل قبور اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں۔ پہچانتے ہیں ان کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور ان کے سلام کو سن کر جواب دیتے ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل اس کے افہام و تفہیم سے عاجز ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاوی عزیزی ص ۲۲۴ پر اس مسئلہ میں (کہ انسان کا ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے یا نہیں یا جس قدر ادراک و شعور زمانۂ حیات میں رہتا ہے اس قدر ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے یا نہیں۔ اور جو شخص زیارت کیلئے جائے اس کو میت پہچانتا ہے اور اس کا سلام و کلام سنتا ہے یا نہیں) مثبت پہلو اختیار کر کے تحقیق فرمایا ہے کہ انسان کا ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے۔ اس امر میں شرع شریف اور قواعد فلسفی میں اتفاق ہے اور ادراک و شعور اہل قبور کا بعد موت کے بعض امور میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ تفصیل کیلئے فتاویٰ عزیزی ملاحظہ فرمائیں۔

سماع موتی اس روایت سے بھی معلوم ہوتی ہے:

اخرج الشیخان وغیرھما من طریق قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم۔ الحدیث واخرج الطبرانی فی الاوسط وابن مردویہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال شھدنا جنازۃ مع رسول اللہ ﷺ فلما فرغ من دفنھا وانصرف الناس قال انہ الآن یسمع خفق نعالکم۔ الحدیث۔ واخرج ابن ابی شیبۃ والطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی صحیحہ والحاکم

والبیھقی فی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ۔ الحدیث شرح الصدور وبشری الکثیب لخاتم المحدثین الحافظ جلال الدین سیوطی ص ۵۸-۵۴۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے (اور دفن وغیرہ کرکے) سب اعزہ واپس اس سے روانہ ہو جاتے ہیں تو یہ صاحب قبر ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ یہ مضمون بہت احادیث میں بیان ہوا ہے۔ غرض یہ ہے کہ پہلی روایات اوران روایات دونوں کو ملا کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل قبور کو سماع ہے اور یہ کسی وقت پر خاص نہیں سوائے اذن اللہ تعالیٰ کے۔ کہ اس کی مشیت اوراذن پر ضرور مخصوص ہے۔ ان شاء کان وان لم یشالم یکن۔ اوراسی عالم میں بھی یہی حال ہے کہ بغیر مشیت ایزدی کے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا، ہر مخلوق اپنی نوعیت میں اپنی ضرورت کے مطابق اس کی محتاج ہے۔

وقال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور وسمع کلامه وانس به ورد سلامه علیه وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم وانه لا توقیت فی ذلک قال وھو الاصح من اثر الضحاک الدال علی التوقیت قال وقد شرع ﷺ لامته ان یسلموا علی اھل القبور سلام من یخاطبونه ممن یسمع ویعقل۔

علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قبور کے پاس جب بھی کوئی آئے تو یہ اس کو پہچانتے ہیں اوراس کے کلام کو سنتے ہیں اوراس سے مانوس ہوتے ہیں اور سلام کے جواب بھی دیتے ہیں اور یہ شہداء وغیرہ سب کے حق میں ہے نہ ان کی اور نہ اس میں کسی وقت کی تخصیص ہے پس جس اثر یا قول صحابی سے کچھ تخصیص معلوم ہوتی ہے تو وہ صحیح نہیں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کیلئے جائز رکھ کر حکم فرمایا ہے کہ تم اہل قبور پر اسی طرح کرو جس طرح تم ذی عقل اور سننے والوں کو کرتے ہو۔[1]

ایک غلط فہمی

انور شاہ کشمیری دیوبندی کہتے ہیں کہ سماع موتیٰ کے باب میں احادیث تقریباً تواتر تک پہنچ چکی ہیں تو اس سے انکار بے محل ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سماع موتی سے منکر ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ ہمارے ائمہ میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا اور ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ اس مشہور کا کوئی اصل

[1] (شرح الصدور ص ۹۳، ۹۴)

نہیں بلکہ بعض کو باب الایمان میں ایک مسئلہ کی وجہ سے یہ دھوکہ ہوا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم کھا کر کہا کہ میں زید سے کلام نہیں کروں گا۔زید مر گیا مرنے کے بعد یہ شخص اس کی قبر پر جا کر اس سے ہم کلام ہوا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص حانث نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے تو اس سے بعض نے یہ اندازہ لگایا کہ امام صاحب کے نزدیک مردہ سنتا نہیں اس وجہ سے وہ حانث نہیں ہوا حالانکہ یہ وجہ نہیں بلکہ عدم الحنث اس وجہ سے ہے کہ ایمان اور قسم کا دارو مدار عرف پر ہے اور اہل عرف ایسے کلام کو کلام نہیں کہتے (بلکہ دیہاتی اور ناخواندہ سماع موتیٰ کو جانتے بھی نہیں۔وہ تو کلام اس کو کہتے ہیں کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا جائے جو سامنے نظر آتا ہو اور کلام کرنے کے وقت یہ محسوس ہو کہ سن رہا ہے۔اگر ناموافق بات ہوئی ہو تو اس کی ناراضگی کی علامات بھی نظر آجاتی ہیں اور اگر جواب دیتا ہے تو یہ کلام والا سنتا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ سب اس کلام میں جو صاحب قبر سے ہوتا ہے مفقود ہے لہذا عرف عام میں چونکہ یہ کلام نہیں تو کلام کرنے والا زید سے حانث بھی نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ صاحب قبر سنتا نہیں۔سنتا تو ہے مگر جواب ایسا نہیں دے سکتا جو ہر ایک ہر وقت سن سکے یا مردہ کو دیکھ سکے۔)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بات بالکل محقق اور ثابت شدہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سماع موتیٰ سے انکار نہیں کرتے۔اگر کوئی طالب علم حضرت علامہ محدث انور شاہ صاحب کی رائے اور اس مسئلہ میں ان کی تحقیق اور منکرین سماع کے ادلہ سے جواب ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔تو کم از کم فیض الباری ص۴۶۲ج ۲ص۴۶۷ص۴۶۸پر ملاحظہ فرمادیں۔اس کے علاوہ سماع موتی کے متعلق تحقیق موافق ما نحن فیہ بلوغ الامانی شرح مسند الامام احمد ص۷۷-۱۷۶فتح الباری ج۷ص۲۴۲قسطلانی ج۶ص۲۰۷عمدۃ الرعایۃ ص۲۲۴ج۲روح المعانی کی اپنی تحقیق بعد از نقل اقوال بمعہ بعض رد کے ص۵۷ج۲اور تفسیر مظہری ج۷ص۱۵۳اور مکمل تحقیق بمعہ جوابات منکرین سماع وتوسل وغیرہ کے مشکوۃ کی شرح اشعۃ اللمعات شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قابل ملاحظہ ہے۔ج۳ص۴۲۰سے ص۴۲۳تک اس کے علاوہ بھی متفرق مقامات اور کتابوں میں ذکر ہے مگر منصف غیر متعصب کے اطمینان کیلئے یہ حوالہ جات کافی شافی ہیں۔باقی رہا منکر و متعصب اس کے لئے ہزاروں کی تعداد پر مستند کتابیں اور روایات صحیحہ بھی کافی نہیں۔

یھدی بہ من یشاء الی صراط مستقیم۔

اور میں نے پشتوزبان میں قرآن عزیز کی جو تفسیر موسوم بہ تفسیر بخاری لکھی ہے اس کی جلد اول ص ۹۵-۸۶ کے حاشیہ پر سماع موتیٰ اور منکرین سماع کے اعتراضات کا مکمل اجوبہ دیئے ہیں جو بزبان عربی ہیں۔ ہر طالب علم اس سے بہ آسانی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ وللہ الحمد۔

قبر میں انبیاء علیہم السلام اوراولیاء اللہ کی نمازاور تلاوت قرآن شریف

"أخرج أبو يعلى و البيهقي و صححه عن أنس رضي الله عنه- أن النبي صلى الله عليه و سلم قال: "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون"- و أخرج الإمام أحمد و مسلم في "صحيحه" و النسائي عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه و سلم قال: "مررت ليلة أسري بي على موسى قائما يصلي في قبره"-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز (تلذذاً) پڑھتے ہیں۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب شب معراج تشریف لے جارہے تھے تو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر پر گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے ہیں اور قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

یہ روایت بہت سے بزرگوں اور محدثین نے نقل کی ہے۔ میں نے عربی حصہ میں صرف طلبہ کی خاطر سب راویوں کا بمعہ حوالہ کے ذکر کیا تاکہ تسلی ہو جائے۔

وقال ابن منده رواه حجاج بن منهال ويونس بن محمدابونصر التمار، وجنان ،وغيرهم عن حماد سليمان التيمى وثابت عن انس،ورواه سفيان ويحيى بن سعيدوعمربن حبيب وجريربن عبدالحميدومعتمربن سليمان ويزيدبن هارون وعيسىٰ وغيرهم عن سليمان التيمى ،ورواه ابوهريرة وعبدالله بن جرادوغيرهماعن النبى ﷺ ،واخرج ابونعيم فى الحلية عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما ان النبى ﷺ مربقبر موسىٰ صلوات الله عليه وهو قائم يصلى فيه وقال ابن سعدفى الطبقات وابن شيبة فى المصنف والامام احمدفى الزهدمعااخبرناعفان بن مسلم قال حدثناحمادبن سلمة عن ثابت البنانى قال اللهم ان كنت اعطيت احدالصلوة فى قبره فاعطنى الصلوة فى قبرى واخرج ابونعيم عن يوسف عن عطية قال سمعت ثابتايقول لحميدالطويل هل بلغک ان احدايصلى فى قبره الاالانبياءقال لاقال ثابت اللهم ان اذنت لاحدان يصلى فى قبره فاذن لثابت ان يصلى فى قبره۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حجاج بن منہال یونس بن محمد، ابونصر التمار، حبان، وغیرہ نے یہ روایت حماد عن سلیمان وثابت عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے روایت کی ہے۔اسی طرح سفیان ۔یحیی بن سعید، عمر بن حبیب ۔جریر بن

عبدالحمید، معتمر بن سلیمان، یزید بن ہارون عیسیٰ وغیرہ نے بھی سلیمان تیمی سے نقل کی ہے۔اور جناب رسول اللہ ﷺ سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن جرادو غیر ہم نے نقل فرمایا ہے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے بھی روایت نقل کی ہے۔ حضرت حماد بن سلمہ ثابت البنانی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی پر آپ نے یہ عنایت کی ہو کہ وہ قبر میں نماز پڑھے (تو حضرت البنانی فرماتے ہیں) تو مجھ پر بھی یہ عنایت اور مہربانی فرما کہ مرنے کے بعد میں قبر میں نماز پڑھوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حمید الطویل کو حضرت ثابت فرماتے تھے کہ تمہیں معلوم ہے کہ سوائے انبیاء علیہم الصلوات والسلام کے کسی نے قبر میں نماز پڑھی ہے؟ تو اس نے فرمایا کہ نہیں حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالی فرمانے لگے کہ یااللہ اگر تو نے کسی کو اجازت دی ہو قبر میں نماز پڑھنے کی تو ثابت البنانی کو قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق واجازت مرحمت فرما۔

واخرج ایضاًعن جبیر قال اناواللہ الذی لاالہ الاھو دخلت ثابت البنانی لحدہ ومعی حمید الطویل فلماسوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فاذاانابہ یصلی فی قبرہ وکان یقول فی دعائہ اللھم ان کنت اعطیت احدامن خلقک الصلوۃ فی قبرہ فاعطنیھا، فما کان اللہ لیرددعاءہ (کما ورد لو اقسم علی اللہ الابرہ۔)

حضرت جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے نہیں کہ جب میں اور حمید الطویل دونوں مل کر حضرت ثابت البنانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قبر میں اتارنے لگے اور لحد کے اوپر اینٹوں کو برابر کرکے لحد کو بند کیا تو یکدم ایک اینٹ گر گئی کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

اور آپ زندگی میں اپنی دعامیں یہ پڑھ رہے تھے:

اللھم ان کنت اعطیت احدامن خلقک الصلوۃ فی قبرہ فاعطنیھا۔

یااللہ اگر تو نے کسی کو اجازت دی ہو قبر میں نماز پڑھنے کی تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق واجازت مرحمت فرما۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو رد نہیں کیا بلکہ قبول فرما کر نماز پڑھنے کا شرف عالم برزخ میں بھی عطافرمادیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض بزرگوں کو قرآن شریف پڑھنے کی توفیق بھی قبر میں عنایت فرمائی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ کے زمانہ میں جن اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک قبر پر خیمہ بوجہ لاعلمی کے نصب کیا۔ یعنی اس کو معلوم نہ تھا کہ یہاں کسی بزرگ یا صحابی کی قبر ہے۔ ایک وقت کیا دیکھتا ہے کہ قبر سے آواز آرہی ہے سورہ ملک پڑھنے کی یہاں تک کہ اس نے سورت کو ختم کردیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہو کر یہ سب قصہ سنایا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ منجیہ اور مانعہ ہے اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ حضرت ابو القاسم سعدی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ بالکل صاف طور سے معلوم ہوا کہ اہل قبور عالم برزخ میں اپنے قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے ایک قصہ سنایا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی اور انکار نہیں فرمایا (آج کل اگر اس طرح کا قصہ پیش آئے تو کم فہم یا مغربی تہذیب زدہ یا بزرگوں کے فیض سے محروم ضرور یہ کہہ دیں گے کہ تم پاگل ہوگئے ہو، تم پر وہم سوار ہے یا نعوذ باللہ کوئی شیطان تھا جو تم کو گمراہ کرتا تھا اور تمہاری توجہ اہل قبور کی طرف پیدا کرتا تھا یا اور کوئی جن یا روح خبیث تھی جو تمہارے ایمان کو لوٹنے کے واسطے آئے تھے جیسا کہ بزرگوں کی کرامت اور ایسے خرق عادات کے متعلق تمسخر اڑانے والے عوام میں کیا خواص میں بھی (ابتلاءً) موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

علامہ امام کمال الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب العمل المقبول فی زیارۃ الرسول میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صاف دلالت کررہی ہے اس بات پر کہ میت ہی قبر میں سورہ ملک پڑھتا تھا اور اس روایت میں ایک ایسے امر کا ذکر ہوا جو اللہ تعالیٰ نے بعض اولیاء پر اس کا احسان فرمایا تھا، اسی طرح بعض پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان واکرام فرمایا ہے کہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور تھے وہ اسی کی دعا مانگنے والے اپنی حیات میں (جس طرح کہ ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ آپ نے سن لیا) جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو عالم برزخ میں اپنی طاعت وعبادت سے متمکن فرمایا تو انبیاء علیہم الصلوات والسلام بطریق اولیٰ اس نعمت اور اکرام سے متمکن اور سرفراز ہوں گے۔

وَأخرج التِّرْمِذِيّ وَحسنه وَالْحَاكِم وَالْبَيْهَقِيّ عَن إِبْنِ عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ ضرب بعض أَصْحَاب النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خباء على قبر وَهُوَ لَا يحْسب أَنه قبر وَإِذا فِيهِ إِنْسَان يقْرَأ سُورَة الْملك حَتَّى ختمهَا فَأتى نَبِي الله فَأخْبرهُ فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم هِيَ المنجية هِيَ الْمَانِعَة تنجيه من عَذَاب الْقَبْر۔[1]

قَالَ أَبُو الْقَاسِم السَّعْدِيّ فِي كتاب الرّوح هَذَا تَصْدِيق من النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِأَن الْمَيِّت يقْرَأ فِي قَبره فَإِن عبد الله أخبرهُ بذلك وَصدقه رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم

وَقَالَ الإِمَام كَمَال الدّين بن الزملكاني فِي كتاب الْعَمَل المقبول فِي زِيَارَة الرَّسُول هَذَا الحَدِيث وَاضح الدّلَالَة على أَن الْمَيِّت كَانَ يقْرَأ فِي قَبره سُورَة الْملك وَقد وَقع فِي هَذِه الرِّوَايَة ذكر إكرام الله بعض أوليائه بذلك وإكرام

[1] سنن الترمذی ج۴ص ۱۶۴ بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ سُورَةِ المُلْكِ۔ شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۷۹

بَعضهم بِالصَّلَاةِ وَ كَانَ يَدْعُو الله فِي حَيَاته بذلك فَإِذا كَانَ من كَرَامَة الله لأو ليائه تمكينهم من الطَّاعَة وَ الْعِبَادَة فِي الْقَبْر فالأنبياء بطريق الأولى۔[1]

وَ قَالَ الْحَافِظ زين الدّين بن رَجَب فِي كتاب أهوال الْقُبُور قد يكرم الله بعض أهل البرزخ بِأَعْمَالِهِ الصَّالِحَة فِي البرزخ وَإِن لم يحصل لَهُ بذلك ثَوَاب لإنقطاع عمله بِالْمَوْتِ لكنه إِنَّمَا يبْقى عمله عَلَيْهِ ليتنعم بِذكر الله وطاعته كَمَا تتنعم بذلك الْمَلَائِكَة وَأهل الْجنَّة فِي الْجنَّة وَإِن لم يكن على ذَلِك ثَوَاب لِأَن نفس الذّكر وَالطَّاعَة أعظم نعيما عِنْد أَهلهَا من جَمِيع نعيم أهل الدُّنْيَا ولذتها فَمَا تنعم المتنعمون بِمثل ذكر الله وطاعته۔[2]

وفی باب القراءة والتزاور والتعلم للشهداء والصلحاء روایات وأثار اخرجها الحسن بن البراء فی کتاب الروضة وابن رجب والخلال فی کتاب السنة وابن منده وابو احمد والحاکم والنسائی والبیهقی فی شعب الایمان وابن ابی الدنیا والحارث بن ابی اسامة فی مسنده والعقیلی والوایلی وابن ابی شیبة وابن عدی والخطیب فی التاریخ والترمذی وابن ماجة ومحمدبن یحیی الهذیلی فی صحیحه وابن الجوزی فی کتاب عیون الحکایات بسنده والحافظ الذهبی فی تاریخه وابن عساکر وغیرهم رحمهم اللّٰہ تعالیٰ۔فافهم۔

ایک سوال

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز یا تلاوت قرآن مجید وغیرہ تو عبادات ہیں اور عبادات کیلئے دار العمل والجزاء جس کی وجہ سے عامل مستحق اجر و ثواب ہوتا ہے دنیا ہے عالم برزخ تو دار العمل نہیں نہ وہاں عمل کار آمد ہے تو بیکار ایک مصیبت اور غم میں اپنے آپ کو مبتلاء کرنے سے کیا فائدہ۔ تو اس اشتباہ کے دور کرنے کیلئے علامہ حافظ زین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو بعض اولیاء پر عالم برزخ میں طاعت وعبادت کرنے کا احسان فرمالیتا ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں اگر چہ ان کو اس عبادت کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ بوجہ موت کے جزائے عمل کا سلسلہ منقطع ہوا مگر یہ عمل جزا اور ثواب کی غرض سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اکرام محض اس لئے ان پر فرمایا کہ یہ اس عالم میں اس سے لذت حاصل کریں کیونکہ اللہ والوں کو عبادت کرنے میں ایک عجیب قسم کا مزہ اور لذت ملتی ہے جو اور کسی چیز میں میسر نہیں آتی۔ جس طرح کہ ملائکہ اور اہل جنت کو جنت میں تسبیح و تقدیس اور عبادت سے لذت ملتی ہے اور یہ عبادت اہل اللہ کے نزدیک تمام دنیوی نعمتوں سے بہت بڑی نعمت ہے اس سے مقصود ان کا ثواب نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں بھی بغرض ثواب نہیں بلکہ محض رضائے الٰہی و تعمیل حکم خداوندی کی خاطر عبادت

---

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۷۹۔ مشکوۃ شریف ص ۱۸۷۔ تنویر الایمان فی اتباع مذہب النعمان ص ۲۰۔ حیات الاموات ص ۶۴۔

[2] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۷۹۔

میں مشغول رہتے ہیں جو مقام مقربین کا ہے کہ تیر کھا کر اور سخت مقام خوف وخطر میں بھی اپنی عبادت میں مصروف اور بے خطر رہتے ہیں۔

وقال الشیخ الانور الکشمیری ثم الدیوبندی قدس سرہ لأنَّ المحقَّق عندي أنْ لا تُعطَّل في القُبور بل فیها قراءة القرآن والصَّلاة والأذان وغیرها من العبادات، ولیراجع لها شرح الصدور للسیوطي رحمه الله۔ والأفعال الأخر أیضًا ثابتة عند أهل الكشف وهم أَدْرَى به فلا ننکره ما لم یرد الشرع بإنکاره صراحة۔ والوجه عندي: أَنَّ الأَحْوالَ في القبور مختلفةٌ حسب اختلافِهم في الدنیا، فکما أنَّ عمل واحد لا یوازي عمل آخر في الحیاةِ، فلیس علیه اختلاف الأحوالِ بعد الوفاة، نعم مَنْ تَرَکَ الأعمال في الدنیا یترکها في القبور أیضًا، فإنَّه قد ترکها إذا کان أحق بها فلا حق له بعد ما لَحِقَ بالأموات وصار ترابًا، وأمَّا مَنْ أحیا لیله وصام نهارَه فله أَنْ یُقِرَّ عینهُ بعبادةٍ ربه في القبور أیضًا، وذلک فَضْلُ الله یُؤْتیه مَنْ یشاء، فواحدٌ ینامُ کنومةِ العَرُوس حتی إذا نُفِخ في الصُّور یَمْسح عن عینیه ویقول: مَنْ بعثَنا مِنْ مَرْقَدِنا هذا، والآخَر تُعرض علیه النَّار غُدُوًّا وعشیًا والعیاذ بالله۔[1]

وقال الشیخ الانور الکشمیری ثم الدیوبندی قدس سرہ فی موضع آخر فان قلت ان الاموات اذا ثبت لهم السماع فهل لهم الانتفاع به ایضاً او مجرد سماع الصوت فقط۔

قلت من مات علی لخیر فانه ینتفع به ایضا و امامن مات علی الشر (العیاذ بالله) فاین له ان ینتفع اذا لم ینتفع به فی الدنیا ولیس له الا اسماع الصوت۔[2]

وذکر هذه العبارة کان فی بیان سماع الموتی انسب الا انه لا یخلو من فائدة۔

انور شاہ کشمیری کا قول

جو دیوبند کے بڑے محدث اور اپنے زمانہ میں علوم دینیہ میں یکتا تھے فرماتے ہیں (کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اہل قبور مرنے کے بعد کسی کام کے نہیں رہے نہ کچھ کر سکتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں بلکہ مر کر دفن ہوئے اور خاک میں مل کر مٹی ہو گئے تو یہ حکم مطلقاً صحیح نہیں بلکہ) میرے نزدیک تو یہ بات بالکل ثابت شدہ ہے کہ تعطل قبور میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں نماز، تلاوت قرآن ،اذان وغیرہ من العبادات سب کچھ ہے اگر کسی کو مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو وہ شرح الصدور جو جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔

---

[1] فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۔

[2] فیض الباری ص ۴۶۸-۴۶۷

ملاحظہ فرمائیے:

اہل کشف حضرات نے تو بہت کچھ دیکھا اور وہ اس کے قائل ہیں اور اس کو خوب جانتے ہیں کیونکہ صاحب البیت ادری بمافی البیت گھر والے اوروں سے اپنے گھر کے حالات اور اساس البیت سے خوب واقف ہوتے ہیں) تو جب تک شریعت میں اس کا صاف انکار نہ ہو تو ہمیں اس سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ۔ اہل قبور کے متعلق میری ایک رائے ہے وہ یہ کہ ان کے احوال میں جو اختلاف ہے (کہ بعض اہل قبور نماز، تلاوت قرآن وغیرہ کرتے ہیں اور بعض اس سے محروم ہیں) یہ مبنی ہے دنیا کے حالات پر چونکہ دنیا میں بھی ایک کا عمل دوسرے کے برابر نہیں ہوتا تھا اور بعد الوفات بھی ایسا ہی ہے۔ پس جس نے دنیا میں اعمال صالحہ نہیں کئے وہ قبر میں بھی نہیں کریں گے۔ دنیا میں جب عبادت کرنے کا حق اس کو تھا اور اس پر لازم کیا گیا تھا اور ادا کرنے کا یہ اہل تھا اس نے ادا نہیں کیا اور فضولیات میں اپنا عزیز وقت گزار لیا تو اب جب دار العمل سے بوجہ موت کے عالم برزخ آیا تو کوئی حق نہیں اس مردہ دل اور مردہ جسم کا کہ اس کو عبادت اور تلاوت سے نوازا جائے یا اس کو اس سے کچھ لذت محسوس ہو اب تو واقعی یہ مردہ ہے اور اس کا بدن خاک میں مل کر خاک ہو جائے گا۔)

ہاں جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وقت گزارا ہے۔ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا دھیان رہتا تھا۔ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيايَ وَمَماتِي لِلّٰہِ رَبِّ الْعالَمِينَ (الانعام ۱۶۲) پر پورے عامل تھے تو ان کیلئے (کرامة واحساناو فضلا) یہ ہے کہ عبادت خداوندی سے اب بھی ان کی آنکھیں ٹھنڈی کی جائیں اور قیامت تک اس سے لذت اور لطف اٹھائیں۔(ذلک فَضْلُ اللہ یُؤْتیہ مَنْ یشاء)۔

یہی وجہ ہے کہ قبر میں ایک تو اس قدر بے غمی سے وقت کٹتا ہے جس طرح کہ دلہن ابتدائی ایام اپنی بے غمی سے خواب اور آرام میں گزارتی ہے۔ قیامت کے دن جب اٹھے گا تو آنکھیں ملتا ہوا کہے گا کہ کس نے مجھے اس میٹھی نیند سے جگا دیا۔ میں تو ابھی سویا تھا اور دوسرا اس قدر مصیبت اور عذاب میں مبتلا رہتا ہے کہ صبح و شام نار جہنم اس کو پیش کی جاتی ہے اور بچھو سانپ جو اس کے اعمال دنیوی ہیں اس شکل میں آکر اس کو ڈستے رہیں گے اور جہنم کی بدبو گرم ہوا اس کو ملتی رہے گی۔ العیاذ باللہ۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ چونکہ سماع موتی کے بھی قائل تھے اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے تو آپ نے اچھی تحقیق سے سماع موتیٰ ثابت کر کے مخالفین کے اعتراضات کو رد کیا۔ قرآن اور حدیث کا صحیح مطلب بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب سماع موتی ثابت ہوئی تو کیا ان کو اس سماع سے کچھ فائدہ بھی ہے یا صرف سماع ہی سماع ہے کہ آواز

سننے کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں تو جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ بھائی جو بالخیر اور ایمان کامل سے رخصت ہو گئے وہ تو ہر لحاظ سے خیر و برکت میں ہیں اور منتفع بھی ہوتے ہیں اور جو بد بخت بد اعمالی کی وجہ سے بے ایمان رخصت ہوا تو اس نے دنیا میں قرآن اور وعظ سننے سے فائدہ نہیں اٹھایا تو اب قبر میں کیا فائدہ لے سکے گا۔ سوائے سماع صوت کے اور کوئی فائدہ نہیں بلکہ باعث مزید حسرت اور عذاب ہے۔

حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام و شہداء و اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ

مضمون سابق سے انبیاء علیہم السلام اور شہداء و صلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا قبر میں زندہ ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ نماز، تلاوت وغیرہ بغیر جسد کے نہیں ہوتی۔ یہ اجسام کی صفات میں سے ہیں جو کہ عنقریب علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان اور دار العلوم دیوبند کے فتوے میں آجائے گا مگر پھر بھی زیادت اطمینان کیلئے حیات اجساد انبیاء علیہم السلام اور شہداء و اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق بعض روایات صحیحہ اور اکابرین ملت کے بعض ارشادات پیش کرتا ہوں۔

اخرج الحاکم و ابو داؤد عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔

واخرج ابن ماجة عن ابی الدرداء نحوہ۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ اجساد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو نقصان نہ پہنچائے۔[1]

محض رضائے الٰہی اور حصول ثواب کی غرض سے اذان دینے والے کے لئے بشارت

واخرج الطبرانی عن عبد اللہ بن عَمرو، قال: قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الْمُؤَذِّنُ الْمُحْتَسِبُ كَالشَّهِيدِ الْمُتَشَحِّطِ فِي دَمِهِ، إِذَا مَاتَ لَمْ يُدَوِّدْ فِي قَبْرِهِ۔

اسی طرح جو اذان محض رضائے الٰہی اور حصول ثواب کی غرض سے دیتا ہے اس کے متعلق بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اذان دینے والا فی سبیل اللہ بغیر کسی غرض دنیوی کے اس

---

[1] (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷۵ باب فضل یوم الجمعة ولیلة الجمعة)

شہید کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خون آلود پڑا ہوا ہو۔ جب مر جائے تو قبر میں اس کی لاش گلنے سڑنے اور کیڑے پڑنے سے بالکل محفوظ رہے گی۔[1]

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا مات حامل القرآن أوحی اللہ إلی الأرض لأ کل لحمہ قال فتقول الأرض وکیف آکل لحمہ وکلامک في جوفہ۔

حافظ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حافظ قرآن کا جب انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو القاء فرما لیتا ہے کہ اس کے گوشت کو مت کھانا زمین اپنی زبان سے اس وقت عرض کرتی ہے کہ یارب میں کس طرح اس کا گوشت کھا سکتی ہوں جبکہ اس کے پیٹ میں آپ کا کلام موجود ہے۔[2]

قال ابن مندۃ وفی اللباب عن ابی ھریرۃ وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ واخرج المروزی عن قتادہ قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئتہ واخرج ابو یعلی والبیھقی وابن مندۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ قال الانبیاء احیاء فی قبورھم وقال الخفاجی فی شرح الشفاء ج ۱ ص ۳۹۰ قد حرم اللہ جسدہ علی الارض واحیاہ فی قبرہ کسائر الانبیاء علیھم السلام وقال بعض السلف بکفر من قال بتغیر بدنہ علیہ الصلوۃ والسلام۔

حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے اور اسی حکم میں نیک عمل کرنے والے اور گناہوں سے بچنے والے بھی داخل ہیں اور جس کے دل میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کامل محبت ہو اور درود شریف کا ورد بکثرت ہو تو تجربہ اور مشاہدہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ ایسا شخص بھی قبر میں محفوظ رہتا ہے علامہ شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق اور مشاہدہ الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

وَأخرج مَالک عَن عبد الرَّحْمَن بن أبي صعصعة أَن عَمْرو بن الجموح وَعبد اللہ بن عَمْرو الأنصاريين كَانَا قد حفر السَّيْل قبرهما وَكَانَ قبرهما مِمَّا يَلِي السَّيْل وَكَانَا فِي قبر وَاحِد وهما مِمَّن أستشهد يَوْم أحد فحفر ليغيرا من مكانهما فوجدا لم يتغيرا كَأَنَّهُمَا مَاتَا بالْأَمْس وَكَانَ أَحدهمَا قد جرح فَوضع يَده على جرحه فدفن وَهُوَ كَذَلِک فأميطت يَده على جرحه ثمَّ أرْسلت فَرَجَعت كَمَا كَانَت وَكَانَ بَين أحد وَبَين يَوْم حفر عَنْهُمَا سِتّ وَأَرْبَعين سنة۔

وَأخرج الْبَيْهَقِيّ فِي الدَّلَائِل من وَجه آخر وَزَاد بعد قَوْله فأميطت يَده عَن جرحه فانبعث الدَّم فَردَّتْ إِلَى مَكَانهَا فَرد الدَّم۔[3]

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۳ ص ۴۵۳ باب عبداللہ بن عمرو بن العاص)

[2] (معجم ابن عساکر ص ۱۲۱۴ ج ۲ ھبۃ اللہ بن حمد بن احمد بن الحسن)

[3] شرح الصدور ص ۱۳۲۔

شہداء کے اجسام کامشاہدہ:

جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جوبڑے عالم اور محدث ہو گزرے ہیں۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ احد کے تقریباً ۴۶ سال بعد عمرو بن جموح وعبداللہ بن عمرو (جو انصاری تھے) کی قبر کو سیلاب نے نقصان پہنچایااوران کی قبر سیلابی ندی کے کنارے کے قریب تھی اور یہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے جوجنگ احد میں شہید ہوئے تھے تو یہ تجویز ہوئی کہ ان کو قبر سے نکالا جائے تاکہ سیلاب کی زد سے محفوظ رہ جائیں چنانچہ ان کی قبور کھود کر ان کو باہر نکالا گیا۔ کوئی تغیر ان کے اجسام میں نہیں دیکھا گیابلکہ ایسامعلوم ہوتا تھا کہ کل انکا انتقال ہوچکاہے۔ اس طرح تروتازہ نظر آرہے تھے۔ آپ چونکہ مجروح بھی تھے اس میں ایک نے اپناہاتھ زخم کے اوپر رکھاتھااوراسی حالت میں دفن ہوئے تھے جب کسی نے ان کے ہاتھ کو زخم سے ہٹایاتو فوراًخون جاری ہوا پھر اس نے اس ہاتھ کو اپنی جگہ زخم پر رکھاتوخون بند ہو گیا۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں بھی ہوا کہ احد میں پانی کاراستہ نکال رہے تھے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو وہاں مدفون تھے نکالنے کے وقت تروتازہ پائے گئے۔ روایت میں ہے کہ غلطی سے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہداءاحد میں سے پھاوڑے کی چوٹ لگ گئی جس سے خون جاری ہوا۔

قَالَ السُّبْكِيّ عود الرّوح إِلَى الْجَسَد فِي الْقَبْر ثَابت فِي الصَّحِيح لسَائِر الْمَوْتَى فضلا عَن الشُّهَدَاء وَإِنَّمَا النّظر فِي إستمرارها فِي الْبدن وَفِي أَن الْبدن يصير حَيا بهَا كحالته فِي الدُّنْيَا أَو حَيا بِدُونِهَا وَهِي حَيْثُ شَاءَ الله فَإِن مُلَازمَة الْحَيَاة للروح أَمر عَقْلِي فَهَذَا أَي أَن الْبدن يصير بهَا حَيا كحالته فِي الدُّنْيَا مِمَّا يجوزه الْعقل فَإِن صَحَّ بِهِ سمع اتبع وَقد ذكره جمَاعَة من الْعلمَاء وَتشهد لَهُ صَلَاة مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام فِي قَبره فَإِن الصَّلَاة تستدعي جسدا حَيا وَكَذَلِكَ الصِّفَات الْمَذْكُورَة فِي الْأَنْبِيَاء لَيْلَة الْإِسْرَاء كلهَا صِفَات الْأَجْسَام وَلَا يلْزم من كَونهَا حَيَاة حَقِيقَة أَن تكون الْأَبدَان مَعهَا كَمَا كَانَت فِي الدُّنْيَا من الإحتياج إِلَى الطَّعَام وَالشرَاب وَغير ذَلِك من صِفَات الْأَجْسَام الَّتِي نشاهدها بل يكون لَهَا حكم آخر وَأما الإدراكات كَالْعلمِ وَالسَّمَاع فَلَا شكّ أَن ذَلِك ثَابت لَهُم ولسائر الْمَوْتَى۔

علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام کے متعلق اوران کے سماع اور علم وادراک کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ توبالکل روایت صحیح سے ثابت ہے کہ قبر میں روح اپنی جسد میں آتاہے اور یہ مسلم تک خاص نہیں بلکہ مرنے کے بعد کافرہو مسلم عالم برزخ میں اس کے بدن کی طرف روح کاعود ہوتاہے مگر قابل غور یہ امرہے کہ یہ روح عود کے بعد مستمر بھی رہتاہے اور بدن اس سے اسی طرح زندہ ہو جاتاہے جیساکہ دنیامیں زندہ تھا۔ عقل تو اس کو جائز سمجھتی ہے اس میں کوئی استعاد نہیں کہ عالم برزخ میں روح آنے کے بعد یہ بدن اسی طرح صحیح سالم اورزندہ

ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا مگر شرعی نکتہ نگاہ سے ہم دیکھیں گے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے یا نہیں۔ اگر ہمیں صحیح طور سے معلوم ہو جائے کہ شارع علیہ السلام نے حیات جسمانی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے تو **أمنا و صدقنا۔** جب ہم نے دیکھا اور تتبع و تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ ایک جم غفیر علماء محققین کی حیات کے قائل ہیں اور اس کیلئے سند حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز ہے قبر میں (اور باقی روایات ومشاہدات بھی ہیں) کیونکہ نماز جسمانی حیات کی مقتضی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا خیر مقدم اپنے اپنے مقام میں اور باقی واقعات جو شب معراج میں انکے درمیان پیش آئے تھے سب اجسام کی صفات میں سے ہیں۔[1]

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب جسمانی حیات حاصل ہوئی اور یہ حیات بالکل دنیوی حیات کی طرح ہے پھر تو جسمانی تقاضے بھی پورے ہونگے۔ ایک تو یہ کہ اب روح اور جسم میں ملازمہ بھی ہوگا تو روح جہاں ہو وہاں بدن ہوگا۔ **و کذا بالعکس۔** اسی طرح بھوک، پیاس، گرمی، سردی، کھانا، پینا وغیرہ سب ہوگا اور حال یہ ہے کہ اس کے کوئی بھی قائل نہیں۔ بات یہ ہے کہ عالم برزخ کو اس عالم پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ حیات تو ضرور ہے روح کا تعلق بدن سے انبیاء علیہم السلام اور شہداء و اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا **علی قدر المراتب** یقیناً ہے مگر اس عالم برزخ میں نہ وہ کھانے پینے کے محتاج ہیں اور نہ گرمی و سردی سے پریشان ہیں اور نہ وہ تعلق ایسا ہے کہ بغیر بدن کے کہیں جاسکتے نہیں بلکہ کمال نبوت اور ولایت اور تجرد کی وجہ سے باوجود تعلق بالبدن ہونے کے جہاں بھی جائیں تو جاسکتے ہیں اور اس عالم کے مطابق اپنے خاص جسمانی وجود کے ساتھ متمثل ہو کر سیر کرسکتے ہیں اور وہ بدن مرکب از عناصر اپنی جگہ میں بمعہ اپنے گوشت و پوست اور خون و ہڈی کے صحیح سالم محفوظ محتاج غذا نہیں (**إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ**) باقی اہل قبور کے ادراکات مثلاً سماع علم یہ تو سب موتی کو حاصل ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

اکابرین دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اور عقیدہ:

علماء و اکابر دارالعلوم دیوبند نے حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام اور شہداء وغیرہ کے متعلق متفقہ ایک فتویٰ علماء حرمین کے استفتاء پر فرمایا ہے جو ملاحظہ کیلئے پیش خدمت ہے۔

سوال: ماقولکم فی حیوۃ النبی ﷺ فی قبرہ الشریف هل ذلک مخصوص به ام مثل سائر المؤمنین رحمة الله علیهم حیاته برزخیة۔

[1] (شرح الصدور، ص ۱۸۸، الباب الثامن والثلاثون، باب زیارۃ القبور وعلم الموتیٰ بزوارهم ورؤیتهم لهم، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان)

کیا فرماتے ہیں آپ لوگ اس بارے میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی قبر اطہر مبارک میں زندہ ہیں اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خصوصیت ہے یا بمثل باقی مؤمنین کے کہ اُن کو بھی یہ حیاتِ برزخی حاصل ہے؟

جواب: عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة ﷺ حيي قبره الشريف وحياته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به ﷺ وبجميع الانبياء صلوة الله عليهم والشهداء لا برزخية كماهي حاملة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كمانص عليه العلامة السيوطي في رسالته انباء الاذكياء بحياة الانبياء حيث قال قال الشيخ تقى الدين السبكى حياة الانبياء (صلوة الله عليهم) والشهداء (رحمهم الله تعالىٰ) في القبر كحياتهم في الدنيا ويشهد له صلوة موسىٰ عليه السلام في قبره فان الصلوة تستدعى جسدا حيا الى اخر ماقال فثبت بهذا ان حياته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ ولشيخنا شمس الاسلام والدين محمد قاسم العلوم المستفيدين قدس الله سره العزيز في هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة المآخذ بديعة المسلك لم ير مثلها قد طبعت وشاعت في الناس واسمها آب حيات اى ماء الحياة۔

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آپ ﷺ زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے بلامکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آپ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ یہ حیات برزخی نہیں جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ انباء الاذكيا بحياة الانبياء عليهم السلام (اور شرح الصدور) میں بتصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسے دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور اچھوتے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اس کا نام آب حیات ہے۔[1]

تفسیر مظہری میں وَلَاتَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَاتَشْعُرُونَ (البقرة ۱۵۴) کے ذیل میں ہے:

فذهب جماعة من العلماء الى ان هذه الحيوة مختص بالشهداء والحق عندى عدم اختصاصها بهم بل حيوة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهورا اثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد- والصديقون ايضا أعلى درجة من الشهداء والصالحون يعنى الأولياء ملحقون بهم كما يدل عليه الترتيب في قوله تعالى مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ولذلك قالت الصوفية العلية أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا- وقد تواتر عن كثير من الأولياء انهم ينصرون أولياءهم ويدمرون أعداءهم ويهدون الى الله تعالى

[1] (المهند على المفندص ۱۴)

من يشاء الله تعالى- وقد ذكر المجدد رضى الله عنه- ان ارباب كمالات النبوة بالوراثة أقلت وهم الصديقون والمقربون في لسان الشرع) يعطى لهم من الله تعالى وجودا موهوبا- ويدل على ان أجساد الأنبياء والشهداء وبعض الصلحاء لا يأكلها الأرض ما أخرجه الحاكم وابو داود عن أوس بن أوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم على الأرض ان تأكل أجساد الأنبياء- الخ۔ (كما ذكرت فتذكره)

ایک جماعت علماء میں سے اس بات کیقائل ہے کہ یہ حیات جسمانی صرف شہداء کیلئے ہے مگر میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اس کی تخصیص شہداء تک نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات ان سے بھی زیادہ قوی ہے جس کے آثار خارج میں ظاہر طور سے پائے گئے ہیں جو شہداء میں نہیں ۔مثلاً جناب رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح بعد وفات کے قطعاً جائز نہیں اور شہید کی بیوی کے ساتھ عدت کے بعد جائز ہے اور صدیقین وصلحاء سب شہداء کے ساتھ اس میں شریک اور ملحق ہیں اول درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اس کے بعد دوسرا نمبر شہداء کا، تیسرا صدیقین کا اور چوتھا صالحین کا ہے۔(چونکہ حیات اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی قوی ہے لہذا فرماتے ہیں کہ ہمارے ارواح اجساد ہیں اوراجساد ارواح ہیں اور تواتر سے ثابت ہوا ہے کہ بہت سے اولیاءاللہ بعد از وفات بھی اپنے احباب اور دوستوں کو باذن اللہ تعالیٰ امداد فرماتے ہیں اور دشمنوں کو برباد اور گمراہوں کو راہ راست پر لگا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔)

حضرت علامہ مفسر والمحدث قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء وصلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی جسمانی حیاۃ پر حاکم اورابوداؤد شریف کی روایت دلالت کرتی ہے جو اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمائی ہے جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجساد حرام کیے ہیں۔[1]

(ان روایات کا بیان میں پہلے کرچکاہوں یاد فرمالیں)

اشرف علی تھانوی نے تفسیر بیان القرآن میں حیات انبیاء علیہم السلام وشہداء واولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق اس آیت وَلَاتَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة ۱۵۴) کے ذیل میں لکھاہے:

ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں اوراس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مرگیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کا سا سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اوراسی سے جزاوسزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اوروہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ

[1] (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۲)

حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے جس طرح انمد یعنی سرانگشت میں ذکاء حس آثار حیات سے ہے بنسبت عقب یعنی پاشنہ کے طباوحسا قوی ہے حتی کہ شہید کی حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کیونکہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت وپوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اوران کو دوسری اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی ہے اور یہ حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں اوران کا مال بھی میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء رحمہم اللہ پھر معمولی مردے،البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء وصالحین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔سومجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معناً شہادت میں داخل سمجھیں گے۔اس طور پروہ بھی شہداء ہوئے۔یایوں کہا جائے کہ تخصیص شہداء کی عام مردوں کے اعتبار سے اضافی ہے۔ان خواص کے اعتبار سے حقیقی نہیں اوراگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھ لے کہ ممکن ہے اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر مدار ہے قتل کے شہادت ہونے کا اور صرف قتل شہادت نہیں ہے اور چونکہ برزخ حواس سے مدرک نہیں ہوتا اس لئے **لَاتَشْعُرُونَ** فرمایا گیا ہے۔

جب ان روایات اور مشاہدات متواترہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام،شہدا اولیاءاللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجساد بالکل صحیح سالم اور محفوظ ہیں تو صاحب روح المعانی نے جو فرمایا ہے:

وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منذ مائة سنين, وأنهم إلى اليوم تشخب جروحهم دما إذا رفعت العصابة عنها فذلک مما رواہ- هيان بن بيان- وما هو إلا حديث خرافة وكلام يشهد على مصدقيه تقديم السخافة۔الخ۔

بعض لوگ جو نقل کرتے ہیں کہ بعض شہداء سوسال کے بعد دیکھے گئے ہیں کہ جب پٹی ان کے زخموں سے ہٹائی گئی تو خون جاری ہوا یہ بالکل واہیات اور صحیح روایت سے ثابت نہیں۔الخ۔[1]

واجب الرد ہے کیونکہ یہ مشاہدہ متواترہ کے خلاف ہے جو جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الصدور میں اور قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مظہری میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور بیہقی وابن ابی شیبہ وغیرہ سے نقل

---

[1] (روح المعانی ج ا ص ۴۱۹)

کیاہے۔غالباًصاحب روح المعانی نے کسی صاحب کو دیکھاہو گا کہ کسی جہاد میں یا کسی واقعہ میں ظلماً قتل کیا گیاہو گااوراس پر علماءنے فتوے دے کر بغیر غسل کے ازروئے شہادت نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیاہو گااور کچھ زمانے کے بعداس کی لاش بوسیدہ حالت میں نظر آگئی ہو گی جس کی وجہ سے انہوں فیصلہ کیاکہ یہ جوحیات جسمانی کے متعلق مشہورہے یاروایات میں موجودہےاس کی کوئی صحیح حقیقت نہیں اور حال یہ ہے جومشہورہے بالکل صحیح ہے مگراس شخص کو(بینہ و بین اللہ)بوجہ خرابیٔ نیت قتل کے شہادت کارتبہ نہیں ملا۔صاحب روح المعانی پرردکاذکرصاف الفاظ میں فتاویٰ امدادیہ ج۱ص۵۰۸پر بھی آپ ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

میرے دوستو!زیارۃالقبوربغرض تبرک کرنا،بعض اہل قبور کانماز پڑھنااور تلاوت کرنااورانبیاء علیہم السلام وشہداءوصلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام کامحفوظ رہنا۔ان سب واقعات سے آپ نے یہ اندازہ لگایاہو گا کہ اللہ تعالیٰ کاکتنابڑااحسان ہے اپنے خاص بندوں پرکہ عالم برزخ میں بھی اپنی خاص نعمتوں سے ان کونوازتاہےاوراپنی مخلوق کوان کے فیض وبرکت سے سرفراز فرماتاہے اوران کواس عالم میں بھی عقل وعادت کے خلاف دعاوعبادت کااہل بناکروسیلۂ رحمت اور مظہرعون بنایاہے یادرہے جو کام عادت کے خلاف اورمافوق الاسباب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبراورولی کے ہاتھ سے صادرفرمائےتواس کو معجزہ اور کرامت شریعت کی زبان میں کہتے ہیں۔پس معلوم ہواکہ کرامات اولیاءاور معجزات انبیاء علیہم السلام حق ہیں معجزات توظاہرہیں مگر حقانیت کرامات بھی مخفی نہیں۔

انبیاء علیہم السلام اوراولیاءرحمہم اللہ تعالیٰ کے معجزات وکرامات

کرامت کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کرامت اس امر کوکہتے ہیں جو کہ نبی علیہ السلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہواوراسباب طبیعہ سے بھی وہ اثرپیدانہ ہوخواہ وہ اسباب جلی ہوں یاخفی۔پس اگروہ امر خلاف عادت نہ ہویااسباب طبیعہ سے صادرہوتوکرامت نہیں اور جس شخص سے وہ صادرہواہے اگروہ کسی نبی کامتبع اپنے کونہیں کہتاوہ بھی کرامت نہیں جیسے جوگیوں،ساحروں وغیرہم سے بعض امورایسے سرزدہوجاتے ہیں اوراگروہ شخص مدعی اتباع کاتوہے مگرواقع میں متبع نہیں ہےخواہ اصول میں خلاف کرتاہوجس طرح اہل بدعت اور فرق ضالہ یافروع میں جیسے فاسق فاجزاس سے بھی اگر ایساامرصادرہوتووہ بھی کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے جس کاضرریہ ہے کہ یہ شخص بوجہ خرق عادت کے اپنے کوکامل سمجھتا ہے اوراس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اوراتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتانعوذباللہ کس قدرخسران عظیم ہے۔

پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس فعل کاصدورمؤمن متبع سنت کامل القویٰ سے ہو۔اب ہمارے زمانہ میں جس شخص سے کوئی فعل عجیب سرزدہوجاتاہے اس کو غوث،قطب قراردیتے ہیں خواہ اس شخص کے کیسے ہی عقائدہوں اور کیسے ہی

اعمال واخلاق ہوں یہ بہت بڑی غلطی ہے بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو اگر شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

جاننا چاہیئے کہ کرامت کیلئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کے متعلق قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم اور قصد دونوں امر ہوتے ہیں۔

کرامت کی اقسام

اس بناء پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں:

قسم اول: وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی ہو جیسے نیل کا جاری حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے فرمان مبارک سے:

وصح عَنهُ رَضِي الله عَنهُ أَنه بَيْنَمَا هُوَ يخْطب على مِنبَر الْمَدِينَة يَوْم الْجُمُعَة وَإِذا هُوَ يُنَادي فِي حَال خطبَته يَا سَارِيَة الْجَبَل فَعجب النَّاس لذَلِك وأنكروا عَلَيْهِ حَتَّى قَالَ لَهُ عبد الرَّحْمَن بن عَوْف رَضِي الله عَنهُ بعد ذَلِك وشدد عَلَيْهِ وَأخْبر بِمَا قَالَ النَّاس فِيهِ ثمَّ ظهر لَهُم قَرِيبا الْوَاقِعَة وصدقها وَمَا فِيهَا من الكرامات وَمِنْهَا الْكَشْف لَهُ عَن حَال سَارِيَة وَالْمُسلمين وعدوهم وَمِنْهَا بُلُوغ صَوته لسارية حَتَّى سمع واهتدى سَارِيَة إِلَى أَن هَذَا صَوت عمر مَعَ بعد الشقة۔

یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آواز دینا اپنے سالار ساریہ کو جو نہاوند میں تھا مدینہ منورہ میں اپنے منبر سے جو کافی دنوں کی مسافت پر دور تھا اور دشمن کے فریب میں آچکا تھا مگر آپ کی آواز سن کر فوراً پہاڑ کی طرف دشمنوں کے مقابلے میں تیار ہوا اور فتح ہوئی۔[1]

یا آصف برخیا کا عرش بلقیس کو فوراً حاضر کرنا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں جو ایک مہینہ کی مسافت پر دور تھا یا حضرت خضر علیہ السلام کے عجائب بنابر مذہب مرجوح کہ ولی اللہ تھے ورنہ بنابر مذہب راجح تو پیغمبر ہیں اور یہ سب عجائب معجزہ میں شمار ہوں گے۔ ان کے علاوہ کافی امثلہ اور شواہد ہیں جو ابن کثیر نے البدایۃ ج۶ ص۱۵۳ پر تمیم داری اور نباتہ بن یزید وغیرہ کے واقعات بیان کیے ہیں مگر وضاحت اور اطمینان کیلئے یہ کافی ہیں۔

قسم دوم: وہ ہے جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بے موسم انگور کا آجانا یا حضرت اسید بن حضیر وعباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے شب تاریک میں چراغ کے مثل روشنی پیدا ہو کر ان کا جانا۔

---

[1] (الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر ج ا ص ۲۱۴)

قسم سوم: وہ ہے جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا اور کھانے کا دوچند ہو جانا چنانچہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعجب ہوا۔

اور لفظ تصرف وہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے کہ فلاں کی تصرف اور ہمت سے (بحکم خداوند عالم) یہ کام ہوا اور قسم ثانی وثالث کو تصرف نہیں کہتے البتہ برکت وکرامت کہلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بزرگ کی برکت اور کرامت سے یہ کام کیا ورنہ یہ تینوں اقسام کرامت کے ہیں لیکن اطلاق میں یہ فرق ضرور کیا جاتا ہے۔

بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں۔ جیسے بدون والد کے اولاد کا پیدا ہونا یا کسی جماد کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کی باتیں کرنا۔ اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا ہے مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے، صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے واسطے اظہار کرامت وقرب ومقبولیت اس ولی کے۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود ہو سکتی۔ رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی ﷺ کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے یہ بتبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجائش ہو البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی ﷺ کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں ہو سکتی جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

معجزہ اور کرامت بعد وصال کے

خرق عادت اور مافوق الاسباب الطبعیہ امر جس طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس عالم اور حیات دنیوی میں صادر ہوتا ہے اسی طرح عالم برزخ اور حیاۃ برزخی دنیوی میں تو ظاہر ہے مگر عالم برزخ میں بھی ظہور آثار اور صدور افعال تواتر اور مشاہدہ سے ثابت ہیں۔

نُقِلَ عَنْ الزَّيْلَعِيِّ وَيَجُوزُ التَّوَسُّلُ إِلَى اللهِ تَعَالَى وَ الِاسْتِغَاثَةُ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ بَعْدَ مَوْتِهِمْ لِأَنَّ الْمُعْجِزَةَ وَالْكَرَامَةَ لَا تَنْقَطِعُ بِمَوْتِهِمْ وَعَنْ الرَّمْلِيِّ أَيْضًا بِعَدَمِ انْقِطَاعِ الْكَرَامَةِ بِالْمَوْتِ وَعَنْ إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ وَ لَا يُنْكِرُ الْكَرَامَةَ وَلَوْ بَعْدَ الْمَوْتِ إِلَّا رَافِضِيٌّ وَعَنْ الْأُجْهُورِيِّ الْوَلِيُّ فِي الدُّنْيَا كَالسَّيْفِ فِي غِمْدِهِ فَإِذَا مَاتَ تَجَرَّدَ مِنْهُ فَيَكُونُ أَقْوَى فِي التَّصَرُّفِ كَذَا نُقِلَ عَنْ نُورِ الْهِدَايَةِ لِأَبِي عَلِيٍّ السِّنْجِيِّ (حَقٌّ)۔

کیونکہ معجزہ اور کرامت موت کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتے۔ علامہ رملی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ موت کی وجہ سے کرامت منقطع نہیں ہوتی۔ امام الحرمین نے فرمایا ہے کہ کرامت بعد الموت سے سوائے رافضی کے اور کوئی انکار نہیں

کرتا۔ علامہ الاجہوری فرماتے ہیں کہ ولی کی مثال دنیا میں اس تلوار کی ہے جو اپنی نیام اور غلاف میں ہو اور جب روح موت کی وجہ سے تجرد حاصل کرلیتاہے تو وہ اپنے تصرف میں باذن اللہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔[1]

پس حیات جسمانی نماز، تلاوت اور فیض پہنچانا یہ سب خلاف عادت ہیں جو نبی اور متبع نبی سے صادر ہوئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی چند مستند واقعات گوش گزار کرتا ہوں جو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی فتاویٰ ص ۲۱۳ پر نقل کیے ہیں۔

کرامات بعد الوفات

مُردہ زندوں سے کلام کر سکتاہے اور زندہ مُردوں کی بات سُن سکتاہے اور مُردہ قبر میں تلاوتِ قرآنِ پاک کر سکتاہے۔ اور قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو بھی پہچانتاہے۔

مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

"اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مُردوں کی بات زندہ بھی سُن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتاہے اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں میں ملتے ہیں"۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلاف میں ان کا وصال ہوا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ جب ان کا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا اور نماز کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار ہونے لگا تو میں نے ارادہ کیا کہ انتظار کے اس وقفے میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لوں، چنانچہ میں نے ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی دوسرے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں جنازے سے آواز آئی: "السلام علیکم انصتوا انصتوا" (یعنی خاموش ہو کر بات سنو) اس کے بعد مرحوم حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل کلام فرمایا جس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں شہادت دی اور ان کے کچھ اوصاف بیان فرمائے اور اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک پیشین گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل حق ثابت ہوئی۔

[1] (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية ج ۱ ص ۲۰۳)

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "بعد الموت تکلم" کرنے کا واقعہ اور ان کا وہ پورا کلام قریب قریب ان سب کتابوں میں مروی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے احوال میں لکھی گئی ہیں اور آئمہ حدیث وروایت نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام بخاری تک نے اس کو ذکر کیا ہے۔

"کما فی الاصابۃ" بحوالہ تذکرہ شاہ عبدالرحیم وشاہ ابو الرضا دہلوی مرتبہ: نسیم احمد فریدی امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع ضمیمہ "اہلِ قبور کی زندوں سے ہم کلامی" از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۱۷۲،۱۷۱) تہذیب، عمدۃ الاخبار، اکفار الملحدین: بحوالہ: ملفوظاتِ محدث کشمیری، مرتب: سید احمد رضا بجنوری مؤلف انوارالباری ص ۱۲۸ بحوالہ فتاوی رحیمیہ: ص ۲۰۳۔

مرتبہ: مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا دیوبندی "فضائلِ صدقات" میں روض الریاحین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ:

ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چُرایا کرتا تھا اس نے ایک قبر کھودی تو اس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا، وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اسے قبر سے نکالا تین دن بعد ہوش آیا تو لوگوں نے قصہ پوچھا تو اس نے سارا حال سنایا، بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنّا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتادے اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا، اس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا۔[1]

نیز فضائلِ صدقات میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ "شیخ ابو یعقوب سنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔[2]

فضائلِ صدقات میں ہی مذکور ہے کہ:

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے، یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا، شیخ ابن الجلاء فرماتے

---

[1] (روض الریاحین، فضائل صدقات حصہ دوم ص ۴۷۵)

[2] (روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۴۷۸ حصہ دوم)

ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا اور ان کو نہلانے کیلئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے، کسی کو ہمت ان کے نہلانے کی نہ پڑتی تھی ایک اور بزرگ ان کے رفیق (دوست) آئے تو انہوں نے غسل دیا۔[1]

اس کے بعد شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ:

غرض صاحبِ روض نے بہت سے واقعات ان مرمٹوں کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشاش ہونا، ہنسنا مذاق کرنا، لطف اُڑانا معلوم ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد کلام کرنے کے واقعات حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں بھی ذکر کیے ہیں۔ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ! اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی نقل کیا ہے۔[2]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی تصنیف "شوقِ وطن" میں ہے:

عن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اما و اللہ الذی لا الہ الا ھو لقد ادخلت ثابتا البنانی فی اللحد و معی حمید الطویل فلما سوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فإذاھو فی قبرہ یصلی و کان یقول فی دعائہ اللھم ان کنت اعطیتہ احدا من خلقت الصلوۃ فی قبرہ فاعطینھا فما کان اللہ لیرد دعائہ۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

ترجمہ: حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ قسم اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے۔ جب ہم نے اُن پر کچی اینٹیں چُنیں تو ایک اینٹ گِر پڑی میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجئے۔ سو خُدا تعالیٰ نے ان کی دُعا رد نہیں فرمائی۔ (بلکہ جیسا موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا فرمائی ہے) (اخرجہ مسلم) اس طرح ان کو عطا ہوئی۔[3]

مولانا سید نور الحسن بخاری دیوبندی "حیات الاموات" میں لکھتے ہیں کہ:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تو شان ہی نرالی اور عظیم و رفیع ہے حقیقت یہ ہے کہ غیر انبیاء کا بھی قبر میں نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات تابعین میں سے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

---

[1] (روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم)

[2] (فضائلِ صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۲)

[3] (شوقِ وطن ص ۲۳، ۴۰، ۳۹ مطبوعہ مکتبۂ اشرفیہ، محمد علی روڈ بمبئ بحوالۂ فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

خاص اصحاب میں تھے ان کا فرمان ہے! "ہر شئ کی ایک کنجی ہوتی ہے اور ثابت خیر کی کنجی ہے"۔ دنیا کے سب سے بڑے عابد مشہور تھے۔ صائم الدھر تھے دن رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔[1]

ان سے متعلق روایت ملاحظہ ہو:

عن ثابت البنانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ قال اللھم ان کنت اعطیت احدا الصلوۃ فی قبرہ فاعطنی الصلوۃ فی قبری۔[2]

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے انہوں نے دعا کی الہٰی! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرما۔

ابو نعیم کی روایت ہے، جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے "**واللہ الذی لا الٰہ الا اللہ**" میں حمیدِ طویل کے ساتھ بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر تھا "**یصلی فی قبرہ**" وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اللہ سے یہ دعا کیا کرتے تھے اللہ نے اس کی دعا قبول کرلی۔[3]

ابن جریر نے "تہذیب الآثار" میں اور ابو نعیم نے ابراھیم بن الصمہ المہلبی سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے قبر سے قرأۃ القرآن کی آواز سُنی ہے۔[4]

ابن مندہ نے بسند روایت کی ہے کہ ابو حماد الحفّار جو ثقہ اور متقی تھے، نے کہا کہ میں نے ایک قبر سے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قرآن کی قرأت سُنی۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی "شوق وطن" میں لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال ان بعض اصحاب النبی ﷺ جلس علی قبر و ھو لا یحسب انہ قبر فإذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمھا فاتی النبی ﷺ فاخبرہ فقال رسول اللہ ﷺ ھی المانعۃ و ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کوئی صحابہ کسی قبر پر بیٹھ گئے اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ سو دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک آدمی ہے جو سورۂ مُلک پڑھ رہا ہے یہاں

---

[1] (تابعین، مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳)

[2] (طبقات ابن سعد، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد امام احمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ و ابو نعیم، شرح الصدور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ مطبوعہ مصر ص ۷۸، حیات الاموات ص ۶۳)

[3] (شرح الصدور ص ۷۸ ایضًا)

[4] (شرح الصدور ص ۷۸)

تک کہ اس کو پورا ختم کیا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو آکر خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورۃ عذاب سے بچانے والی اور نجات دینے والی ہے کہ مُردے کو عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔[1]

ابو القاسم السعدی نے کتاب "الروح" میں لکھا ہے کہ:

هٰذا تصديق من النبی ﷺ بان الميت يقرأ فی قبره فان عبدالله اخبره بذٰلک و صدّقه رسول الله ﷺ۔

ترجمہ: یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ میت اپنی قبر میں قرآت کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی اور آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

امام کمال الدین "کتاب العمل المقبول فی زيارة رسول ﷺ" میں لکھتے ہیں کہ:

هٰذا الحديث و اضح الدلالة على ان الميت كان يقرأ فی قبره سورة الملک۔

ترجمہ: یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ میت اپنی قبر میں تلاوت کرتی ہے۔ اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکرام کا ثبوت ہے اور بعض اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ تو بعض کے ساتھ قبر میں نماز کے ساتھ اللہ کے اکرام کا ثبوت ہے۔

فإذا كان من كرامة الله لاوليائه تمكين من الطاعة و العبادة فی القبر فالانبياء بطريق الاولی۔

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور كالاذان و الاقامة عند الدارمی و قرأة القرآن عند الترمذی الخ۔

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا ترمذی کی روایت میں۔[2]

مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اخبار الاخیار" میں شیخ محمد ترک نارنومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں ہیں ایک کو بوجہ بلند زمین بلند شہید اور دوسرے کو بوجہ نشیبِ زمین نشیب شہید کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں شہداء حافظ کلام اللہ تھے۔ کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی ہے جو بطریقِ دَور پڑھتے تھے۔[3]

---

[1] (اخرجه الترمذی، شوق وطن ص ۴۰، ۲۴، ۲۳، فتاوی رحیمیه ص ۲۰۸)

[2] (فيض البارى ج ۱ ص ۱۸۳، كتاب العلم باب من اجاب الفتيا۔ مطبع مجلس علمی دابھیل)

[3] (فتاوىٰ رحیمیه ج ۱ ص ۲۰۹)

صاحبِ خزینہ الاصفیاء شیخ روزبان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

شیخ ابو طاہر جو شیخ روزبان کے اصحاب میں سے ہیں، کہتے ہیں! کہ میں اور شیخ روزبان ہر روز صبح کو قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو دنیا میری نظر میں تیرہ و تاریک ہو گئی ایک دن میں نے پچھلی رات کو اُٹھ کر نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے سرھانے بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا مگر مجھے اپنی تنہائی اور بے کسی پر رونا آیا اسی حالت میں میں نے شیخ کی قبر سے تلاوت کی آواز سُنی اور جب تک لوگ جمع نہیں ہوئے برابر سُنتا رہا۔ یہی حال ایک عرصہ تک رہا مگر جب میں نے اس کا ذکر ایک دوست سے کر دیا تو اس روز سے آواز کا آنا موقوف ہو گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

ایک شخص ہر روز بوقتِ سحر اپنے شیخ کے ساتھ دس پارے دَور کرتا تھا اس کے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفات پا گئے تو وہ مُرید حسبِ عادت وقتِ سحر شیخ کی قبر پر پہنچا اور پڑھنا شروع کر دیا جب اس نے دس پارے پورے پڑھ لیے تو اس قبر سے آواز آئی کہ شیخ پڑھ رہے ہیں حتیٰ کہ جب دس پارے پورے ہوئے تو شیخ خاموش ہو گئے۔ دَور کا یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ اس شخص نے یہ راز اپنے بعض ساتھیوں پر ظاہر کر دیا تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔[1]

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کا سرِ اقدس مصر میں دفن کیا گیا تو لوگ ان کی قبرِ اطہر سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنتے تھے۔[2]

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت احمد بن محمد الطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے ہر جمعہ کی شب میں تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[3]

حضرت آمنہ بنت موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبرِ انور سے رات کے وقت تلاوتِ قرآن کی آواز آتی تھی۔[4]

---

1 (مرقات شرح مشکوۃ ج ۹ ص ۲۳۸، ۲۳۷)

2 (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۳۸۴)

3 (الکواکب الدریۃ ج ۲ ص ۳۸۴)

4 (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۲۳۰)

امام شعرانی کے جد کریم حضرت علی بن شہاب الدین شعراوی کے متعلق شیخ علی العیاشی جو اہلِ قلب حضرات میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ وہ امام شعراوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کے اندر قیام پذیر ہوئے تو انہوں نے سُنا کہ شیخ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز آرہی ہے۔ شیخ نے سورۃ مریم سے تلاوت شروع فرمائی اور سورۃ رحمن پر اختتام فرمایا جب فجر طلوع ہوئی تو خاموش ہوگئے۔[1]

مولانا قاری ظہور احمد فیضی "انوار العرفان فی اسماء القرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

قبر کے اندر تلاوتِ قرآن کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ تو بہت مشہور ہے متعدد کتب میں مرقوم ہے کہ آپ کی قبر شریف سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[2]

یہ سعادت بھی اس امت کے خواص کو حاصل ہے کہ ان کی قبر پر اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآن کرے اور اسے پڑھتے پڑھتے متشابہ لگ جائے یا غلطی ہو جائے تو وہ قبر کے اندر سے غلطی بتلاتے تھے۔

چنانچہ حضرت علی بن عمر الحمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر ان کے فرزند حسین بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش پائے گئے ایک شخص نے چند ساتھیوں کے ساتھ ملکر انہیں اُٹھایا اور ان کے گھر پر پہنچا دیا جب وہ ہوش میں آئے تو ان سے مدہوشی کا سبب دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ابا حضور کی قبرِ انور پر تلاوت کر رہا تھا اچانک مجھے غلطی لگی تو میں نے سُنا کہ میرے والد محترم قبر کے اندر سے مجھے لقمہ دے رہے ہیں پس میں اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکا یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہوگئی۔[3]

حضرت شیخ احمد بن نصر الخزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۳۷ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی آزمائش کی گئی یہاں تک کہ وہ بادشاہ واثق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

ابراہیم بن اسمٰعیل بن خلف کہتے ہیں کہ جب ان کی گردن تن سے جُدا ہو کر زمین پر آرہی تو میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ ان کا سر قرآن پڑھ رہا ہے۔ میں اس طرف گیا تو وہاں کچھ گھوڑوں پر اور کچھ کھڑے کھڑے ان پر پہرا دے رہے تھے جب سب آنکھیں سو گئیں تو اُن کے سر نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا جو کچھ ان سے سُنا گیا اس میں یہ آیت بھی تھی: الم (۱)

---

[1] (الکواکب الدریۃ ج۴ ص ۴۵۹)

[2] (طبقات الکبریٰ لشعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۳۶، الکواکب الدریۃ للمناوی قسم اول ج ۱ ص ۲۴۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۶۲)

[3] (جامع کراماتِ اولیاء ج ۲ ص ۲۹۰، ۲۸۶)

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت ۲) الف لام میم کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اس پر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔[1]

یہاں یہ واقعہ بھی کافی مناسبت رکھتا ہے کہ حضرت شیخ احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاللہ سکندری شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۰۹ھ کے حالات میں ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر مشہور ترین حنفی فقیہ حضرت امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ حاضر ہوئے اور سورۃ ھود پڑھنا شروع کی، جب ان الفاظ پر پہنچے "فمنهم شقي و سعيد" (ھود: ۱۰۵) تو قبر سے آواز آئی: "اكمال! ليس فينا شقي، فاوصي ان يدفن هناک" اے کمال! ہمارے اندر کوئی شقی نہیں ہے، اس پر امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہاں دفن کیا جائے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی وصیت پوری کرائی اور آپ کو حضرت ابن عطا اللہ سکندری کی قبر کی غربی جانب دفن کیا گیا۔[3]

مفتی سید عبد الرحیم دیوبندی سے سوال کیا گیا کہ بزرگانِ دین حینِ حیات یا بعد الوفات حج کیلئے یا دیگر مقامات پر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

مفتی عبد الرحیم جواب دیتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفر کرسکتے ہیں، حج کے لیے بھی جاسکتے ہیں، مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ خود ان کو اختیار نہیں ہوتا اور یہ درجہ یادِ الٰہی، سنت کی پیروی اور اتباعِ شریعت کی برکت سے حاصل ہوتا ہے یہ ان کی کرامت اور حضورِ اقدس ﷺ کا معجزہ ہوگا۔ حقیقتِ السورت میں ہے کہ سورت کے ایک بزرگ شیخ محمد فاضل سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۳۰۲ھ میں وفات ہوئی، جس روز آپ کی وفات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا آپ فرمارہے تھے کہ میں حج کے لیے جارہا ہوں چنانچہ سورت کے کچھ باشندے حج سے فارغ ہوکر واپس لوٹے تو ان کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا صاحب کو حج کے دوران عرفات میں دیکھا تھا۔[4]

اسی طرح فتاوی رحیمیہ میں اور واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

---

[1] (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۳۷، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۶، شرح الصدور ص ۲۱۰، الکواکب الدریۃ ص ۵۴۰)

[2] (الکواب الدریۃ ج ۳ ص ۱۰)

[3] (شرح حکم ابن عطاللہ السکندری ص ۲۲)

[4] (حقیقت سورت فارسی ص ۹۳، فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۳)

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ’’کفایۃ المعتقد‘‘ میں کہا ہے کہ:

بعض فقہائے صالحین سے فقیہ الکبیر ولی الشہیر حضرت احمد بن موسیٰ بن عجیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر میں سورت نور کی قرآت کی سماعت مشہور ہے۔[1]

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ علمائے اعلام، تابعین عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات بلکہ خود نبی کریم ﷺ کی تقریر و تصدیق سے ثابت ہے کہ غیر انبیاء بھی قبر میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ جب غیر انبیاء کا یہ حال ہے تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے قبر مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد شعیب دیوبندی فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنی کتاب ’’معجزے اور دلیلونہ‘‘ص ۲۳۵ میں لکھتے ہیں کہ ’’الحق‘‘ رسالے میں ایک طالبِ علم کی شہادت کا واقعہ چھپا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح تھا کہ ایک طالبِ علم مولوی محمد شریف جو زرمل علاقے افغانستان کا رہنے والا تھا، اس نے اپنے والد سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی مگر والد نے اجازت نہیں دی بالآخر والد کی اجازت کے بغیر ہی جہاد پر چلا گیا اور شاہ توری علاقہ ارگون پر پہنچ گیا اور معاون عبد الحمید کے ساتھ حرکتِ انقلابِ اسلامی سے ملکر جہاد میں شریک ہو گیا۔ شدید جنگ شروع ہو گئی اور مختلف مقامات سے مسلمان امداد کے لیے امیر ارسلا خان کی قیادت میں پہنچ گئے۔ یہ طالبِ علم بہت بہادری سے لڑ رہا تھا کہ ایک کلاشنکوف کی گولی اس کے دل پر لگی جس سے وہ شہید ہو گیا۔ سخت سردی اور برف باری کے موسم کی وجہ سے اس کی لاش اپنے مورچہ میں دو دن تک پڑی رہی۔ تیسرے دن اس شہید کو اپنے مرکز میں لاکر وہاں دفن کر دیا۔ اس شہید طالب علم کے گاؤں کا ایک دوست زرمل پہنچا تو اس کو اس کی شہادت کی اطلاع ملی پھر اس نے شہید کے والدین کو خبر دی کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ سات دنوں بعد اس شہید کے دوست نے مرکز میں آکر امیر حرکت انقلابِ اسلامی سے عرض کی کہ اس شہید کا بوڑھا باپ بہت اصرار کر رہا ہے کہ اس کے شہید بیٹے کو یہاں سے نکال کر اس کو دیں تاکہ وہ اسے اپنے گاؤں میں دفن کرے۔ بالآخر بہت اصرار کے بعد امیر نے اجازت دے دی کہ اسے نکال لیا جائے۔ جب اس شہید کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس کا جسم تر و تازہ تھا اور نہایت خوبصورت تھا اور اپنا ہاتھ اُس نے اپنے دل پر رکھا ہوا تھا۔ معاون عبد الحمید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے سات مرتبہ اس کے ہاتھ کو سیدھا کیا مگر جیسے ہی میں اس کا ہاتھ سیدھا کرتا وہ فوراً اپنا ہاتھ دل پر رکھ لیتا۔ آخر کار ہم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر مجاہدین نے اس کی لاش کو اُٹھا کر اس کے گاؤں پہنچا دی۔ جب اس شہید کی لاش اپنے گاؤں پہنچی جہاں بہت سے لوگ جمع تھے تو اس کا بوڑھا باپ اس کے پاس کھڑا

---

[1] (شرح الصدور ص ۸۷)

اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا پھر اچانک اس کے باپ نے چیختے ہوئے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اے میرے جگر گوشے! اگر تم حق عقیدے اور اچھی نیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اگر اللہ رب العزت تم سے راضی ہے تو ابھی تم مجھ سے مصافحہ کرو تو میں اپنے تمام حقوق معاف کر دوں گا اور اگر تم نے مصافحہ نہیں کیا تو میں اپنے حقوق معاف نہیں کروں گا کہ تم میری بغیر اجازت کے میرے بڑھاپے میں مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ سینکڑوں لوگ وہاں موجود تھے جن میں مجاہدین بھی تھے، اُن تمام لوگوں نے دیکھا کہ اس شہید نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے باپ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر اس کے باپ نے بلند آواز سے اُس کو معاف کیا۔ اس واقعہ کی گواہی تقریباً بیس ہزار لوگ دیتے ہیں۔[1]

ان مذکورہ تمام واقعات ودلائل سے ثابت ہوا کہ مردہ قبر میں تلاوت کر سکتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے اور زندوں کا کلام سُن سکتا ہے اور حج بھی کر سکتا ہے اور گھوم پھر بھی سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے۔

جیسا کہ صاحبِ تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ:

ان اللہ یعطی لارواحھم قوۃ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمّرون اعدائھم إن شاءاللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ انبیائِ کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا کرتا ہے تو وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

(واللہ ورسولہٗ اعلم)

[1] (ماہانہ "الحق" شمارہ نمبر ۱ ج ۱۷ ص ۴۰ ۱۴۰۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۱ء)

تصرفات الاولياء فى الحياة وبعد الوفاة وهل الكرامة في اختيارهم املا؟

يقول ابن عجيبة

الإشارة: والأرواح النازعات عن ملاحظة السِّوى غرقاً في بحار الأحدية. والناشطات من علائق الدنيا ومتابعة الهوى نشطاً، والسابحات بأفكارها في بحر أنوار الملكوت، وأسرار الجبروت، سبحاً، فالسابقات إلى حضرة القدس سبقاً، فالمدبرات أمر الكون، بالتصرّف فيه بالنيابة عن الحق، وهو مقام القطبانية، أو النازعات عن الحظوظ والشهوات غرقاً في التجرّد إلى العبادات بأنواع الطاعات. وهذه أنفس العُبّاد، والناشطات عن الدنيا، وأهلها فراراً إلى الله نشطاً، وهي أنفس الزُهّاد، والسابحات بعقولها في أسرار العلوم، فتستخرج من الكتاب والسنة درراً ويواقيت، يقع النفع بها إلى يوم الدين، وهي أنفس العلماء الجهابذة، فالسابقات إلى الله بأنواع المجاهدات والسير في المقامات، حتى أفضت إلى شهود الحق عياناً، سبقاً، وهي أنفس الأولياء العارفين، فالمُدبرات أمر الخلائق بقسم أرزاقها وأقواتها ورتبها، وهي أنفس الأقطاب والغوث۔[1]

يقول شهاب الدين أحمد الحموى الحسينى

ومن ذلک تعلم أن ما ظهر من التصرفات على يد الاولياء لا يخالف صريح القرآن؛ لأن هذا التصرف الذى ينسب للأولياء هو نوع من الكرامات وهو فعل الله وخلقه، يظهره الله إكرامًا لهم، تارة بإلهام وتارة بمنام وتارة بدعائهم وتارة بفعلهم اختيارهم وتارة بغير اختيار ولا قصد ولا شعور منهم۔[2]

يقول السيد محمد انور شاه الكشميرى

أما الفَرْقُ بين الكرامةِ والمعجزة: فبأن الكرامةَ تحتاجُ إلى صَرْفِ هِمَّةِ الولي، فللكَسْب والاكتساب دخلٌ فيها، بخلاف المعجزةِ، فإنَّها لا تَحْتاج إلى صَرْف الهِمَّة۔[3]

يقول شيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصارى

والكرامة فِعْل لا محالة محدث، لأن ما كان قديماً لم يكن له اختصاص بأحد، وهو ناقض للعادة، وتحصل في زمان التكليف وتظهر على عبد تخصيصاً له وتفضيلاً۔ وقد تحصل باختياره ودعائه، وقد لا تحصل له، وقد تكون بغير اختياره في بعض الأوقات۔[4]

---

[1] (البحر المديد، ج۸، ص۲۲۷، ۲۲۸، الناشر: دار الكتب العلمية)

[2] (نفحات القرب والاتصال باثبات التصرف لأولياء الله تعالیٰ بعد الانتقال، ص ۱۰۴)

[3] (فيض البارى، باب فضائل القرآن، ج۴، ص ۲۶۴)

[4] (نتائج الافكار القدسية فى بيان معانئ شرح الرسالة القشيرية، ج۲، ص ۲۵۴)

يقول محمد بن يوسف الصالحي الشامي

واختلف في تجويز الكرامات على حكم الاختيار, شرط الكرامة صدورها بلا اختيار من الولي، وأن الكرامة تفارق المعجزة من هذا الوجه، قال إمام الحرمين في الإرشاد: وهذا غير صحيح قال: وصار صائرون إلى جواز وقوعها اختيارا۔[1]

يقول محمد بن يوسف السنوسى

وقد اختلف المتكلمون فى امتناع صدور الكرامت عن اختيار و قصد من الولى على قولين، و كذا اختلفوا فى صحة وقوعها مقارنة لدعوى الولاية، فاجاز ذلک القاضى و منعه غيره۔[2]

يقول محمد بن علي بن آدم بن موسى الإتيوبي الولوي

(ومنها): بيان أن كرامات الأولياء قد تقع باختيارهم، وطَلَبهم، قال النوويّ: وهذا هو الصحيح عند أصحابنا المتكلمين، ومنهم من قال: لا تقع باختيارهم وطلبهم۔[3]

يقول ابن الملقن

سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري

أن كرامات الأولياء قد تقع باختيارهم وطلبهم، وهو الصحيح عند أصحابنا المتكلمين، ومنهم من قَالَ: لا تقع باختيارهم وطلبهم۔[4]

يقول أبو زكريا يحيى بن شرف بن مري النووي

وفيه أن كرامات الأولياء قد تقع باختيارهم وطلبهم وهذا هو الصحيح عند اصحابنا المتكلمين ومنهم من قال لا تقع باختيارهم وطلبهم۔[5]

يقول الشيخ المحقق سيد ادريس بن احمد الحسنى

ومذهب المحققين جواز وقوع الخوارق كلها على يد الولى باختياره او بغير اختياره۔[6]

يقول عبد الحق بن سيف الدين بن سعد الله البخاري الدِّهلوي الحنفي

وقال أحد من المشايخ العظام: رأيت أربعة من المشايخ يتصرفون في قبورهم كتصرفهم في حياتهم أو أكثر، الشيخ معروف الكرخي، والشيخ عبد القادر الجيلي -رضي الله عنهما-، وذكر رجلين غيرهما، وقال سيدي أحمد

---

[1] (سبل الهدى والرشاد، ج ۱۰، ص ۲۳۸)

[2] (المنهج السديد فی الشرح كفايت المريد، ص ۳۸۰ فصل فی جواز خرق العادات كرامتًا للاولياء السادات)

[3] (البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج، ج ۴۰، ص ۲۵۰، الناشر: دار ابن الجوزي)

[4] (التوضيح لشرح جامع الصحيح، ج ۹، ص ۲۹۰، الناشر: دار الفلاح)

[5] (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج ۱۶، ص ۳۲۴، الناشر: دار المعرفة، بيروت، لبنان)

[6] (النشر الطيب على شرح الشيخ الطيب، ج ۲، ص ۱۹۴)

بن زروق شارح (كتاب الحكم)، وهو من أعاظم الفقهاء وعلماء الصوفية من ديار مغرب قال: قال لي شيخي أبو العباس الحضرمي يومًا: هل إمداد الحي أقوى أم إمداد الميت؟ فقلت: إنهم يقولون: إمداد الحي أقوى، وأنا أقول: إمداد الميت أقوى، فقال: نعم، لأنه في بساط الحق، والنقل في ذلك كثير عن هذه الطائفة، ولم يعرف في الكتاب والسنة وأقوال السلف ما ينافي ذلك ويرده، كيف وقد ثبت في الدين أن الروح باقية، ولها علم وشعور بالزائرين، ولأرواح الكاملين قرب ومكانة من جناب الحق تعالى، كما كان في الحياة أو أتم من ذلك، وهم يثبتون الكرامات، والتصرف في الأكوان للأولياء، وليس ذلك إلا لأرواحهم المقدسة، وهي باقية، والمتصرف الحقيقي ليس إلا اللهَ سبحانه، والكل بقدرته، وهم فانون في جلال الحق في الحياة وبعد الممات، فلو أعطى لأحد بوساطة أحد من أوليائه ومكانته عنده شيئًا كما كان في حالة الحياة لم يبعد، وليس الفعل والتصرف في الحالتين إلا اللّٰه تعالى وتقدس، وليس في الحالتين ما يوجب الفرق، ولم يدل عليه دليل في الشرع۔[1]

يقول الشيخ عبدالحق محدث دهلوى

وجماعۂ از معتزلہ وآنہا کہ درپی ایشان رفتہ اند منکر شدہ اند کرامت را و بعضی گفتہ اند کہ صادر نمیشود کرامت از ولی بقصد و اختیار و اگر صادر شود بی قصد و اختیار خواہد بود و بعضی بآن رفتہ کہ کرامت از جنس معجزہ نمی باشد مثل تکثیر طعام قلیل ونبع ماء از اصابع ومانند آن وحق جواز وقوع ست بقصد واختیار وبی قصد واز جنس معجزہ وغیر معجزہ۔[2]

يقول محمد علي بن محمد بن علان بن إبراهيم البكري الصديقي الشافعي

وفيه إثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم۔[3]

يقول الحسين بن محمود بن الحسن مظهر الدين الزَّيْدَانيُّ الكوفي الضَّريرُ الشِّيرازيُّ الحَنَفيُّ

وأما الكرامات فهي بخلاف المعجزات، فإنَّ الولي ربما يقدِر أن يأتي بها، وربَّما لا يقدر، فرقًا بينها وبين المعجزة۔[4]

يقول أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى

وفيه دلالة على صحة وقوع الكرامات من الأولياء وهو قول جمهور أهل السنة والعلماء خلافا للمعتزلة وقد نسب لبعض العلماء إنكارها والذي نظنه بهم أنهم ما أنكروا أصلها لتجويز العقل لها ولما وقع في الكتاب والسنة وأخبار صالحي هذه الأمة ما يدل على وقوعها وإنما محل الإنكار ادعاء وقوعها ممن ليس موصوفا بشروطها ولا هو

---

[1] (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، ج۴، ص ۲۱۶، الناشر: مكتبه علوم اسلاميه)

[2] (اشعات اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف، ج۴، ص ۲۱۰، باب الكرامات، الناشر: المكتبة الحبيبية، كوئٹہ، پاکستان)

[3] (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۲، ص ۳۵۰)

[4] (المفاتيح في شرح المصابيح، ج۶، ص ۲۶۸، الناشر: دار النوادر، وهو من إصدارات إدارة الثقافة الإسلامية-وزارة الأوقاف الكويتية)

أهل لها. وفيه أن كرامة الولي قد تقع باختياره وطلبه وهو الصحيح عند جماعة المتكلمين كما في حديث جريج. ومنهم من قال لا تقع باختياره وطلبه. وفيه أن الكرامة قد تقع بخوارق العادات على جميع أنواعها ومنعه بعضهم وأدعى أنها تختص بمثل إجابة دعاء ونحوه قال بعض العلماء هذا غلط من قائله وإنكار للحس.[1]

يقول أحمد بن محمد بن أبى بكر بن عبد الملك القسطلاني القتيبي المصري

وفي هذا إثبات كرامات الأولياء ووقوع ذلك لهم باختيارهم وطلبهم.[2]

يقول أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي

وأن الله يجعل لأوليائه عند ابتلائهم مخارج وإنما يتأخر ذلك عن بعضهم في بعض الأوقات تهذيبا وزيادة لهم في الثواب وفيه اثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم.[3]

يقول محمَّد الخَضِر بن سيد عبد الله بن أحمد الجكني الشنقيطي

وفيه إثبات كرامات الأولياء، ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم.[4]

يقول محمد علي بن محمد بن علان بن إبراهيم البكري الصديقي الشافعي

وفيه أن الله يجعل لأوليائه مخارج عند ابتلائهم وإنما يتأخر ذلك عن بعضهم في بعض الأوقات تهذيباً وزيادة في الثواب، وفيه إثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم.[5]

يقول الأستاذ الدكتور موسى شاهين لاشين

وفيه إثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم.[6]

يقول أبو سعيد الخادمي

ثُمَّ الْكَرَامَةُ قَدْ تَكُونُ فِعْلًا اخْتِيَارِيًّا وَقَدْ تَكُونُ إلْجَائِيًّا وَلَا يَجُوزُ إظْهَارُهَا بِاخْتِيَارِهِ عَلَى غَيْرِ أَهْلِهَا.[7]

يقول ألشيخ أحمد فريد المزيدى

ذهب كثيرٌ من الناس إلى أن الكرامة لا تقع اختيارًا، ولو قصد الولى وقوعها اختيارًا لم تقع.

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج٥، ص٢٠٧، الناشر: دار الحديث، ملتان، الباكستان)

[2] (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري ج٥، ص٢١٤، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

[3] (فتح الباري شرح صحيح البخاري ج٦، ص٤٨٦، مكتبه: دار المعرفة –بيروت)

[4] (كوثَر المَعَاني الدَّرَارِي في كَشْفِ خَبَايا صَحِيحْ البُخَاري ج11 ص183 مؤسسة الرسالة، بيروت)

[5] (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٣، ص٤٠، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت - لبنان)

[6] (فتح المنعم شرح صحيح مسلم، ج٩، ص٦٢٦، الناشر: دار الشروق)

[7] (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج١، ص٢٩٣، الناشر: المكتبة الفاروقية)

وقال إمام الحرمین: ھذا قولٌ غیر مرضی، بل المختار عندنا ألا یمتنع وقوع الکرامۃ علی وفق مراد الولی وقصدہ اختیارہ، کما لا ممتنع وقوعھا علی غیر اختیارہ۔

قلت: و دلیل فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین صرخ وھو علی المنبر بساریۃ و جیشہ، وھم بأکناف نھاوند، و کان قصدہ و اختیارہ أن یسمعوا کلامہ، فوقع ذلک کما أرادو اختار۔

قال القاضی أبو بکر: لو عرض ھذا علی العقل لم یکن فیہ محالٌ، ولا یمتنع وقوعھا اختیارًا إذا رام بھا تخلصًا من ھلکہ أو خلاصًا لغیرہ۔ [1]

یقول الشیخ القاضی عبد الحلیم بن محمد الرومی الحنفی

والکرامۃ تقع من الولی بقصد و بغیر قصد۔ [2]

یقول ابن تیمیة

وَمِنْ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ: التَّصْدِيقُ بِكَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ وَمَا يُجْرِي اللَّهُ عَلَى أَيْدِيهِمْ مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَاتِ فِي أَنْوَاعِ الْعُلُومِ وَالْمُكَاشَفَاتِ وَأَنْوَاعِ الْقُدْرَةِ وَالتَّأْثِيرَاتِ كَالْمَأْثُورِ عَنْ سَالِفِ الْأُمَمِ۔ [3]

یقول ابن تیمیة

وَقَدْ قَالُوا: إنَّ عُلَمَاءَ الْآدَمِيِّينَ مَعَ وُجُودِ الْمُنَافِي وَالْمُضَادِّ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ. ثُمَّ هُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفَسَ؛ وَأَمَّا النَّفْعُ الْمُتَعَدِّي وَالنَّفْعُ لِلْخَلْقِ وَتَدْبِيرُ الْعَالَمِ فَقَدْ قَالُوا هُمْ تَجْرِي أَرْزَاقُ الْعِبَادِ عَلَى أَيْدِيهِمْ وَيَنْزِلُونَ بِالْعُلُومِ وَالْوَحْيِ وَيَحْفَظُونَ وَيُمْسِكُونَ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ أَفْعَالِ الْمَلَائِكَةِ. وَالْجَوَابُ: أَنَّ صَالِحَ الْبَشَرِ لَهُمْ مِثْلُ ذَلِكَ وَأَكْثَرُ مِنْهُ وَيَكْفِيك مِنْ ذَلِكَ شَفَاعَةُ الشَّافِعِ الْمُشَفَّعِ فِي الْمُذْنِبِينَ وَشَفَاعَتُهُ فِي الْبَشَرِ كَيْ يُحَاسَبُوا وَشَفَاعَتُهُ فِي أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ. ثُمَّ بَعْدَ ذَلِكَ تَقَعُ شَفَاعَةُ الْمَلَائِكَةِ وَأَيْنَ هُمْ مِنْ قَوْلِهِ: {وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ}؟ وَأَيْنَ هُمْ عَنْ الَّذِينَ: {وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ}؟ وَأَيْنَ هُمْ مِمَّنْ يَدْعُونَ إلَى الْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ؛ وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً؟ وَأَيْنَ هُمْ مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "{إنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ فِي أَكْثَرَ مِنْ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ}"؟ وَأَيْنَ هُمْ مِنْ الْأَقْطَابِ وَالْأَوْتَادِ و الأغواث؛ وَالْأَبْدَالِ وَالنُّجَبَاءِ؟

فَهَذَا - هَدَاك اللَّهُ - وَجْهُ التَّفْضِيلِ بِالْأَسْبَابِ الْمَعْلُومَةِ؛ ذَكَرْنَا مِنْهُ أُنْمُوذَجًا۔ [4]

یقول ابن تیمیة

وَهَذَا عَامٌّ فِي كُلِّ الْأَشْيَاءِ وَجَاءَ تَفْسِيرُ ذَلِكَ فِي آثَارٍ: إنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُزِيلَ جَبَلًا أَوْ الْجِبَالَ عَنْ أَمَاكِنِهَا لَأَزَالَهَا وَأَنْ لَا يُقِيمَ الْقِيَامَةَ لَمَا أَقَامَهَا وَهَذَا مُبَالَغَةٌ. وَلَا يُقَالُ: إنَّ ذَلِكَ يُفَضَّلُ بِقُوَّةٍ خُلِقَتْ فِيهِ وَهَذَا بِدَعْوَةٍ

---

[1] (جمع المقال فی اثبات کرامات الاولیاء فی الحیاۃ و بعد الانتقال، ص ۳۷، الناشر: دار الآثار الإسلامیۃ، سری لنکا)

[2] (ریاض السادات فی اثبات الکرامات للأولیاء حال الحیاۃ و بعد الممات، ص ۴۳)

[3] (مجموع الفتاوی، ج ۳، ص ۹۳: باب: تصدیق اھل السنۃ بکرامات الاولیاء، الناشر: دار الکتب العلمیۃ)

[4] (مجموع الفتاوی، ج ۴، ص ۱۹۳، ۱۹۲، باب: فی التفضیل بین الملائکۃ و الناس: الناشر: دار الکتب العلمیۃ)

يَدْعُوهَا لِأَنَّهُمَا فِي الْحَقِيقَةِ يُؤَوَّلَانِ إلَى وَاحِدٍ هُوَ مَقْصُودُ الْقُدْرَةِ وَمَطْلُوبُ الْقُوَّةِ وَمَا مِنْ أَجْلِهِ يُفَضَّلُ الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ. ثُمَّ هَبْ أَنَّ هَذَا فِي الدُّنْيَا فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ فِي الْآخِرَةِ؟ وَقَدْ جَاءَ فِي الْأَثَرِ: "{يَا عَبْدِي أَنَا أَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ أَطِعْنِي أَجْعَلْك تَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ يَا عَبْدِي أَنَا الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ أَطِعْنِي أَجْعَلْك حَيًّا لَا تَمُوتُ}" وَفِي أَثَرٍ: "{إنَّ الْمُؤْمِنَ تَأْتِيهِ التُّحَفُ مِنْ اللَّهِ: مِنْ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ إلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ}" فَهَذِهِ غَايَةٌ لَيْسَ وَرَاءَهَا مَرْمَى كَيْفَ لَا وَهُوَ بِاَللَّهِ يَسْمَعُ وَبِهِ يُبْصِرُ وَبِهِ يَبْطِشُ وَبِهِ يَمْشِي؟ فَلَا يَقُومُ لِقُوَّتِهِ قُوَّةٌ۔[1]

يقول ابن تيمية

وَإِذَا تَبَيَّنَ هَذَا: أَنَّ الْعِلْمَ مَقْسُومٌ مِنْ اللَّهِ، وَلَيْسَ كَمَا زَعَمَ هَذَا الْغَبِيُّ بِأَنَّهُ لَا يَكُونُ إلَّا بِأَيْدِي الْمَلَائِكَةِ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَهُوَ قَوْلٌ بِلَا عِلْمٍ بَلْ الَّذِي يَدُلُّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى اخْتَصَّ آدَمَ بِعِلْمٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ وَهُوَ عِلْمُ الْأَسْمَاءِ الَّذِي هُوَ أَشْرَفُ الْعُلُومِ وَحَكَمَ بِفَضْلِهِ عَلَيْهِمْ لِمَزِيدِ الْعِلْمِ فَأَيْنَ الْعُدُولُ عَنْ هَذَا الْمَوْضِعِ إلَى بُنَيَّاتِ الطَّرِيقِ؟ وَمِنْهَا الْقُدْرَةُ. وَزَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّ الْمَلَكَ أَقْوَى وَأَقْدَرُ وَذَكَرَ قِصَّةَ جبرائيل بِأَنَّهُ شَدِيدُ الْقُوَى وَأَنَّهُ حَمَلَ قَرْيَةَ قَوْمِ لُوطٍ عَلَى رِيشَةٍ مِنْ جَنَاحِهِ فَقَدْ آتَى اللَّهُ بَعْضَ عِبَادِهِ أَعْظَمَ مِنْ ذَلِكَ فَأَغْرَقَ جَمِيعَ أَهْلِ الْأَرْضِ بِدَعْوَةِ نُوحٍ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "{إنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ}" {وَرُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ} وَهَذَا عَامٌّ فِي كُلِّ الْأَشْيَاءِ۔[2]

يقول ابن القيم

ومما ينبغي أن يعلم أن ما ذكرنا من شأن الروح يختلف بحسب حال الأرواح من القوة والضعف والكبر والصغر، فللروح العظيمة الكبيرة من ذلك ما ليس لمن هو دونها. وأنت ترى أحكام الأرواح في الدنيا كيف تتفاوت أعظم تفاوت بحسب تفارق الأرواح في كيفياتها وقواها وإبطائها وإسراعها والمعاونة لها، فللروح المطلقة من أسر البدن وعلائقه وعوائقه من التصرف والقوة والنفاذ والهمة وسرعة الصعود إلى الله والتعلق بالله ما ليس للروح المهينة المحبوسة في علائق البدن وعوائقه، فإذا كان هذا وهي محبوسة في بدنها فكيف إذا تجردت وفارقته واجتمعت فيها قواها وكانت في أصل شأنها روحا علية زكية كبيرة ذات همة عالية، فهذه لها بعد مفارقة البدن شأن آخر وفعل آخر. وقد تواترت الرؤيا في أصناف بني آدم على فعل الأرواح بعد موتها ما لا تقدر على مثله حال اتصالها بالبدن من هزيمة الجيوش الكثيرة بالواحد والاثنين والعدد القليل ونحو ذلك، وكم قد رئي النبي (صلى الله عليه وسلم) ومعه أبو بكر وعمر في النوم قد هزمت أرواحهم عساكر الكفر والظلم فإذا بجيوشهم مغلوبة مكسورة مع كثرة عَدَدهم وعُدَدهم وضعف المؤمنين وقلتهم)۔[3]

---

[1] (مجموع الفتاوی، ج۴، ص ۱۹۱، باب: فی التفضیل بین الملائکۃ والناس: الناشر: دار الکتب العلمیۃ)
[2] (مجموع الفتاوی، ج۴، ص ۱۹۱، باب: فی التفضیل بین الملائکۃ والناس: الناشر، دار الکتب العلمیۃ)
[3] (کتاب الروح، ص ۱۳۶، مکتبۃ الفاروقیہ، پشاور)

یقول الامام عبدالوھاب الشعرانی

و رأیت فی مناقب سیدی محمد الحنفی الشاذلی القطب الغوث رضی اللہ عنہ انہ لما حضرتہ الوفاۃ قال لزوجتہ إیاک ان تتزوجی احداً بعدی فیخرب اللہ تعالیٰ دیارہ و أنا لا أحب ان یخرب دیار أحد من أجلی۔

میں نے سید محمد الحنفی الشاذلی، قطب، غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب میں دیکھا کہ جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا: میرے بعد کسی بھی شخص سے نکاح کرنے سے بچنا ورنہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو تباہ کر دے گا اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کا گھر تباہ ہو۔

و کذلک بلغنا عن سیدی محمد الشوعی احد اصحاب سیدی مدین و المدفون فی زاویتہ تجاہ قبتہ انہ تزوج بکراً فمکثت معہ یسیراً و مات عنھا و ھی بکر، و کان قال لھا لا تتزوجی بعدی احداً أقتلہ۔ فلما مات خطبھا شخص و استفتی العلماء فقالوا لہ ھذا خاص برسول اللہ ﷺ فدخل بھا فلما جلس عندھا قبل ان یمسھا خرج الشیخ لہ من الحائط بحربۃ فطعنہ فمات لوقتہ۔

و قد شاھدت انا شخصاً خطب زوجۃ سیدی محمد بن عنان بعد موتہ فأجابتہ و کتب کتابھا، فبینا ھو نائم تجاہ قبر سیدی محمد خارج شباک ضریحہ إذ خرج لہ سیدی محمد من القبر و طعنہ فی جنبہ و صارت کالکبد المشوی فأراھالی و اخبرنی بالقصۃ و قال احملونی الی بلادی فمات فی الطریق۔

اسی طرح ہمیں سیدی محمد الشوعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو سیدی مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں اور ان کی درگاہ میں ان کی قبر (مزار) کے سامنے مدفون ہیں کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا وہ ان کے ساتھ تھوڑا سا عرصہ رہی اور وہ فوت ہو گئے اور وہ کنواری تھی انہوں نے اس سے فرمایا تھا کہ میرے بعد کسی سے نکاح نہ کرنا ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے اس خاتون کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے علماء سے فتویٰ پوچھا تو علماء نے بتایا کہ یہ بات رسول اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے وہ شخص اس خاتون کے پاس گیا جب اس کے پاس بیٹھا تو اس سے پہلے کہ وہ اسے ہاتھ لگاتا وہ شیخ دیوار سے برچھی لے کر نکلے اور اس کے جسم میں پیوست کر دی اور وہ اسی وقت مر گیا اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے خود ایک شخص کو دیکھا اس نے سیدی محمد بن عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد ان کی زوجہ کو منگنی کا پیغام بھیجا اس نے قبول کر لیا اور اس مرد نے تحریر لکھ دی اس دوران کہ وہ شخص سیدی محمد بن عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر کی جالی کے باہر قبر کے سامنے سویا ہوا تھا کہ اچانک سیدی محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر سے نکلے اور اس کے پہلو میں نیزہ مار دیا اور وہ بھنے ہوئے جگر کی طرح ہو گیا اس شخص نے مجھے وہ دکھایا اور واقعہ سنایا اور کہا مجھے میرے علاقہ کی طرف لے جاؤ پس وہ راستے میں ہی انتقال کر گیا۔[1]

---

[1] (انوار القدسیۃ، ج ۲، ص ۵۶)

یقول القاضی محمد ثناء اللہ الفانی فتی

قلت ویوافق مذهب عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنهما ما ذکر فی المقامات المجددیة ان المجدد رضی اللہ عنه نظر ببصیرۃ الکشف مکتوبا فی ناصیة ملا طاهر اللاهوری شقی - وکان ملا طاهر معلما لابنیه الکریمین محمّد سعید و محمّد معصوم رضی اللہ عنهما - فذکر المجدد رضی اللہ عنه ما ابصر لولدیه الشریفین - فالتمسا منه رضی اللہ عنهم ان یدعو اللہ سبحانه ان یمحو عنه الشقاوۃ ویثبت مکانه السعادۃ - فقال المجدد رضی اللہ عنه نظرت فی اللوح المحفوظ فإذا فیه انه قضاء مبرم لا یمکن رده - فالجا ولداه الکریمان فی الدعاء لما التمسا منه - فقال المجدد رضی اللہ عنه تذکرت ما قال غوث الثقلین السید السند محی الدین عبد القادر الجیلي رضی اللہ عنه ان القضاء المبرم ایضا یرد یدعونی - فدعوت اللہ سبحانه وقلت اللهم رحمتک واسعة وفضلک غیر مقتصر علی أحد - ارجوک و أسئلک من فضلک العمیم ان تجیب دعوتی فی محو کتاب الشقاء من ناصیة ملا طاهر - و اثبات السعادۃ مکانه - کما أجبت دعوۃ سید السند رضی اللہ عنه - قال فکانی انظر إلی ناصیة ملا طاهر انه محیی منها کلمة شقی و کتب مکانه سعید وَ ما ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیزٍ - ثم أشکل عليّ هذا الأمر وقلت ما معنی رد القضاء المبرم بدعاء أحد فانه لا مرد لقضائه تعالی المبرم بوجه من الوجوه - والا لا یکون المبرم مبرما - وهذا خلف أو یلزم المحال - فالهمنی اللہ تعالی حل ذلک الاشکال ان القضاء المعلق نوعان - أحدهما ما کتب فی اللوح المحفوظ تعلیقه و کتب ان رد هذا القضاء معلق بامر کذا - وثانیهما ما لم یکتب تعلیقه فی اللوح - فهو فی اللوح علی صورۃ المبرم و معلق محوه وإثباته فی علم اللہ تعالی - فما قال السید السند رضی اللہ عنه ان القضاء المبرم یرد بدعوتي - فذلک القضاء هو الّذي فی اللوح فی صورۃ المبرم ولیس مبرما فی علم اللہ تعالی - وکان شقاوۃ ملا طاهر من هذا القبیل مبرما فی اللوح معلقا محوه بدعاء المجدد رضی اللہ عنه فی علم اللہ تعالی واللہ اعلم۔[1]

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

ذَکَرَ اِبْنُ السَّبْکِی فِی الطَّبَقَاتِ اَنَّ الْکَرَامَاتَ اَنْوَاعٌ وَعَدَّ مِنْهَا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُ اَجْسَادٌ مُتَعَدِّدَۃٌ۔

یعنی علامہ ابن سبکی نے طبقات میں ذکر فرمایا کہ کرامتوں کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ولی کے کئی جسم ہو جاتے ہیں۔[2]

تفسیر مظہری میں ہے:

وَ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ لِنُفُوْسِ بَعْضِ اَوْلِیَآئِهٖ فَاِنَّهُمْ یَظْهَرُوْنَ اِنْشَاءَ اللّٰہ تَعَالیٰ فِی آنٍ وَاحِدٍ فِی اَمْکِنَةٍ شَتّٰی بِاَجْسَادِهِمِ الْمُکْتَسِبَه۔[3]

---

[1] (التفسیر المظهری، ج۵، ص ۲۴۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

[2] (تفسیر روح البیان ص ۵ ۲ ۱ ج ۹، الحاولی للفتاویٰ ص ۳۴۲ ج ۱)

[3] (تفسیر مظهری ص ۲۷۷ ج ۳)

یعنی یوں ہی خدا تعالیٰ اپنے بعض ولیوں کو طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک آن میں متعدد جگہوں میں اپنے اجساد مبارکہ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

وَ لَا مَانِعَ مِنْ اَنْ یَّتَعَدَّدَ اَلْجَسَدُ الْمِثَالِیُ اِلیٰ مَالَا یُحْطی مِنَ الْاَجْسَادِ۔ [1]

یعنی اس سے کوئی مانع نہیں کہ جسد مثالی کا تعدد بے شمار اجساد میں ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَ لَا تباعد مِنَ الْاَوْلِیَاءِ حَیْثُ طُوِیَتْ لَھُمُ الْاَرْضُ وَ حَصَلَ لَھُمْ اَبْدَانٌ مُکْتَسِبَۃٌ مُتَعَدِّدَۃٌ وَجَدُوْھَا فِیْ اَمَاکِنِ مُخْتَلِفَۃِ فِی آنٍ وَاحِدٍ وَ اللہ عَلٰی کُلِّ شَیئٍ قَدِیْر۔

حضرت خواجہ محمد حضرمی قدس سرہ نے پچاس شہروں میں بیک وقت جمعہ پڑھایا۔

قَالَ الشَّعْرَانِی وَ اَخْبَرَنِی مِنْ صُحْبِ الشَّیْخِ مُحَمَّدَ اَلْحَضْرَمِیْ اَنَّہٗ خَطَبَ فِی خَمْسِیْنَ بَلْدَۃٍ فِی یومٍ وَاحِدٍ خُطْبَۃَ الْجُمْعَۃِ وَ صَلّٰی بِھِمْ اِمَاماً۔

یعنی قطبِ وقت سیدنا امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا مجھے اس شخص نے بتایا جو کہ شیخ محمد حضرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں رہا کہ حضرت شیخ حضرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ سبحان اللہ! یہ تو شانِ ولایت ہے۔ شانِ نبوّت کا کیا کہنا۔ [2]

حضرت محمد شربنی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی، اور کچھ اولاد عجم میں تھی، اور کچھ اولاد بلادِ ہند میں تھی، اور کچھ بلادِ تکرور میں تھی، آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنی اہل و عیال کے پاس ہو آتے، اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان ہی کے پاس قیام رکھتے تھے۔ [3]

سیدنا جلال الدین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

وَ فِیْ الْمُمْکِنِ اَنْ یَّخُصَّ اللہ تَعَالیٰ بَعْضُ عِبَادَۃٍ فِی حَالِ الْحَیٰوۃِ بِخَاصِیَۃِ لِنَفْسِہِ الْمَالِکِیَّۃِ الْقُدْسِیَّۃِ وَ قُوَّۃٌ لَھَا یُقَدِّرُبِھَا عَلٰی التَّصَرُّفِ فِی بَدَنٍ آخَرَ غَیْرَ بَدَنِھَا اَلْمَعْھُوْدُ مَعَ اِسْتِمْرَارِ تَعرِفُھَا فِیْ الْاَوَّلِ۔

---

[1] (تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵، الجز ثانی و العشرین تحت ھذا الآیت "وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرِّلَھَا، ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْم" ص ۱۵، مطبعہ دار الفکر بیروت)

[2] (روح البیان ج ۹، ص ۲۱۶، جمال الاولیاء ص ۱۸۸، مطبع تھانہ بھون)

[3] (جمال الاولیاء ص ۲۰۲، مطبوعہ تھانہ بھون)

"ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی خاص بندے کو بوجہ اس کے نفس ملکیہ قدسیہ اور خداداد قدرت کے ذریعے اپنے بدن حقیقی میں دائمی تصرف کے علاوہ دوسرے بدن میں متصرف و قادر ہو۔"[1]

امام ربانی محبوب سبحانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات کے صفحہ ٦٧ میں فرماتے ہیں: جب جنات کو یہ طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلیں اختیار کر کے عجیب و غریب حالتیں ظاہر کرتے ہی۔ اولیاء اللہ کو یہ امور حاصل ہوں تو محل تعجب کیوں؟ ان کا دوسرے جسم میں تصرف کرنا اسی قبیل سے ہے جو منقول ہے کہ اولیاء اللہ ایک گھڑی میں متعدد مقامات پہ حاضر ہو کر لطائف و ظرائف دکھاتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں، وہ اسی تصرف باطنی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے اپنے عزیزوں کے ہاں بھی ہیں اور حرم مکہ میں طواف کرتے ہوئے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ اسی وقت کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت روم میں دیکھا دوسرے کہتے ہیں اس گھڑی ہم نے انہیں بغداد میں دیکھا۔ یہ انہی بزرگ کی واقعی وہی صورت ہے جو انہوں نے مختلف شکلیں اختیار کر کے تصرف کیا اور متعدد مقامات پہ موجود ہووئے۔ یہ شکل کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ چنانچہ ایک رات میں ہزاروں سعادت مند حضور سرور عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہ صورت مبارکہ کے لطائف سے ہے۔ اسی طرح مریدین اپنے مشائخ کی صورت مثالیہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور حل مشکلات کراتے ہیں۔

شیخ المحققین سیدنا شاہ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اولیاء کرام کا متعدد مقامات پر ہونا بعید نہیں کیونکہ ارواح مقدسہ انبیاء بعد وصال بمنزل ملائکہ کے ہوتی ہیں بلکہ ان سے بھی افضل جیسے ملائکہ مختلف شکلوں میں آسکتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام اور عالم دنیا کی حیات میں بھی بعض حضرات کو اس کا تصرف حاصل ہوتا ہے کہ ایک ہی روح متعدد ابدان میں جو معہود بدن کا غیر ہے تصرف کرے۔[2]

حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہوں پر دعوت قبول کرسکتے ہیں۔[3]

قطب وقت عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

وَمِنْهَا شُهُوْدُ الْجِسْمِ الْوَاحِدِفِیْ مَكَانَيْنِ فِیْ آنٍ وَاحِدٍ۔

---

[1] (وَكَذَالِكَ قَالَ الْعَلَامَهُ اِبْنِ حَجَر هَيْتَمِي مَكِّيْ قَدِّسَ سِرَّهُ فِي الْفَتَاوٰى حَدِيْثِيَه، ص ٤٦)

[2] (جذب القلوب، بحوالہ اولیاء اللہ کے تصرفات، ص ٥٤ تا ٥٧)

[3] (ملفوظات شریف ج ١)

کرامت سے ہے ایک جسم کا آنِ واحد میں دو جگہوں میں ظاہر ہونا یعنی تعدد ِاجساد۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعدادِ اجساد صرف روح کے ساتھ ہوتا ہے، جسم کے ساتھ محال ہے۔ اس پر امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جلال آ گیا۔

فرماتے ہیں:

فِیْمَا مَنْ یَقُوْلُ اَنَّ الْجِسْمَ الْوَاحِدَ لَا یَکُوْنَ فِیْ مَکَانَیْنِ کَیْفَ یَکُوْنُ اِیْمَانُکَ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ فَاِنْ کُنْتَ مُؤْمِنًا فَقَلِدْ وَاِنْ کُنْتَ عَالِمًا فَلَا تَعْتَرِضْ فَاِنَّ الْعِلْمَ یَمْنَعُکَ۔

یعنی افسوس ہے اس شخص پر جو کہتا ہے کہ ایک جسم دو جگہ نہیں ہو سکتا۔ اے ایسا کہنے والے، کیا تیرا معراج پاک والی حدیث پر ایمان نہیں۔ (جس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر مبارک میں بھی دیکھا) ارے ایسا کہنے والے، اگر تو مومن ہے تو تقلید کر، اگر تو عالم ہے تو اعتراض کیوں کرتا ہے (اگر تیرا علم نوری ہے) تو تجھے تیرا علم اعتراض کرنے سے باز رکھے گا۔[1]

حضرت شیخ ابو العباس مرسی قدس سرہ کو ایک نیاز مند نے نمازِ جمعہ کے بعد اپنے گھر تشریف لے جانے کی دعوت دی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس دعوت کو قبول فرمالیا۔ پھر دوسرا اعقید تمند آیا، اس نے بھی اپنے ہاں کے لئے دعوت دی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے ساتھ بھی وعدہ فرمالیا۔ پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں آیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب کے ساتھ وعدہ فرمالیا۔

ثُمَّ صَلَّی الشَّیْخُ مَعَ الْجَمَاعَۃِ وَجَاءَ فَقَعَدَ بَیْنَ الْفُقَھَاءِ وَلَمْ یَذْھَبْ لِاَحَدٍ مِّنْھُمْ وَاِذَا بِکُلٍّ مِنَ الْخَمْسَۃِ جَاءَ یَشْکُرُ الشَّیْخَ عَلٰی حُضُوْرٍ عِنْدَہٗ۔[2]

یعنی حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ نے نماز جمعہ پڑھی تو آپ علماء کرام کے پاس بیٹھ گئے اور کہیں نہیں گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ پانچوں نیاز مند دعوت دینے والے آئے اور حضرت شیخ کا ان سب کے گھروں میں تشریف لے جانے پر ہر ایک نے شکریہ ادا کیا۔

حضرت سید امام علی شاہ مکان شریف والوں کو ساٹھ آدمیوں نے افطاری کی دعوت دی تو آپؒ نے سب کے گھر بیک وقت روضہ افطار کیا اور کھانا کھایا۔[3]

---

[1] (الیواقیت والجواہر ص ۲)

[2] (الحاوی للفتاویٰ للعلامہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۳۴۰، ج ۱)

[3] (بحوالہ سلسبیل بابت ماہ شوال مکرم، ۱۳۸۴ھ بحوالہ حاضر و ناظر ص ۹۶، ۹۵)

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیک وقت چالیس اشخاص کے گھر جا کر کھانا کھایا۔[1]

سیدنا امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لاتعداد گھروں میں بیک وقت کھانا کھایا۔ جہانگیر بادشاہ نے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہوگی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تو ایک ذات ہیں۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہر مرنے والے کی قبر میں کیسے پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔ سیدنا امام ربّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے بادشاہ! دہلی والوں کو کہو کہ وہ میری دعوت کریں، لیکن دعوت ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں ہو۔ اس فرمائش پر جہانگیر نے اپنے بہت سے احباب کو امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعوت کے متعلق کہہ دیا اور اس دن خود بھی جہانگیر نے امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعوت کی۔ وقتِ مقرر پر سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بادشاہ کے ہاں دعوت کھائی۔ رات اس کے ہاں قیام فرمارہے۔ صبح بادشاہ نے ان دعوت دینے والوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے فرداً فرداً اقرار کیا کہ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کل رات کا کھانا ہمارے گھر کھایا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ حیران ہوا۔ سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے بادشاہ! میں تو سیدِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادنیٰ امتی ہوں اور جب میں سب کے گھر بیک وقت موجود ہو کر کھانا کھا سکتا ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیوں ہر قبر میں جلوہ فرما نہیں ہو سکتے۔[2]

خاتمۃ المحدثین علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ قضیب البان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ نقل فرمایا ہے، اور حضرت قضیب البان وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق حضرت محبوب سبحانی سرکار غوثِ اعظم قدس سرہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

هُوَ وَلِیٌّ مُقَرَّبٌ ذُوْ حَالٍ مَعَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَقَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَہٗ۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قرب والا ولی ہے۔ وہ صاحب حال ہے اور وہ قضیب البان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدا تعالیٰ کے دربار میں سچائی کے قدم والے ہیں۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ تو نماز نہیں پڑھتا۔

سرکار غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اَنَّہٗ یُصَلِّیْ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَہٗ وَاِنِّیْ اَرَاہُ اِذَا صَلّٰی بِالْمُوْصِلِ اَوْ بِغَیْرِھَا مِنْ اٰفَاقِ الْاَرْضِ یَسْجُدُ عِنْدَ بَابِ الْکَعْبَۃِ۔

---

[1] (کتاب ذخیرۃ الملوک منقول از خزینہ معرفت ص ۱۸۳)

[2] (ملخصاً فیوضاتِ مجددیہ ص ۱۱)

یعنی فرمایا کہ قضیب البان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں نماز پڑھتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ مگر میں اسے دیکھتا ہوں کہ موصل میں یا کسی اور جگہ زمین کے کسی خطہ میں نماز پڑھے تو سجدہ وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس ہی کرتا ہے۔[1]

تفریح الخاطر میں ہے کہ ایک دفعہ ماہِ رمضان شریف میں ستّر اشخاص نے حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دعوتِ افطار دی اور ان میں ہر ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ آپ نے ہر ایک کی دعوت افطار قبول کی اور ہر ایک کے گھر میں بیک وقت حاضر ہو کر روزہ افطار کیا۔ نیز اسی دن اور اسی وقت اپنی خانقاہ شریف میں بھی حاضر تھے اور روزہ افطار فرمایا تھا۔

وشاع ھذا الخبر فی بغداد فخطر فی قلب خادم من الخادمین ان حضرت الغوث ما خرج من التکیۃ فکیف یتصور رواحہ الی بیوتھم واکل طعامھم فی آن واحد منھم وحضرت واکلت طعامھم فی بیوتھم فرداً فردا۔[2]

یعنی یہ خبر بغداد شریف میں شائع ہوئی تو غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادموں میں سے ایک خادم کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ غوث پاک تو اپنی خانقاہ شریف سے باہر نہیں گئے تو یہ کیسے تصور میں آسکتا ہے کہ ان لوگوں کے گھر میں بیک وقت آن واحد میں تشریف لے گئے اور روزہ افطار کیا۔ اس پر غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ تمام لوگ اپنے اپنے قول میں سچے ہیں۔ میں نے ہر ایک کی دعوت کو قبول کیا۔ آن واحد میں ان کے گھروں میں حاضر ہوا اور ان کے ہمراہ طعام بھی کھایا۔[3]

جناب رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

ان الشیخ عبدالقادر الجیلانی قال رأیت النبی ﷺ قبل الظھر فقال لی یابنی لم لاتتکلم قلت یاابتاہ انا رجل اعجمی کیف اتکلم علی فصحاء بغداد فقال لی افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ سبعاً وقال تکلم علی الناس وادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ۔

ایک دن شیخ عبد القادر جیلانی سید الاولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ظہر سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ بیٹے کیوں لوگوں سے بولتے نہیں۔ حضرت سید الاولیاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یاابا جان میں عجمی ہوں اور یہ سب مجمع فصحاء بلغاء بغداد کا ہے تو میں کس طرح ان کے سامنے آزادی اور بے تکلفی سے بیان کروں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا منہ کو قریب کرکے کھولو، فرماتے ہیں کہ میں نے منہ کو کھول کر پیش کیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سات مرتبہ تف تف

---

1 (الحاوی للفتاویٰ، ۳۴۱، ج ۱)

2 (تفسریح الخاطر، ص ۳۸)

3 (تسکین السالکین، ص ۲۰)

فرما کر میرے منہ میں لعاب مبارک کا حصہ ڈال کر مشرف فرمایا اور ارشاد فرمانے لگے کہ لوگوں سے خطاب کرو اور نہایت حکمت عملی اور پسندیدہ مواعظ سے دین کی طرف لوگوں کو بلائیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بھی ایک موقعہ پر اپنے دیدار پر انوار سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کو عالم بیداری میں مشرف فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ظہر کی نماز کے بعد وعظ کی غرض سے بیٹھ کر بولنے لگا مگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے کچھ پریشانی جیسی محسوس ہوئی۔ یکدم کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سامنے تشریف فرماہیں۔ مجھے فرمانے لگے اے بیٹے! کیا بات ہے بولتے نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ابا جان! کچھ پریشانی محسوس کرتا ہوں، فرمانے لگے اچھا منہ کھول دو۔ میں نے میں کھول دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مرتبہ اپنی لعاب میں سے کچھ تف تف کر کے عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت سات مرتبہ پوری فرمایئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں **ادباً مع رسول اللہ ﷺ** چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ سات مرتبہ مہربانی فرما چکے ہیں تو میں چھے مرتبہ کروں گا تاکہ برابری سے بے ادبی نہ ہو جائے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

و الحکایات فِي ذٰلِک عَن أَوْلِیَاء اللہ کَثِیرَۃ جداوَ لَا یُنکر ذٰلِک إِلَّا معانداأو محروم۔

اس باب میں اولیاء اللہ تعالیٰ سے بہت حکایات منقول ہیں جس کا انکار سوائے معاند یا اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص سے محروم کے نہیں کرتا۔[1]

مولوی تھانوی بوادر النوادر ج ۱ ص ۸۰ اور تربیۃ السالک ص ۵۹ میں لکھتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات اور خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معناً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔[2]

سوال: اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے انتقال کے بعد کرامت شریعت سے ثابت ہے یا نہیں میں اس کا قائل اس وجہ سے نہیں ہوں کہ زندگی میں اولیائے کرام سے جو کرامتیں صادر ہوتی ہے اس سے مخالفین راہ مستقیم اختیار کرتے ہیں اور انتقال کے بعد منشأ فوت ہے اور جو شخص کرامت کا قائل نہ ہو گا گنہگار ہو گا یا نہیں؟

---

1 (الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر ج ۱ ص ۲۱۳)

2 (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۴۱۴)

جواب: حدیث میں حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر پر نور کا نمایاں ہونا وارد ہے یہ کھلی کرامت ہے اور جو دلیل نفی کی لکھی ہے خود یہ قابل نفی ہے اس لئے کہ اول تو اس حکمت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں دوسرے اس کرامت میں بھی یہ حکمت حاصل ہے کہ اس سے ہدایت پا کر احیاء سے طریق مستقیم تلاش کریں گے اور منکر کرامات مبتدع ہے۔

وقال ابوبکر بن العربی المالکی و رؤیۃ والملائکۃ وسماع کلامھم ممکن للمؤمن کرامۃ۔رُؤْيَتَهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَهُوَ فِي الْيَقَظَةِ وَهَذَا بَابٌ ضَيِّقٌ وَقَلَّ مَنْ يَقَعُ لَهُ ذَلِكَ الْأَمْرُ إلَّا مَنْ كَانَ عَلَى صِفَةٍ عَزِيزٍ وُجُودُهَا فِي هَذَا الزَّمَانِ، بَلْ عَدِمَتْ غَالِبًا مَعَ أَنَّا لَا نُنْكِرُ مَنْ يَقَعُ لَهُ هَذَا مِنْ الْأَكَابِرِ الَّذِينَ حَفِظَهُمْ اللَّهُ - تَعَالَى - فِي ظَوَاهِرِهِمْ وَبَوَاطِنِهِمْ، وَقَدْ أَنْكَرَ بَعْضُ عُلَمَاءِ الظَّاهِرِ رُؤْيَةَ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي الْيَقَظَةِ وَعَلَّلَ ذَلِكَ بِأَنْ قَالَ الْعَيْنُ الْفَانِيَةُ لَا تَرَى الْعَيْنَ الْبَاقِيَةَ وَالنَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي دَارِ الْبَقَاءِ وَالرَّائِي فِي دَارِ الْفَنَاءِ۔[1] ورد بان المومن اذامات یری اللہ وھو لایموت۔

ابو بکر بن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائک کو دیکھنا اوران کے کلام کو سننا یہ سب مؤمن کیلئے ازروئے کرامت ممکن ہے۔علامہ ابن حاج مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھنا یہ ایک ایسا باب ہے جس کا دائرہ بہت تنگ ہے ہر ایک کو یہ نعمت میسر نہیں ہو سکتی اس نعمت کے حاصل کرنے والے آپ کو بہت کم نظر آئیں گے۔جس کا وجود اس زمانہ میں بہت کم بلکہ معدوم ہو چکا ہے۔ہاں اگر بعض اکابر کو (جن کا ظاہر و باطن صاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ فرمایا ہے) جناب رسول اللہ ﷺ کا دیدار بیداری میں حاصل کرے تو کوئی استبعاد نہیں اور ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔(پھر فرماتے ہیں) کہ بعض علماء علم ظاہری نے اس سے انکار کیا ہے اوروہ کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ فانی آنکھیں ان باقی آنکھوں کو نہیں دیکھ سکتیں ان میں وہ قوت نہیں جو اشیائے باقیہ کو دیکھ سکیں لہذا دیکھنا جناب رسول اللہ ﷺ کا جو باقی ہے ان آنکھوں سے جو فانی میں محال ہے مگر اس دلیل کو رد کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن وارادے سے ہو تا ہے۔(إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تا ہے اور چاہے تو فانی قوت کو باقی بنالیتا ہے اور اس سے وہی کام لے لیتا ہے جو باقی سے لیا جاتا ہے۔آپ نہیں دیکھتے کہ مؤمن بعد مرنے کے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور وہ حیی لایموت ہے۔

واشار البیھقی الی رد الاعتراض بان نبیناﷺ رأی جماعۃ من الانبیاء لیلۃ المعراج،وقال البارزی وقد سمع من جماعۃ من الاولیاء فی زماننا وقبلہ انھم رأوا النبیﷺ یقظۃ حیا بعد وفاتہ۔وقد نقل الیافعی وغیرہ حکایات کثیرۃ ذکرھا ابن حجر فی فتاویہ۔

---

[1] المدخل لابن الحاج ج۳ ص ۱۹۴۔

وقال ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ لایمتنع رویۃ ذات النبی ﷺ بروحہ وجسدہ لانہ وسائر الانبیاء احیاء ردت الیھم ارواحھم بعدماقبضوا واذن لھم فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی ولامانع من ان یراہ کثیرون فی وقت واحد لانہ کالشمس۔

ولایلزم من ذلک ان الرائی صحابی لان شرط الصحبۃ الرؤیۃ فی عالم الملک وھذہ رویۃ وھو فی عالم الملکوت وھی لاتفید صحبۃ والالثبت لجمیع امتہ لانھم عرضوا علیہ فی ذلک العالم فرأھم ورأوہ کماجائت بہ الاحادیث۔

اخرج ابن ابی الدنیافی ذکر الموت عن زیدبن اسلم قال کان فی بنی اسرائیل رجل قداعتزل الناس فی کھف جبل وکان اھل زمانہ اذاقحطوا استغاثوبہ فدعااللہ فسقاھم فمات فاخذوافی جھازہ فبینماھم کذلک اذاھم لسریر یرفرف فی عنان السماء حتی انتھی الیہ فقام رجل فاخذہ فوضعہ علی السریر فارتفع السریر والناس ینظرون الیہ فی الھوا حتی غاب عنھم وتوجھولہ الی الجنۃ۔ویؤیدہ ایضاًماأخرجہ البیھقی وابو نعیم کلاھمافی دلائل النبوۃ عن عروۃ ان عامربن فھیرۃ قتل یوم بئرمعونہ فیمن قتل واسر عمروبن امیۃ الضمری فقال لہ عامربن الطفیل ھل تعرف اصحابک قال نعم فطاف فیھم یعنی فی القتلی وجعل یسألہ عن انسابھم قال ھل تفقدمنھم من احد قال افقدمولی لابی بکریقال لہ عامربن فھیرۃ قال کیف کان فیکم قال کان من کان افضلنا قال الااخبرکم خبرہ ھذاطعنہ برمح ثم انتزع رمحہ فذھب بالرجل علوافی السماء حتی واللہ ماأراہ وکان الذی قتلہ رجل من کلاب یقال لہ جباربن سلمی فاتی الضحاک بن سفیان الکلابی فاسلم وقال دعانی الی الاسلام مارأیت من مقتل عامربن فھیرۃ ومن رفعہ الی السماء علوافکتب الضحاک الی رسول اللہ ﷺ باسلامہ ومارأی من مقتل عامربن فھیرۃ فقال رسول اللہ ﷺ فان الملئکۃ وارت جثتہ وانزل علیین۔

واخرج البیھقی من وجہ اخر بلفظ فقال عامربن الطفیل لقدرائیتہ بعدماقتل رفع الی السماء حتی انی لانظر الی السماء بینہ وبین الارض۔

ثم قال البیھقی والحدیث اخرجہ البخاری فی الصحیح وقال فی آخرہ ثم وضع قال فیحتمل انہ رفع ثم وضع ثم فقدبعد ذلک فقدروینافی مغازی موسیٰ بن عقبۃ فی ھذہ القصۃ فقال عروۃ بن الزبیر لم یوجدجسدعامر یرون ان الملئکۃ وارتہ انتھی۔

واخرج ابن سعدوالحاکم فی الکبیر من طریق عروۃ من عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھاقالت رفع عامربن فھیرۃ الی السماء فلم توجدجثتہ یرون ان الملئکۃ وارتہ قلت والظاھر ان المرادبمواراۃ الملئکۃ تغیبہ فی السماء کمافی الروایۃ الاولیٰ وارت جثتہ وانزل علیین۔ونظیرما۔اخرجہ احمدوابونعیم والبیھقی عن عمروبن امیۃ الضمری ان رسول اللہ ﷺ بعثہ عیناوحدہ قال فجئت الی خشبۃ خبیب فرقیت فیھاوانااتخوف العیون فاطللقتہ فوقع فی الارض ثم اقتحمت فانتبذت غیر بعید ثم التفت فلم ارخبیباًفکانماابتعلتہ الارض فلم یرلخبیب اثر حتی الساعۃ فھذاخبیب بن عدی ایضاًمماوارتہ الملئکۃ امابرفع الی السماء وھو الظاھر اوبدفن فی الارض۔

اقرب جواب بیہقی کا ہے فرماتا ہے کہ آپ دیکھتے نہیں کہ شب معراج میں جناب رسول اللہ ﷺ نے انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام کو ان آنکھوں سے دیکھا تھا اور وہ باقی تھے اور یہ فانی تھا۔ غرض یہ کہ یہ قدرت کی باتیں ہیں جس کو چاہے یہ نعمت عطا فرمالیتا ہے۔

علامہ بارزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بے شک سنا ہے اولیاء کی ایک جماعت سے کہ انہوں نے اور ان سے جو پہلے گزرے ہیں ایک جماعت نے جناب رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھا ہے اور علامہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت حکایات نقل فرمائی ہیں جو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیے ہیں۔

اسی طرح علامہ محیی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا **بروحہ وجسدہ** بیداری میں دیکھنا ہو سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ اور سب انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملکوت علوی و سفلی میں جانے کی اجازت ہے اور کوئی ممانعت نہیں کہ بیک وقت بہت سے لوگ آپ کی ملاقات سے مشرف ہو جائیں جیسے کہ سورج دنیا بھر کے لوگ آسانی سے بیک وقت دیکھ سکتے ہیں۔

سوال: جب جناب رسول اللہ ﷺ کا دیکھنا ممکن ہے بلکہ دیکھا گیا ہے۔ پس چاہیئے کہ دیکھنے والا صحابی ہو جائے۔

جواب: صحابی ہونے کیلیئے یہ شرط ہے کہ پیغمبر ﷺ کی رؤیت ایسی حیات میں ہو کہ دونوں ملک میں ہوں یعنی پیغمبر ﷺ اور دیکھنے والا دونوں اپنے وجود ظاہری سے اس عالم میں موجود اور بستے ہوں ورنہ پھر تو ہر ایک مرنے کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو عالم الرؤیا میں دیکھا ہو **(کما قال)** روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صاحب تھا کہ وہ لوگوں سے یکطرف ہو کر پہاڑ کے کسی غار میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے لگا اور اس زمانے کے لوگ جب کسی مصیبت یا قحط سالی میں مبتلا ہو جاتے تھے تو اس کے پاس جاکر دعا کراتے تھے اور اس کو دربار الٰہی میں وسیلہ بنا کر بارش مانگتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر ان پر فضل و کرم فرماتا تھا۔ ایک دن انکا انتقال ہو گیا اور ان کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان سے ایک تخت شان و شوکت سے آرہا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس آیا۔ فوراً ایک آدمی کھڑا ہوا اور آپ کو اس تخت اور سریر پر رکھا اور سریر اوپر آسمان کی طرف ہوا میں اڑنے لگا اور سب لوگ دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوا۔

اس روایت کی تائید بیہقی اور ابو نعیم کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایسے واقعات کرامۃً اور معجزۃً بہت ہوتے ہیں مثلاً روایت میں ہے بیر معونہ کی لڑائی میں جب عامر بن فہیرہ قتل کیا گیا اور عمرو بن امیہ ضمری اسیر ہوا تو عامر بن طفیل اس سے کہنے لگا کہ تم اپنے ساتھیوں کو پہچانتے ہو۔ عمرو بن امیہ نے فرمایا کہ ہاں پہچانتا ہوں تو مقتولین اور شہداء کی طرف گئے اور ان کے

حالات اورانساب معلوم کرتے رہے اور کہنے لگا کہ تم اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مفقود پاتے ہو یا نہیں۔ اس نے جواب میں کہا کہ ہاں مولیٰ ابی بکر عامر بن فہیرہ کو ان حضرات میں نہیں پاتا۔ پوچھنے لگا کہ وہ تم میں سے کیسا تھا تو یہ فرمانے لگا کہ ہم میں وہ افضل اور بہتر تھا۔ کہنے لگا کہ آپ کو اس کی ایک خبر سناتا ہوں دیکھئے اس نے مارا ہے اور اس نیزہ سے مارا گیا ہے جب وہ مارا گیا اور نیزہ کو اس سے نکالا گیا تو وہ فوراً آسمان کی طرف اپنے پاؤں سے جاتا ہوا نظر آیا یہاں تک کہ ہماری نظروں غائب ہوا۔

(لکھتے ہیں) کہ حضرت عامر بن فہیرہ کا قاتل جبار بن سلمٰی نے جب یہ ماجرا دیکھا تو فوراً متاثر ہوا اور حضرت ضحاک بن سفیان کے پاس آکر مشرف بہ اسلام ہوا اور یہ کہنے لگا کہ حضرت عامر بن فہیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قتل اور کرامات نے مجھے ایمان لانے پر مجبور کیا۔ پس حضرت ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب حالات شہادت اور اسلام لانے کے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحریر فرما کر روانہ کئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عامر بن فہیرہ کو ملائک نے چھپا کر علیین میں داخل فرمایا۔ بخاری شریف اور بیہقی وغیرہ کی سب روایات کو ملا کر معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے بعد آپ آسمان کی طرف اٹھ کر غائب ہوئے پھر زمین کی طرف لا کر رکھ دیئے گئے ہیں اور رکھنے کے بعد پھر اٹھا کر بالکل غائب کئے گئے ہیں اور آج تک نظر نہیں آئے۔

اسی طرح خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی جب دشمنان اسلام نے سولی پر چڑھایا اور شہید ہوئے اور اسی طرح کئی دن لٹکتے رہے تو عمرو بن امیہ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے حالات معلوم کرانے کیلئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک کو اتارنے کیلئے روانہ کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آہستہ آہستہ اور چھپ چھپ کر گئے اور خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اوپر لکڑی سے کھولا تو زمین پر گرے اور زمین نے فوراً نگل لیا اور پھر فوراً باہر کر دیا پھر جب میں نے دیکھا تو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر نہ آئے ایسا معلوم ہوا کہ زمین نے ان کو اپنے پیٹ میں بالکل غائب کر دیا جس کا اب تک کوئی پتہ نہیں۔ اہل قبور کا کلام۔

وروی البیھقی عن عبداللہ بن عبیداللہ الانصاری کنت فیمن دفن ثابت بن قیس بن شماس وکان قتل بالیمامۃ (وکان وقعۃ الیمامۃ سنۃ اثنتی عشرۃ فی خلافۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فسمعناہ حین ادخلناہ القبریقول محمدرسول اللہ ،ابوبکرالصدیق، عمرالشھید، عثمان البرالرحیم،فنظرنا(ای مختبرین حالہ من حیاۃ وموت)فاذاھو میت (فھذاالحدیث دلیل کلام الموتی لااحیائھم ودلیل علی ان کرامۃ الاولیاء ثابت بعد الموت) وکذا ما ذکرعن النعمان بن بشیر کمارواہ الطبرانی وابونعیم وابن مندۃ عنہ وابن ابی الدنیافی کتابہ من عاش بعد الموت عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان زیدبن خارجۃ خرمیتافی بعض ازقۃ المدینۃ فرفع وسجی (ای عظی وجھہ)اذسمعوہ بین العشائین والنساءیصرخن حولہ یقول انصتواانصتوافحسرعن وجھہ فقال محمدرسول اللہ

النبی الامی وخاتم النبیین کان ذلک فی الکتاب الاول ثم قال صدق صدق الخ (ای رسول الحق) واعلم ان صاحب الاستیعاب ذکر فی زیدبن خارجۃ بن زیدانہ ھو الذی تکلم بعد الموت لا یختلفون فی ذلک قال الذھبی وھو الصحیح کذافی الشفاء للقاضی عیاض۔ وقدترکت الحکایات الکثیرۃ المستندۃ اخرجھاابن الجوزی فی کتاب عیون الحکایات و ابوسعیدفی شرح المصطفیٰ والبیھقی الدلائل وابن سعد، وابن ابی الدنیافی کتاب الرقۃ فالبکاء والطبرانی وغیرھم خوفاللاطناب۔

فعلم من ذلک کلہ ان کرامات الاولیاء ثابتۃ بعدالموت کماکانت قبل وھو الحق فالحق احق بان یتبع ولاتتبع سبیل المفسدین۔

اسی طرح اموات اور مردوں کی گفتگو بھی روایات میں موجود ہے جو کرامت اولیاء پر بعد الموت حجت ساطعہ ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ثابت بن قیس کو ہم نے لحد میں داخل کیا تو کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) رسول اللہ ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیک اور رحم دل ہیں۔ پس ہم نے غور سے دیکھا کہ آیا یہ زندہ ہیں یا وصال پا چکے ہیں کیا بات ہے جب ہم نے اطمینان سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ وصال فرما چکے ہیں اور یہ گفتگو کرامۃ وصال کے بعد فرما رہے ہیں۔

اس طرح حضرت زید بن خارجۃ کے متعلق بھی مروی ہے کہ آپ مدینہ منورہ کے کوچہ میں گر گئے اور گرنے کے ساتھ وصال ہوا۔ پھر آپ کے چہرہ مبارک کو ڈھانک کر اٹھا دیا اور لے گئے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان میں اور عزیز و اقرباء گرد بیٹھے ہوئے تھے اور مستورات بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور آواز سے رو رہی تھیں کہ اس اثناء میں یہ کہنے لگا کہ چپ ہو جاؤ چپ ہو جاؤ! لوگوں نے چہرہ سے پردہ اٹھا کر دیکھا کہ یہ فرما رہا ہے محمد رسول اللہ نبی امی خاتم الانبیاء ﷺ ہیں جو پہلے سے یہ لکھا گیا تھا اور میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں یہ بالکل سچ اور حق ہے اور علامہ عبدالبر نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ زید بن خارجہ کا ہے اس کے باپ کا نہیں اور یہی صحیح ہے۔

اسی طرح حضرت ربعی بن حراش بن جحش العبسی کے بھائی مسعود کا کلام بعد الموت اور خود بھی حضرت ربعی کا ضحک اور ہنسنا بعد الموت غسل کے وقت اور اسی طرح اس کے بھائی حضرت ربیع کا ضحک کہ انہوں نے قسم اٹھائی تھی کہ جب تک ہمیں اپنا ٹھکانا صحیح طور سے نظر نہ آئے ہم نہ ہنسیں گے کہ آیا ہم جنتی یا دوزخی مگر مرنے کے بعد جب غسل دینے کیلئے تختہ پر لٹائے گئے تو ہنس پڑے۔ غاسل کہتا ہے کہ آخر غسل تک ہم غسل دیتے رہے اور یہ ہنستے رہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم ج ا ص ۷ پر ان کا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے۔ مرنے کے بعد ہنسنا یہ بالکل ظاہر کرامت بعد الموت ہے۔

حضرت العلاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ جو زمانہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہوا تھا اور ابن کثیر نے مفصلاً ذکر کیا ہے کہ سفر میں شہادت کے بعد جب دفنائے گئے تو کسی نے کہا کہ یہاں پر اس زمین میں دفنانا نہیں چاہیئے کیونکہ اس جگہ زمین میں مردہ نہیں رہ سکتا باہر نکل آتا ہے اور درندے وغیرہ اسے کو کھاجاتے ہیں لہذا اس کو نکال کر ایک دو میل دور دفن کرلو۔ ساتھیوں نے سوچا کہ بہتر ہو گا کہ ہم اپنے امیر کو نکال کر صحیح حصہ زمین میں دفنادیں۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے قبر کی کھدائی شروع کردی اور لحد تک پہنچ گئے تو لحد میں حضرت العلاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہیں تھے اور لحد بہت وسیع اور نور سے چمکتی ہوئی نظر آرہی تھی پھر ہم نے لحد کو بند کر دیا اور روانہ ہوئے یہ حضرت حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعد ممات بین کرامت ہے۔[1]

آداب زیارت قبور

بزرگوں کے مزارات پر جب آپ آجائیں تو زیارت کے آداب کو ضرور ملحوظ خاطر فرمائیں تب کچھ فیض ملے گا ورنہ سب تکلیف بے کار ثابت ہوگی۔ دنیا میں بھی جب آپ کسی سے ملتے ہیں تو اس کے سب آداب اور خوشنودی کے اسباب مہیا فرما کر ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی بزرگ کامل سے آپ ملیں اور بے ادبی اور گستاخانہ کلمات اس کے سامنے کریں یا ملاقات کے وقت اس سے اپنا کمر، پیٹ وغیرہ حصہ بدن میں سے ملیں یا الفاظ کفریہ منہ سے نکالیں تو وہ بزرگ کس قدر ناراض ہوں گے۔ اگر آپ کی مہمانی کی قدر وہ نہ کریں تو کسی سے دھکے دلوا کر اپنے احاطے سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔

میرے دوستو! اسی طرح بزرگوں کے مزارات پر جاکر نہایت التزام سے آداب زیارت قبور کو جو صاحب شریعت نے تعلیم فرمائے ہیں اور سلف صالحین اور علماء ربانی کا معمول رہا ہے اپنا معمول بنائیں، ہم اس لئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اپنے برگزیدہ بندوں کے طفیل ہمارے مقاصد پورے فرمائے، یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے جناب میں ہمارے لئے دعا فرما دیں کہ ہمارا فلاں کام ہو جائے تو یہ جب ہی ہو گا کہ خلاف شریعت اور جاہلیت کے زمانہ کی رسوم سے ہم اپنی جان کو بچائیں۔

پس جب آپ کسی بزرگ کے مزار پر تشریف لے جانا چاہیں تو بہتر ہو گا کہ آپ دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اور اس بزرگ کی روح پر ایصال ثواب فرمادیں اور جاتے وقت یہ عقیدہ رکھیں کہ کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی مالک ہے اور اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، وہی عالم ظاہر وباطن کا ہے وہی اگر چاہے تو ہو گا اگر نہ چاہے تو نہ ہو گا اور وہی متصرف فی الامور

---

[1] البدایہ والنہایہ ج۶ص۱۵۴۔

ہے اور یہ بزرگ جس کی مزار اقدس پر جارہاہوں اس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزاری ہے اوراللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے بزرگوں اور نیک بندوں کی صحبت کا خاص اثرہوتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یاوصال پاچکے ہوں اوراللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہوتی ہیں اپنے بندوں پر حتی کہ ان کے ہم نشیں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے(لا یشقی جلیسھم)اور بعد الوصال بھی اللہ تعالیٰ کی خاص نظر کرم ہوتی ہے اوران کے روح کا تعلق قبر مبارک اور بدن سے مکمل ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں اور پہچاننے والوں کو پہچانتے ہیں اوران کے سلام وکلام کوسنتے ہیں لہٰذامیں زیارت کوجاتاہوں اورعلاوہ اور خیر وعبرت کے ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں سوال کروں گا کہ فلاں کام میرا اللہ تعالیٰ ان کے طفیل اوربرکت سے سرانجام فرمادے یاجاکراس بزرگ کے مزار پر کھڑے ہوکراس سے سوال کروں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے برگزیدہ بندے!اللہ تعالیٰ کی جناب میں میرے لئے دعافرمایئے۔یافلان کام کیلئے یافلان بن فلان کیلئے وغیرہ سوال فرمایئے کہ ایسا ہوجائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ بزرگان دین صرف وسائل اورذرائع ہیں ،کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہےہاں یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگان دین اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ محض فضل وکرم سے اپنے محبوبین کی دعاکو قبول فرماتاہے۔(لو اقسم علی اللہ لابرہ کمافی الحدیث)یہاں تک اللہ تعالیٰ کے یہ محبوب بندے اپنے خالق ومعبود حقیقی پر بھروسہ رکھتے ہوئے جب قسم اٹھاکر فرماتے ہیں کہ یہ کام ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے تعلق خاص کی وجہ سے ان کو اپنی قسم میں بری اور کامیاب فرماتاہے اوران کورسوائے عالم نہیں فرماتا۔

وفی شرح اللباب للملاعلی القاری ثم من آداب الزیارۃ ماقالوا من انہ یأتی الزائرمن قبل رجل المتوفی لامن قبل رأسہ لانہ اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانہ یکون مقابل بصرہ لکن ھذا اذامکنہ۔ومن آدابھاان یسلم بلفظ السلام علیکم علی الصحیح لاعلیکم السلام فانہ ورد السلام علیکم دارقوم مؤمنین وانا ان شاءاللہ بکم لاحقون ونسأل لناولکم العافیۃ ،ثم یدعوقائماًطویلاوان جلس یجلس بعیدااوقریبابحسب مرتبتہ فی حال حیاتہ ۔شامی مختصراج ۱ ص ۸۴۳وفی عین العلم ج ۱ ص ۳۹۴ویسلم ویقف مستدبر القبلۃ الخ وفتح الربانی شرح مسنداما م احمدص۱۸۷ قال الحافظ ابوموسیٰ الاصفھانی فی کتابہ آداب زیارۃ القبور الزائربالخیاران شاء زارقائماوان شاءقعدکمایزورالرجل اخاہ فی الحیاۃفربماجلس عندہ وربمازارقائماًومالا(علی اختلاف الاحوال)قال ابوموسیٰ وقال الامام ابوالحسن محمدبن مرزوق الزعفرانی وکان من الفقہاء المحققین فی کتابہ فی الجنازۃ ولایستلم القبربیدہ ولایقبلہ قال وعلی ھذامضت السنۃ قال ابوموسیٰ وقال الفقہاءالمتبحرون الخراسانیون المستحب فی زیارۃالقبوران یقف مستدبر القبلۃمستقبلاوجہ المیت یسلم ولایمسح القبرولایقبلہ ولایمسہ۔

وکذلک الداعی فی المسجد النبوی ان یجعل وجھہ الی القبر ویسئل من المولیٰ الجلیل متوسلا بنبیہ الفخیم النبیل، کماذکرہ الملاعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی المسلک والمنقسط فقال ثم اعلم انہ ذکر بعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعہ کالکرمانی والسروجی انہ یقف الزائر مستقبل القبلۃ کذارواہ الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ثم نقل عن ابن الھمام بان مانقل عن ابی اللیث مردود بماروی ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ قال من السنۃ ان تأتی قبر رسول اللہ ﷺ وتستقبل القبر بوجھک ثم تقول السلام ایھاالنبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم ایدہ بروایۃ اخری اخرجھاالمجدالدین اللغوی عن ابن المبارک قال سمعت اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یقول قدم ابوایوب السحتیانی واناب المدینۃ فقلت لانظرن مایصنع فجعل ظھرہ ممایلی القبلۃ ووجھہ ممایلی وجہ رسول اللہ ﷺ وبکی غیر متباک فقام مقام فقیہ ثم قال العلامۃ القاری بعدنقلہ وفیہ تنبیہ علی ان ھذاھومختار الامام بعدماکان متردداًفی مقام المرام ثم قال الجمع بین الروایتین ممکن الخ کلام الشریف فظھر بھذاانہ یجوز کلاالامرین لکن المختار ان یستقبل وقت الزیارۃ ممایلی وجھہ الشریف ﷺ وھو الماخوذ بہ عندناوعلیہ عملناوعمل مشائخناوھکذاالحکم فی الدعاء کماروی عن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ لماسأله بعض الخلفاء (کمانقلہ القاضی عیاض فی الشفاءوذکرتہ فی کتاب الوسیلۃ الصادقۃ) وقدصرح بہ مولاناالگنگوھی فی رسالتہ زبدۃ المناسک وامامسئلۃ التوسل فقدذکرتھاوبینتھافی کتاب الوسیلۃ الصادقۃ فتدبر۔

لہذا جب آپ زیارت کو آنا چاہیں تو اس بزرگ کے پاؤں کی طرف سے آیا کریں کیونکہ اہل قبور اور اولیاء اللہ تو اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں اور ان کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے تو جب پاؤں کی طرف سے آنا ہوتا ہے تو انکو دیکھنے میں تکلیف نہیں ہوتی بلکہ نظر آتے ہوئے سامنے آجاتے ہیں اور سر کی طرف سے نہ آئیں کیونکہ دیکھنے میں پھر ان کو تکلیف ہوتی ہے مثلاً اسی زندگی میں اگر ایک دوست محب میرے سامنے آئے تو مجھے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اگر پیچھے کی طرف سے آئے یا شمال جنوب کی سمت پر لیٹا ہوا ہوں اور سر کی طرف سے آئے تو مجھے ضرور تکلیف سے دیکھنا پڑے گا۔

اسی طرح اہل قبور کی بھی رعایت کی گئی ہے کہ اس طرح قبر کو آنا چاہیئے جس سے انکو آپ سے ملاقات کرنے میں تکلیف نہ ہو لہذا صاحب قبر کے پاؤں کی طرف سے ہو کر قبلہ کی طرف پشت کر کے اتنا دور کھڑے ہو جائیں جس طرح اس دنیاوی زندگی میں اپنے دوست اور ملنے والوں سے ملاقات کے وقت دور کھڑے رہتے ہیں اور کھڑے ہو کر سلام عرض کریں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، أَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ لَنَا وَلَكُمْ۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَأَتَاكُمْ مَا تُوعَدُونَ غَدًا مُؤَجَّلُونَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ۔

غرض یہ کہ سلام عرض کریں اوراحادیث سے مختلف الفاظ میں دعائیں منقول ہیں جو بھی میسر ہو عرض کریں(اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کے مزاراقدس کے سامنے کھڑاہوناہے مگروہاں پر السَّلَامُ عَلَیکَ أَیُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللہِ وَبَرَکَاتُهُ اورصلوۃ وسلام پڑھناہوگا۔)

قبر کے سامنے کھڑاہونایابیٹھناہردوجائزہیں۔یہ ضروری نہیں کہ آپ کھڑے رہیں۔(بعض حضرات سلام کرنے کے بعد دعاکے وقت سر کی طرف قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے مگر مختار اول ہے۔)

سلام کے بعد قرآن شریف میں سے جو سورت یا آیات یاد ہوں بغرض ایصال ثواب پڑھیں۔سورہ فاتحہ اور گیارہ مرتبہ قُلْ ھُوَ اللہُ أَحَدٌ یاسورۃ یٰسین اگر پڑھیں تو اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس بزرگ کی بخشش اوررفع درجات کیلئے دعامانگیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کے وسیلہ اور ذریعہ سے اپنے لئے اوردوستوں کیلئے دعامانگیں دعاکرکے اپنی ضروریات وکام کاج یاواپسی کاانتظام کریں۔

قبر شریف کاطواف(جس سے صاحب قبر کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور غضب کی نگاہ سے دیکھ دیکھ کر ناراض ہوتا ہے اور عبادت کی نیت سے طواف تو پھر کفر ہے جو ہر لحاظ سے باعث خسران اور تباہی ہے)اوراس کوہاتھ بغرض ثواب وعبادت لگانا یا اس کو بوسہ یاپشت وچھاتی کے ساتھ ملنا گستاخی اوراحادیث وفقہاءاحناف کے مسلک کے خلاف اور باعث ناراضگی اللہ تعالیٰ ہے اوراپنے مقاصد میں اپنے آپ کوناکام بناناہے اورنہ ایسے افعال سے صاحب قبر خوش ہوتاہے بلکہ ان کے لئے باعث تکلیف ہے۔

پس اگر عوام میں سے اس فعل کاکوئی مرتکب ہوجائے توبغیر کسی تأمل وتحقیق کے شرک اور کفر کافتویٰ اس پر لگانا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالناہے بلکہ اپنے لئے اوراس کے لئے استغفار پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ کر احسن طریقہ سے سمجھانے کی کوشش فرمائیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ عزیزی ص(۴۲۵)اور(۴۲۶)میں فرماتے ہیں کہ جب عوام مؤمنین کی قبر کی زیارت کیلئے جائے توپہلے قبلہ کی پشت کرکے اورمیت کے سینہ کے سامنے منہ کرے اورسورہ فاتحہ ایک مرتبہ اورسورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھے اورجب مقبرہ میں جائے تو یہ کہے:

السَّلَامُ عَلَیکُمْ أَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُسْلِمِینَ یَغْفِرُ اللہُ لَنَا وَلَکُمْ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللہُ بِکُمْ لَاحِقُونَ۔

یعنی سلام ہے تم لوگوں پر اے اہل دیار مؤمنین اور مسلمین، بخشش فرمادے اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اور تمہارے حق میں اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

اور اگر منجملہ اولیاء اور صلحاء کے کسی بزرگ کی زیارت کیلئے جائے تو چاہیئے کہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف منہ کرکے بیٹھے اور اکیس مرتبہ چار ضرب سے یہ پڑھے: سُبُوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔ اور سورۃ قدر تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دور کرے اور دل کو اس بزرگ کے سینہ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کی روح کی برکات زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچے گی (اور یہی طریقہ ان کا کمال معلوم کرنے کیلئے بھی ہے۔) کہ فاتحہ اور درود اور «سُبُوحٌ قُدُّوسٌ» کے بعد جب اپنا دل صاحب قبر کے سینہ کے سامنے کرے تو اگر اپنے دل میں راحت اور تسکین اور نور معلوم ہو تو جاننا چاہیئے کہ قبر کسی بزرگ صاحب کمال کی ہے (اور اگر صاحب قبر ایک مشہور اور صاحب کمال بزرگ ہے اور تواتر سے ان کا کمال ثابت ہوا ہے تو پھر معلوم کرنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں۔)

میرے دوستو! یہ طریقہ اور آداب زیارۃ القبور کے ہیں اور وہی عقیدہ صحیحہ جو پہلے عرض کر چکا ہوں ہر زائر کو رکھنا چاہیئے اور یہی مسلک اہل السنت والجماعت اور اکابر دار العلوم دیوبند کا معمول بہ اور مفتٰی بہ ہے۔

آخر میں اتنا عرض مزید کروں گا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی شان کو بہت بڑا سمجھو اور بہت ادب واحترام سے آپ کا نام لو اور آپ کے ارشادات کی نسبت کرو۔ گستاخانہ طریقہ سے غیر مہذب الفاظ میں آپ ﷺ کے ذکر سے بچو۔ آپ ﷺ ہی واسطہ ہیں مخلوق اور حق تعالیٰ کے درمیان میں۔ آپ ﷺ ہی نے خالق اور مخلوق اور عابد و معبود کا فرق بتلایا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور مخلوق الہٰی میں سب سے زیادہ کامل ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سب سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ بتلانے والے اور اس کی طرف سب کو بلانے والے اور اللہ تعالیٰ کی باتیں معلوم کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ ہی سب کیلئے بارگاہ رحمانی کا دروازہ اور دربار صمدیت میں سب کا وسیلہ ہیں جو آپ ﷺ سے مل گیا اللہ تعالیٰ سے مل گیا جو آپ ﷺ سے جدا ہوا اللہ تعالیٰ سے جدا ہوا۔ خوب جان لو کہ ہمارے نبی ﷺ حیاۃ النبی ﷺ ہیں آپ ﷺ اب بھی عالم کیلئے رحمت ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت وصال کے بعد اسی طرح باقی ہے جیسی آپ ﷺ کی حیات دنیوی میں تھی اور قیامت تک باقی رہے گی اور آپ ﷺ کا معجزہ بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ آپ ﷺ کے صحیح متبعین اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے دامن سے چمٹ جاؤ۔ نفس و شیطان کے دھوکہ میں نہ آؤ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر نہ کوئی خطرہ ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ولی وہ ہے جو اللہ سے محبت رکھتا ہے اس پر ایمان رکھتا ہو اور تقویٰ پر کاربند ہو پس جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اس سے دشمنی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے کسی ولی کو ایذا دے گا میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کیلئے جب وہ ذلیل کئے جائیں یا ان کو ایذا دی جائے بہت غیرت کرتا ہے۔ ان کی خاطر ایذا دینے والوں سے انتقام لیتا ہے اور جو ان سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کیلئے اس کی حفاظت کرتا ہے اور جو ان کی پناہ میں آجاتا ہے اس کی مدد فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کی محبت کو اپنے اوپر لازم کرلو ان کا قرب حاصل کرو۔ ان کی وجہ سے تم کو برکت حاصل ہو گی ان کے ساتھ ہو جاؤ یہی اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے اور سن لو۔ اللہ تعالیٰ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیل نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیرُ و الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

جواز زیارۃ النساء لقبور الاجانب و الاقرباء:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنِّي وَاضِعٌ ثَوْبِي وَأَقُولُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللَّهِ مَا دَخَلْتُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔

اُم المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد جو مشکوٰۃ شریف میں بروایت امام احمد منقول اور اسے حاکم نے بھی صحیح مستدرک میں روایت کیا اور بشرط بخاری و مسلم صحیح کہا کہ فرماتیں: میں اس مکان جنت آستان میں جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار پاک ہے یونہی بے لحاظ ستر و حجاب چلی جاتی اور جی میں کہتی وہاں کون ہے۔ یہی میرے شوہر یا میرے باپ صلی اللہ تعالیٰ علی زوجہا ثم ابیہا ثم علیہا و بارک وسلم۔ جب سے عمر دفن ہوئے خدا کی قسم میں بغیر سراپا بدن چھپائے نہ گئی عمر سے شرم کے باعث رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔[1]

[1] (المستدرک علی الصحیحین ج۳ ص ۶۳، مشکاۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۵۴)

(۱۱) باب نمبر گیارہ: قبرستان پر اسکول و مسجد و غیرہ بنانے کا بیان

بعض علماء و عوام قبرستان کو مسمار کرتے ہیں اور اس کی جگہ مسجد، اسکول، منڈی وغیرہ تعمیر کرتے ہیں یا کھیتی باڑی کرتے ہیں، حالانکہ قبروں کو ویران کرنا اور اس کی جگہ گھر، دکان، منڈی، مسجد، یا کچرا دان وغیرہ بنانا یا کھیتی باڑی کرنا حرام ہے، جس کی صراحت ہمارے مذہب کی کتابوں میں باقاعدہ موجود ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) قاضی خان جلد ۴ ص ۳۰۹، جامع الفوائد ص ۱۴۸، ظھیریہ و کنز العباد و خزانۃ المفتیین، و اسعاف ثم اھلاک ص ۲۹ میں ہے:

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها أثار المقبرة هل يباح لاهل المحلة الانتفاع بها قال ابو نصر رحمه الله تعالٰى لايباح۔

ترجمہ: ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا اہل محلہ اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں، ابو نصر رحمہ اللہ تعالٰی نے کہا کہ مباح نہیں ہے۔[1]

(۲) عالمگیری میں ہے:

سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الاوزجندی عن المقبرة اذا اندرست و لم یبق فیها اثر الموتٰی لا العظم و لا غیرہ هل یجوز زرعها و استغلالها قال لا و لها حکم المقبرة۔ کذا فی المحیط۔

ترجمہ: قاضی شمس الائمہ محمود اوزجندی سے ایسے مقام قبرستان کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ رہی ہوں کیا اس میں کھیتی باڑی کرنا اور اسے کرائے پر دینا جائز ہے، فرمایا: نہیں، وہ قبرستان کے حکم میں ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔[2]

(۳) خزانة الروایة و مفید المستفید ثم اھلاک ص ۹ میں ہے:

اذا صار المیّت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیة و ان جمعوا اعظامه فی ناحیة ثم دفن غیرہ فیه تبرکا بالجیران الصالحین و یوجد موضع فارغ یکرہ ذلک۔

ترجمہ: یعنی اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا ممنوع ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزاراتِ صالحین کے قرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میّت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کر دیں تو اب بھی ممنوع ہے جبکہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔[3]

---

[1] (فتاوٰی قاضی خان، فصل فی المقابر و الرباطات، ۴/۴۲۵)

[2] (فتاوٰی ھندیة الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۲/۴۷۰-۴۷۱)

[3] (فتاوٰی تاتار خانیة، الجنائز، القبر و الدفن، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، ۲/۱۷۲)

(۴) خزانۃ الروایۃ اھلاک ص ۹ میں ہے:

لایجوز لاحد ان یبنی فوق القبور بیتا او مسجدا لان موضع القبر حق المقبور فلایجوز لاحد التصرف فی ھواء قبرہ۔ (رحمانیہ)

ترجمہ: قبر کے اوپر گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں اس لیے کہ قبر کی جگہ میّت کا حق ہے تو کسی کے لیے اس قبر کی فضا میں تصرف روا نہ ہو گا۔

(۵) البخاری حاشیہ جنائز میں ہے:

باب بناء المسجد علی القبور (الی قولہ) فقال اولئک اذا مات منھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا الخ ۔وموضع الترجمۃ قولہ بنوا علی قبرہ مسجدا الخ وھو مؤول علی مذمۃ من اتخذ القبر مسجدا و مقتضاہ التحریم لا سیما و قد ثبت اللعن علیہ آہ۔

ترجمہ: مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو مقبروں کی جگہ مسجد بناتے ہیں اور اس پر لعن بھی ثابت ہے اور حدیث سے قبروں کی جگہ مسجدیں بنانے کی حرمت ثابت ہے یعنی یہ حرام ہے کہ قبروں کی جگہ مسجدیں بنادی جائیں۔

(۶) حدیقۃ الندیۃ واشعۃ اللمعات ثم اھلاک ص ۹ میں ہے:

ان الارواح تعلم بترک اقامۃ الحرمۃ و الاستھانۃ فتاذی بذلک۔

ترجمہ: روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا (کمی کی) لہٰذا ایذا پاتی ہیں۔[1]

(۷) فتاویٰ تتارخانیہ میں ہے:

وقال فی الامداد و یخالف الزیلعی ما فی التاتارخانیہ اذا صار المیّت ترابا فی القبر یکرہ تحریما دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ آہ۔[2]

ترجمہ: اگر میّت بالکل خاک ہو جائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا مکروہ تحریمی ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے۔

(۸) ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ او یطاء علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔ الخ

قبر پر عمارت بنانا، بیٹھنا، سونا، روندنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے۔[3]

(۹) علامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

لان المیّت یتأذی بما یتاذی بہ الحیّ۔

---

[1] (نوادر الاصول الاصل التاسع و المائتان دار صادر بیروت ص ۲۴۴)

[2] (فتاوی تاتار خانیۃ، الجنائز، القبر و الدفن، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، ۲/۱۷۲)

[3] (فتاوی ھندیۃ، الفصل السادس فی القبر و الدفن، نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۶)

ترجمہ: اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔[1]

(۱۰) بلکہ دیلمی نے امّ المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کلیے کی صریح روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

المیّت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ۔

ترجمہ: میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے ایذا پاتا ہے۔[2]

(۱۱) ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ۔

ترجمہ: مسلمان کو بعد موت تکلیف دینی ایسی ہی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچائی۔[3]

اور اظھر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کو مکان بنانا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں، جس سے یقینا اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے۔ جو ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔

قبروں پر بیٹھنا حرام ہے

جب قبر پر گھر، مسجد، دکان وغیرہ بنایا جائے گا تو اٹھنا بیٹھنا بھی ہو گا حالانکہ احادیث کریمہ میں قبر پر اٹھنے بیٹھنے کو حرام کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں احادیث کریمہ:

(۱) مشکوۃ ص ۱۴۱: قال رسول اللہ ﷺ لاتجلسوا علی القبور رواہ مسلم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھا کرو۔

(۲) نسائی ج ۱ ص ۲۲۳: عن جابر قال نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن ان یجلس علی القبور۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے قبروں پر بیٹھنے سے۔

(۳) مشکوۃ ص ۱۴۰ و ابوداؤد ص ۱۰۴: سمع جابرا یقول سمعت رسول اللہ ﷺ نھی أن یقعد علی القبر۔

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ نے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

---

[1] (ردالمحتار، فصل الاستنجاء، ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر، ۱/۲۲۹)

[2] (الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۷۵۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۹۹)

[3] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶)

(۴) تاجدارِ ختمِ نبوت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر۔ رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ترجمہ: بیشک تم میں کسی کا چنگاری پر بیٹھنا کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ (اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا)[1]

(۵) اخرج الطحاوی فی معانی الاثار والطبرانی فی المعجم الکبیر بسند حسن والحاکم وابن مندۃ عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ علیہ رانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالساً علی قبر فقال یاصاحب القبر انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر ولا یؤذیک ولفظ الامام الحنفی فلا یؤذیک۔

ترجمہ: طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابنِ مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں **فلا یؤذیک** (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔)[2]

(۶) وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَالْحَاكِم وإبن مَنْدَه عَن عمَارَة بن حزم قَالَ رَآنِي رَسُول اللہ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم جَالِسا علی قبر فَقَالَ يَا صَاحب الْقَبْر إنزل من علی الْقَبْر لَا تؤذي صَاحب الْقَبْر وَلَا يُؤْذِيک۔

ترجمہ: طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابنِ مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں **فلا یؤذیک** (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔)[3]

اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا: عمرو بن حزم کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وآلہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لاتؤذِ صاحب القبر، کما فی المشکوۃ قلت وھذا الحدیث لایلائمہ تاویل الامام ابی جعفر والنھی عن شیئ لاینا فی النھی عن اعم منہ فافھم۔

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الجنائز فصل فی النھی عن الجلوس علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۱۲)

[2] (شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶) (شرح معانی الآثار، باب الجلوس علی القبور، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۴۶)

[3] (شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶) (شرح معانی الآثار باب الجلوس علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۶)

صاحب قبر کو ایذا نہ دے، جیسے مشکوۃ میں ہے، میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام ابو جعفر کی تاویل مناسب نہیں رکھتی ہے اور کسی چیز سے روکنا اس چیز سے عالم کے روکنے کو مستلزم نہیں، تو غور کیجئے۔[1]

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح میں فرماتے ہیں: شاید کہ مراد آنست کہ روحِ وے ناخوش می دارد و راضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبر وے جہت تضمن وے اہانت و استخفاف را بوے اھ۔ شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے اپنی قبر پر تکیہ لگائے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔ اھ[2]

(۷) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا، ارشاد فرمایا: ہائے کم بختی تیری اے طائفی جُوتے والے! پھینک اپنی جوتی۔

اخرج الائمۃ ابو داؤد والنسائی والطحطاوی وغیرھم عن بشیر بن الخصاصیۃ واللفظ للامام الحنفی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی رجلاً یمشی بین القبور فی نعلین، فقال ویحک یا صاحب السبتیتین الق سبتیتیک اھ۔ السِبتتہ بکسر المھملۃ وسکون الموحدۃ ھی التی لا شعر فیھا۔ قال القاضی عیاض کان من عادۃ العرب لبس النعال بشعرھا غیر مدبوغۃ وکانت المدبغۃ تعمل بالطائف وغیرہ۔ الخ۔

ابو داؤد، نسائی اور طحطاوی وغیر ہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے اپنی جوتیاں اتار دے، سبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء سے مراد وہ چمڑا ہے جس میں بال نہ ہوں، قاضی عیاض نے فرمایا: عرب والے کچے چمڑے کے مع بالوں کے جوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چمڑے کے جوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے الخ۔[3]

(۸) فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں: چلنے میں جو آواز کفش پا سے پیدا ہوتی ہے اموات کو رنج دیتی ہے۔

حیث قال فی مراقی الفلاح اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتأذون بخفتی النعال انتھی اھ۔ اقول و وجھہ ماسیأتی عن العارف الترمذی رحمہ اللہ تعالٰی۔

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب دفن المیّت فصل ثالث مطبع مجتبائی دھلی ۱/ ۱۴۹)

[2] (اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۹)

[3] (شرح معانی الآثار باب المشی بین القبور بالنعال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۲) (تاریخ سبتتہ للقاضی عیاض)

اس لیے کہ مراقی الفلاح میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کہ مُردے جوتیوں کی پھپل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اھ۔ میں کہتا ہوں اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے منقول ہو کر آئے گی۔[1]

(۹) نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احد کم علٰی جمرۃ فتحرق ثیابہ حتی تخلص الٰی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علٰی قبر۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے، اسے مسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔[2]

(۱۰) علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت مُردہ وزندہ برابر ہے۔

محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الاتفاق علٰی انّ حُرمۃ المسلم میّتا کحرمتہ حیّا۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت وحرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔[3]

(۱۱) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کسر عظم المیّت واذاہ ککسرہ حیّا۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد وابن ماجۃ باسناد حسن عن اُمّ المؤمنین عائشہ الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

مُردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا، اسے امامِ احمد وابوداؤد وابن ماجہ نے بسند حسن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔[4]

(۱۲) یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المیّت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ۔

مُردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔[5]

(۱۳) علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں: افادان حرمۃ المؤمنین بعدموتہ فاقیۃ۔

---

[1] (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲)

[2] (سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۴)

[3] (فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲)

[4] (سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲)

[5] (الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۶۷۵۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۹۹)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی حُرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔[1]

(۱۴)سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اذی المؤمن فی موته کاذاه فی حیاته۔ رواه ابی بکر بن ابی شیبه۔

مسلمان مُردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔ اسے ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔[2]

(۱۵)علماء فرماتے ہیں:

المیّت یتاذی بما یتاذی به الحی۔ کذا فی رد المحتار وغیره من معتمدات الاسفار۔

جس بات سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں مذکور ہے۔[3]

(۱۶)علامہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اشعتہ اللمعات میں امام علامہ ابو یوسف بن عبد البر سے نقل فرماتے ہیں:

ازیں جا مستفاد میگردد کہ میّت متألم میگردد تجمیع انچہ متألم میگردد بدان حی ولازم انیست کہ متلذذ گرد تمام انچہ متلذذم میشود بدان زندہ، انتہی۔

اس جگہ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو درد پہنچتا ہے ان تمام سے مردہ کو بھی الم پہنچتا ہے، اور یہ لازم ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو لذت حاصل ہو ان سب سے میّت کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے انتہی۔[4]

یہاں تک ہمارے علماء نے تصریح فرمائی، قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے۔

فی الشامیه عن الطحطاویة آخر کتاب الطهارة نصوا علٰی ان المرور فی سکة حادثة فیها حرام۔

آخر کتاب الطہارۃ شامی میں طحطاوی سے ہے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے۔[5]

خلاصہ: ان مذکورہ تمام حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ قبروں کو ویران کرکے ان کی جگہ مسجد بنانا یا دکان یا گھر یا اور کوئی چیز بنانا بالکل ناجائز ہے اور اس طرح قبر کے اوپر بیٹھنا یا چلنا یا تکیہ لگانا یا پیشاب وغیرہ کرنا بالکل ناجائز ہے اور جس طرح زندگی میں اس کا ادب کرنا ضروری تھا اس مرنے کے بعد بھی ضروری ہے اور جس طرح زندگی میں وہ اذیت محسوس کرتا تھا اس طرح

---

[1](فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۲۲۳ دار المعرفة بیروت ۴/۵۵۱)

[2](شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ فصل تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶)

[3](ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعة المصریة مصر ۱/۲۲۹)

[4](اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹۲)

[5](ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعة المصریہ مصر ۱/۲۲۹)

مرنے کے بعد بھی محسوس کرتا ہے اور قبر کا پورا حصہ میت کا حق ہوتا ہے تو جس طرح زندہ شخص کے حق اور مال میں تصرف کسی طرح جائز نہیں ہوتا اسی طرح میت کی قبر کے کسی بھی حصے میں تصرف کرنا یا اس کا حق غصب کرنا یا اس کی تذلیل کرنا حرام اور ناجائز ہوگا تو قبر کو ویران کرنا یہ میت کا حق غصب کرنا بھی ہے اور یہ اس کی تذلیل بھی ہے جس کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اس وجہ سے یہ کئی وجوہات کی وجہ سے حرام وناجائز ہے۔اس عمل قبیح کا مرتکب ہو کر لاتعداد حرام کاموں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔یہ غاصب وظالم ہے۔اس کو شیطان نے دھوکا دیا ہے اور شیطان نے یہ کہا کہ مسجد بنانا نیک کام ہے لہذا یہ کرلو حالانکہ یہ بے وقوف شریعت سے بے خبر،اسلام کی تعلیمات سے بے خبر اور نیکی اور بدی سے جاہل ،اپنی تاریک عاقبت سے بے علم ،خود بھی ہلاک وبرباد ہو رہا ہے اور دوسروں کو بھی قبیح عمل میں شریک کر کے تباہ کر رہا ہے بروز قیامت ایسے لوگوں کی تباہی سب پر عیاں وظاہر ہو جائے گی جو اس قدر ظلم انسانوں اور مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کی توفیق دے اور علم وعقل عطا فرمائے تاکہ خود بھی ہلاکت سے محفوظ ہو جائے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں نہ ڈالے۔ہمارا فرض تھا ہم نے حق واضح کر دیا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس حق کو قبول کر کے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وماعلینا الا البلاغ المبین۔

اگر کسی کو زیادہ تحقیق چاہیئے ہو تو ہمارا رسالہ "اھلاک النجدیین' علی توھین قبور المسلمین" کا مطالعہ کیجئے اس طرح شیخ العرب والعجم امام المحدثین ،شاہ احمد رضا خاں افغانی ثم بریلوی نے "اھلاک الوھابیین" فتاویٰ رضویہ ج۹ کا مطالعہ کیجئے اس طرح جامع المعقول والمنقول استاذ کل پیر طریقت رہبر شریعت مجاہد اعظم حضرت علامہ ابوالفضل محمد فضل سبحان صاحب مدظلہ العالی "القول المبرور فی صیانۃ القبور" مطالعہ کیجئے۔

(۱۲) باب نمبر بارہ: قبرستان کے ہرے بھرے درخت کاٹنے کی حرمت کا بیان

بعض لوگ قبرستان کے چھوٹے بڑے درخت اور گھاس کاٹ کر فروخت کر کے اس کی رقم کسی کار خیر یا مسجد وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں حالانکہ قبرستان سے سبز گھاس اور درخت کاٹنا اور بیچنا یہ حرام ہے کیوں کہ یہ مردوں کا حق ہے اس وجہ سے کہ ہری گھاس اور درختوں کے پتے ذکر اللہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے مردوں پر رحمت نازل ہوتی ہے اور عذاب دفع ہوتا ہے اور ان درختوں کے پتے اور گھاس کے پودوں کی تعداد بھی ہزاروں اور لاکھوں میں ہو اور گناہ اور جرم بھی ہزاروں اور لاکھوں میں ہوں۔ (العیاذباللہ)

اثباتِ تسبیح نباتات وجمادات

اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

اِن مِّن شَیءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِن لَّا تَفۡقَھُونَ تَسۡبِیحَھُمۡ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیمًا غَفُورًا (الاسراء ۴۴)

ترجمہ: ”اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔“

یہ تسبیح الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جس کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ جمھور السلف علی ان الآیۃ علی ظاھرھا من ان کل شیئی حیوانا کان او جمادا یسبح بلسان المقال۔

ترجمہ: جمہور سلف کہتے ہیں کہ آیات مبارکہ اپنے ظاہری معنیٰ پر محمل ہیں اس بات سے کہ ہر چیز چاہے وہ حیوان ہو یا جماد وہ اپنی زبان مقال سے تسبیح کرتی ہے۔[1]

۲۔ وھو الذی یشیر لہ قول الجلال انہ لیس بلغتکم الصریح فی انہ بلغۃ اخریٰ۔اھ۔[2]

۳۔ ان تسبیح الجماد بلسان المقال وھو الذی اختارہ الخازن و اثبتہ باحادیث متعددۃ۔

ترجمہ: بے شک جماد کی تسبیح کی اپنی زبان مقال کے ساتھ ہوتی ہے اور خازن نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسے احادیث متعددہ سے ثابت کیا ہے۔[3]

۴۔ وھو قریب جدا۔اھ۔شیخنا۔اھ۔[4]

۵۔ ففی ھذہ الاحادیث (الثلثۃ المنقولۃ من البخاری و المسلم) دلیل علی ان الجماد یتکلم و انہ یسبح۔

---

[1] (جمل ج۲ ص ۶۲۷)

[2] (جمل ج۲ ص ۶۲۷)

[3] (جمل ج۲ ص ۶۲۷)

[4] (جمل ج۲ ص ۶۲۷)

(۱۲) باب نمبر بارہ: قبرستان کے ہرے بھرے درخت کاٹنے کی حرمت کا بیان

ترجمہ: ان تینوں احادیث مبارکہ میں جو کہ نقل کی گئی ہیں بخاری اور مسلم سے دلیل ہے اس بات پر کہ جماد باتیں بھی کرتے اور تسبیح بھی بیان کرتے ہیں۔[1]

۶۔ وهو الاصح لمادلت عليه الحديث۔اه۔[2]

۷۔ وانه منقول عن السلف۔اه۔[3]

۸۔ حَتّٰى اِذَا مَا جَآءُوهَا شَهِدَ عَلَيۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَ اَبۡصَارُهُمۡ وَ جُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ (۲۰) وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِهِمۡ لِمَ شَهِدۡتُّمۡ عَلَيۡنَا قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَىۡءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ (حم السجدة ۲۱)

ترجمہ: یہاں تک کہ پچھلے آملیں یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اس نے تمہیں پہلی بار بنایا اور اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے۔"

پس دیکھو کہ یہ چار قوی دلائل مقال پر ہیں۔

۹۔ ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ (حم السجدة ۱۱)

ترجمہ: پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔"

پس دیکھو کہ یہ چار قوی دلائل مقال پر ہیں۔

۱۰۔ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنۡهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ مَرَّ بِقَبۡرَيۡنِ يُعَذَّبَانِ، فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لاَ يَسۡتَتِرُ مِنَ البَوۡلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمۡشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطۡبَةً، فَشَقَّهَا بِنِصۡفَيۡنِ، ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبۡرٍ وَاحِدَةً، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لِمَ صَنَعۡتَ هَذَا؟ فَقَالَ: لَعَلَّهُ أَنۡ يُخَفَّفَ عَنۡهُمَا مَا لَمۡ يَيۡبَسَا۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیئے جارہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا پھر آپ نے ایک ہری تر شاخ لی اور اسے چیر کر دو ۲ حصے فرمائے پھر ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دی لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا، تو فرمایا کہ جب تک یہ نہ سوکھیں گے تب تک ان کا عذاب ہلکا ہو گا۔[4]

---

[1] (خازن ج۳ص ۱۲۶)
[2] (خازن ج۳ص ۱۲۶)
[3] (خازن ج۳ص ۱۲۶، والمعالم ج۴ص ۱۳۱، والجمل ج۲ص ۶۲۷)
[4] (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ ص ۴۲، ابوداؤد ثم طحطاوی علی المراقی ص ۳۷۸ ثم شامی دفن ص ۶۰۲)

(۱۲) باب نمبر بارہ: قبرستان کے ہرے بھرے درخت کاٹنے کی حرمت کا بیان

۱۱۔ مقبرے کی گھاس (سبز) کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے، اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے کاٹ کر جانوروں کے پاس لے جائیں، اور یہ ممنوع ہے کہ انھیں گورستان میں چرنے چھوڑدیں۔

فی جنائز ردالمحتار یکرہ ایضا قطع النبات الرطب و الحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر و الدرر و شرح المنیۃ و عللہ فی الامداد بانہ مادام رطباً یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیّت و تنزل بذکرہ الرحمۃ و نحوہ فی الخانیۃ انتھی۔

ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا مکروہ ہے خشک گھاس کا نہیں، جیسا کہ بحر، درر اور شرح منیہ میں ہے، اور امداد میں اس کی یہ وجہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میّت کو انس حاصل ہوتا ہے، خانیہ میں بھی اسی طرح ہے انتہی۔[1]

---

[1](ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۶)

(۱۳) باب نمبر تیرہ: ارواح اموات گھروں میں آنے کا بیان

بعض علماء کہتے ہیں کہ جب انسان مر گیا تو وہ ختم ہو گیا اور اس کی روح اپنے گھر میں نہیں آسکتی حالانکہ خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولٰنا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:

مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میّت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میّت نفع می کند او را بے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است در آں احادیث صحیحہ بہ میّت را مگر صدقہ ودعا، ودر بعض روایات آمدہ است کہ روح میّت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ و اللہ تعالٰی اعلم۔

میّت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میّت کی طرف سے صدقہ اس کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔ اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں، اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں، خصوصا پانی صدقہ کرنے کے بارے میں اور بعض علماء کا قول ہے کہ میّت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رُوح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں و اللہ تعالٰی اعلم۔[1]

شیخ الاسلام کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں:

در غرائب و خزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہ ہائے خود را ہر شب جمعہ روز عید و روز عاشورہ و شب برات، پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود وندا می کنند ہر یکے بآواز بلند اندوہ گین اے اہل واولاد من و نزدیکانِ من مہربانی کنید بر ما بصدقہ۔

غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ، روز عید، روز عاشورہ اور شب برات کو اپنے گھر آکر باہر کھڑی رہتی ہیں اور ہر روح غمناک بلند آواز سے ندا کرتی ہے کہ اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے قرابت دارو! صدقہ کر کے ہم پر مہربانی کرو۔[2]

اسی میں ہے:

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ در شرح الصدور احادیث شتے در اکثر از یں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۶ و ۷۱۷)

[2] (کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعا و صدقہ ص ۶۶)

شرح الصدور میں شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان میں سے اکثر اوقات کے بارے میں مختلف حدیثیں نقل کی ہیں اگرچہ ضعف سے خالی نہیں ہیں۔[1]

اکثرے کا لفظ صریح دلالت کر رہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں۔ تو صاحب مائۃ مسائل کا مطلقاً اس کی طرف نسبت کرنا کہ این روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند۔ کذب وافترا ہے یا جہل واجترا۔ اور استناد کا صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر، جیسا کہ صاحب مائۃ مسائل سے یہاں واقع ہوا۔ جہل شدید وسفہ بعید ہے، حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے۔ غیر عقائد واحکام حلال وحرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے، ہمارے ائمہ کرام حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنٰی طلبہ علم پر بھی روشن ہیں، اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم کے ابجد خوانوں پر بین ومبرہن (ظاہر ودلائل سے ثابت۔) ہے۔ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون (لیکن وہابیہ نادان ہیں۔) (مائۃ مسائل)

طرفہ (تعجب۔) یہ کہ خود صاحبِ مائۃ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگانِ خاندان دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں وہ وہ روایات غیر صحاح وروایات طبقہ رابعہ اور ان سے بھی نازل تر (کم مرتبہ۔ت) سے استناد کیا ہے جیسا کہ ان کتب کے ادنٰی مطالعہ سے واضح ومبین ہے ولکن النجدیۃ یجحدون الحق وھم یعلمون (لیکن نجدیہ جان بوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں۔)

امام اجل عبد اللہ بن مبارک وابو بکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی للہ تعالٰی عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابو نعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی۔

وھذا لفظ ابن المبارک قال ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن، وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض یتفسح فیھا۔

(اور یہ ابن مبارک کے الفاظ ہیں) بیشک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے، جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص زندان میں تھا اب آزاد کر دیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔[2]

---

[1] (کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعا وصدقہ ص ۲۶)

[2] (کتاب الزھد لابن المبارک باب فی طلب الحلال حدیث ۵۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۱)

ابو بکر کی روایت یوں ہے:

فاذامات المؤمنین یخلی بہ یسرح حیث شاء۔

جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔[1]

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ کہا: **نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت۔** ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔[2]

ابن المبارک کتاب الزہد و ابو بکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجین۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔[3]

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلۃ تذھب حیث شاءت۔

فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[4]

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

رجح ابن البر ان ارواح الشھداء فی الجنۃ و ارواح غیرھم علی افنیۃ القبور فتسرح حیث شاءت۔

امام ابو عمر ابن عبد البر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔[5]

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من ھذا الھیکل و انفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت۔

بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔[6]

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزھد حدیث ۱۶۵۷۱ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳/ ۳۵۵)

[2] (شعب الایمان باب التوکل و التسلیم حدیث ۱۳۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۲۱)

[3] (کتاب الزھد لابن مبارک باب ماجاء فی التوکل حدیث ۴۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴)

[4] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸)

[5] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۵)

[6] (تیسیر شرح جامع صغیر تحتِ حدیث ان روح المومنین الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۳۲۹)

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:

ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین وآسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند می روند۔

اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[1]

خزانۃ الروایات میں ہے:

عن بعض العلماء المحقیقین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتشر فجاؤ الی مقابر ثم جاؤ افی بیوتھم۔

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھُٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔[2]

دستور القضاۃ مسند صاحب مائۃ مسائل میں فتاوٰی امام نسفی سے ہے:

ان ارواح المومنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل و احد منھم بصوت حزین یااھلی ویااولادی ویااقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولاتنسونا وارحمونافی غربتنا الخ۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز وشب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچّو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہربانی کرو، ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔[3]

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما اذا کان یوم عید اویوم جمعۃ اویوم عاشوراء ولیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علٰی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا الحدیث۔

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔[4]

---

[1] (تذکرۃ الموتٰی والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۶ و ۷۵)

[2] (خزانۃ الروایات)

[3] (دستور القضاۃ)

[4] (خزانۃ الروایات)

اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول، یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے حلال وحرام کا، ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اس قدر کثیر ووافر۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفاء زیر رثائے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم اجدہ فی شیئ من کتاب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلک سنداً المثلہ فانہ لیس ممایتعلق بالاحکام۔

یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔[1]

باقی رہا شیخ گنگوہی کا براہین قاطعہ میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنّیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم وصریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں اور وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم (مذہب ۱۲) میں مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کرلیے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل، براھین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل (اللہ تعالٰی نے جس چیز کے ملانے کا حکم دیا اسے قطع کرنے والی کتاب۔) میں چار ورق سے زائد پر یہی اعجوبہ اضحوکہ، طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ (مزین وملمع ۱۲) کیا ہے سخت جہالت فاحشہ ہے۔

اقول اگرچہ ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو اگرچہ اسے نفیاًواثباتاً کسی طرح عقاید میں دخل نہ ہو، نافی یا مثبت کسی پر اس نفی واثبات کے سبب حکم ضلالت وگمراہی محتمل نہ ہو سب باب عقاید میں داخل ٹھہرے، جس میں احادیث بخاری ومسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نامقبول ٹھہریں، تو اولاً سیر ومغازی ومناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤخورد ودریابُرد ہوجائیں، حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح درکنار ضعاف بھی مقبول۔

سیرت انسان العیون میں ہے:

لا یخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم، والضعیف والبلاغ، والمرسل والمنقطع، المعضل دون الموضوع، وقدقال الامام احمدبن حنبل وغیرہ من الائمۃ، اذارو ینافی الحلال والحرام شددناواذ رو ینافی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔

---

[1] (مناھل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء)

مخفی نہیں کہ کتب سیر، میں موضوع چھوڑ کر صحیح، سقیم، ضعیف، بلاغ، مرسل، منقطع، معضل ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں، امام احمد وغیرہ ائمہ نے فرمایا ہے: جب ہم حلال وحرام یعنی باب احکام میں روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور جب باب فضائل وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی رکھتے ہیں۔[1]

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین میں ملاحظہ ہو، یہیں دیکھیے رثائے مذکور امیر المؤمنین کیا فضائل اعمال سے تھا، وہ بھی باب علم سے ہے۔ جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔

ثانیاً: علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے، نہ عمل و فضل، عمل تو غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔

ثالثاً: دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل ومردود قرار پائیں۔

رابعاً: عقائد واعمال میں تفرقہ جس پر اجماع ائمہ ہے ضائع جائے، کہ احکام حلالِ وحرام میں کیا اعتقاد، حلت وحرمت نہیں لگا ہوا ہے، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود، اور جب حلالِ وحرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے کیوں بچیں!

خامساً: بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے، ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے اس پر یہ ثواب یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔

سادساً: اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی، انھوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں، جب تک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے۔

قدم عشق پیشتر بہتر

سابعا: ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھیے، اسی براہین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا تا کہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں، اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو محض بے اصل وبے سند حکایت سے سند لایا کہ شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے

---

[1] (انسان العیون خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱ /۳ و ۴)

پیچھے کا بھی علم نہیں، حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہ، نے اسے ہر گز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کر کے صاف فرمادیا تھا کہ ایں سخن اصلے نہ دارد و روایت بدان صحیح نشدہ است (اس کلام کی کوئی اصل نہیں، اور اس کے بارے میں روایت صحیح نہیں۔)

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذاللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سروپا حکایت مقبول و محمود، اور پھر دعوٰی ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود۔ انا للہ و انا الیہ راجعون کذٰلک یطبع اللہ علٰی کل قلب متکبر جبار (اسی طرح اللہ ہر متکبر سخت گیر کے دل پر مہر کردیتا ہے۔)

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکامِ حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہئے کہ اس کے لیے اتنی سندیں کافی ووافی، منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم و یقین نہیں تو ٹھیک ہے، اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پاسکتے، اور اگر دعوٰی نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم و ثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے، بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم، اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم و ستم، آنے کے بارے تو اتنی کتب علماء کی عبارات اتنی روایات بھی ہیں نفی وانکار کے لیے کون سی روایت ہے؟ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل وغلط ہے؟ تو ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل۔

کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پرر وایات موجودہ بربنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف روایت کا نام ونشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان، روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً واثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا، اور دعوٰی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی، یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود، اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود، ولکن الوھابیة لایعقلون ولاحول ولاقوة الاّ باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد واٰله وصحبه اجمعین، اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔ فقط لیکن وہابیہ بے عقل ہوتے ہیں اور برائی سے رکنے، نیکی کے کرنے کی طاقت نہیں مگر بلند عظیم خدا ہی کی طرف سے۔ اور خدائے برتر اپنی مخلوق میں سب سے بہتر محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر درود نازل فرمائے۔ الٰہی! قبول کر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس ذات بزرگ کا علم کامل اور محکم ہے۔[1]

وفی الحدیث (یا أصحابي لا تنسوا امواتکم فی قبورهم خاصة فی شهر رمضان فان أرواحهم یأتون بیوتهم فینادی کل أحدمنهم الف مرة من الرجال والنساء اعطفوا علینا بدرهم او برغیف او بکسرة خبز او بدعوة او بقراءة آیة

[1] (بحوالہ فتاوٰی رضویہ ج ۹ ص ۶۴۹-۶۵۷ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور)

او بکسوۃ کساکم اللہ من لباس الجنۃ) کذافی ربیع الأبرار فاذا کان الرغیف او الکسرۃ مفیدا مقبولا عند اللہ تعالی فما ظنک بما فوقہ من اللذائذ۔

ترجمہ: اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اے میرے دوستو تم مردوں کو نہ بھولو جو اپنی قبروں میں ہیں۔ خاص کر ماہ رمضان شریف میں ان کی ارواح اپنے گھروں میں آتی ہیں (جن گھروں کو چھوڑ کر قبروں میں جا بسے ہیں)۔ پس پکارتا ہے ایک ان میں سے ہزار مرتبہ مردوں اور عورتوں سے کہ بخشش کرو ہم پر ساتھ صدقہ کرنے درہم کے یا ساتھ خوراک اور ٹکڑا روٹی کے یا ساتھ دعا اور پڑھنے قرآن کریم کے یا ساتھ خیرات کرنے کپڑے کے پہنائے گا اللہ تعالیٰ تم کو جنت کی پوشاک۔[1]

عید کا دن، دسواں دن، ماہ رجب کا پہلا جمعہ اور شب برأت میں ارواح کا اپنے گھروں میں آنا اور صدقات وغیرہ کا ثواب طلب کرنا

کتاب درر الحسان میں امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اذا کان یوم العید ویوم العشر ویوم الجمعۃ الاولی من شہر رجب ولیلۃ النصف من شعبان ولیلۃ الجمعۃ یخرج الاموات من قبورھم ویقفون علی ابواب بیوتھم ویقولون ترحموا علینا فی اللیلۃ بصدقۃ ولو بلقمۃ من خبز فانا محتاجون الیھا فان لم یجدوا اشیئا یرجعون بالحسرۃ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے جب عید کا دن، دسواں دن، ماہ رجب کا پہلا جمعہ، شب براءت (شعبان کی نصف) اور جمعہ کی رات آتی ہے تو اموات اپنی قبور سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہماری طرف سے اس رات صدقہ کرو اگرچہ روٹی کا ایک لقمہ ہی دو کیونکہ ہم اس کے ضرورت مند ہیں اگر وہ کچھ صدقہ نہ کریں تو بڑے افسوس سے لوٹتے ہیں۔[2]

دستور القضاۃ مصنفہ صدر الدین رشید تبریزی میں فتاوٰی نسفیہ سے منقول ہے:

ان ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی یا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا قد کان ھذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا فیرجعون منھم باکیا حزینا ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین اللھم قنطھم من الرحمۃ کما قنطونا من الدعاء والصدقۃ۔

---

[1] (روح البیان، ج۴ ص ۳۲۶، دار الفکر-بیروت، تنویر الایمان فی اتباع مذھب النعمان ص ۲۹۱)
[2] (درر الحسان فی البعث ونعیم الجنان للسیوطی ص ۲، دقائق الاخبار للامام الغزالی)

اہل ایمان کی ارواح ہر جمعہ کی رات اور دن کو اپنے گھروں کے صحن میں آکر غمناک آواز دیتی ہیں: اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے رشتہ دارو، ہم پر صدقہ کرکے مہربانی کرو، ہمیں یاد رکھو، ہمیں بھول نہ جاؤ، ہماری غربت پر رحم کرو، یہ مال جو تمھارے ہاتھوں میں ہے یہ کبھی ہمارے پاس بھی تھا پھر وہ غمگین روتے ہوئے واپس جاتے ہیں، پھر ان میں سے ہر کوئی غمگین آواز سے کہتا ہے اے اللہ! ان کو رحمت سے اسی طرح دور فرما جس طرح انھوں نے ہمیں دعا و صدقہ سے مایوس کیا ہے۔[1]

اشباہ والنظائر احکام جمعہ میں مسطور ہے: وفیہ یجتمع الارواح یعنی جمعہ کے دن روحیں اکٹھی ہوتی ہیں۔[2]

روضۃ الریاحین میں ہے:

مذهب اهل السنة ان ارواح الموتى فى بعض الاوقات من عليين وسجين ياتون الى اجسادهم فى قبورهم عند مايريد الله تعالٰى خصوصا فى ليلة الجمعة ويوما ويجلسون ويتحدثون۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اموات کی ارواح جب اللہ تعالٰی چاہتا ہے علیین اور سجین سے اپنے اجسام کی طرف آتی ہیں خصوصا جمعہ کی رات، دن میں آپس میں بیٹھ کر گفتگو کرتی ہیں۔[3]

بخوف تطویل اس قدر ہی روایات پر بس، ورنہ اور بھی کتب معتبرہ خزانۃ الروایات اور عوارف المعارف اور تذکرۃ الموتٰی مصنفہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا ثابت ہے۔

چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتاوٰی عزیزی ترجمہ سرور عزیزی میں فرماتے ہیں:

"مُردے اوقات متبرکہ میں مثلا شب جمعہ اور شب قدر میں اپنے ان عزیزوں کے پاس گزرتے ہیں کہ وہ عزیزان اموات کو یاد کرتے ہیں قدر ضرورت"۔[4]

وفی روح البیان وفی الحدیث وفي الحديث: يا أصحابي لا تنسوا أمواتكم في قبورهم خاصة في شهر رمضان فإن أرواحهم يأتون بيوتهم فينادي كل أحد منهم ألف مرة من الرجال والنساء أعطفوا علينا بدرهم أو برغيف أو بكسرة خبز أو بدعوة أو بقراءة آية أو بكسوة كساكم الله من لباس الجنة كذا في ربيع الأبرار فإذا كان الرغيف أو الكسرة مفيداً مقبولاً عند الله تعالى فما ظنک بما فوقه من اللذائذ۔[5]

---

[1] (دستور القضاۃ صدر الدین رشید تبریزی)

[2] (فتاوٰی رضویہ ج ۱۴ ص ۶۹۴، بالاشباہ والنظائر باب احکام الجمعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۹)

[3] (روضۃ الریاحین)

[4] (سرور عزیزی ترجمہ فتاوٰی عزیزی)

[5] (روح البیان سورۃ الرعد ج۴ ص ۴۰ ۲، تنویر الایمان فی اتباع مذہب نعمان ص ۲۹۰)

خزانۃ الروایات میں ہے:

عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتش فجاؤ الی مقابر ثم جاؤا فی بیوتھم۔

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھُٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔[1]

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ کہا:

نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت۔

ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔[2]

ابن المبارک کتاب الزہد و ابو بکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجین۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔[3]

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلۃ تذھب حیث شاءت۔

فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[4]

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

رجح ابن البر ان ارواح الشھداء فی الجنۃ و ارواح غیرھم علی افنیۃ القبور فتسرح حیث شاءت۔

امام ابو عمر ابن عبد البر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔[5]

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من ھذا الھیکل و انفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت۔

---

[1] (خزانۃ الروایات)

[2] (شعب الایمان باب التوکل و التسلیم حدیث ۱۳۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۲۱/۲)

[3] (کتاب الزھد لابن مبارک باب ماجاء فی التوکل حدیث ۴۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴)

[4] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸)

[5] (شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۵)

بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔[1]

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:

ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند۔

اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔[2]

---

[1] (تیسیر شرح جامع صغیر تحتِ حدیث ان روح المومنین الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۳۲۹)

[2] (تذکرۃ الموتی والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۶ و ۷۵ و فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۶۵۲)

(۱۴) باب نمبر چودہ: تبرکات کا بیان

بعض علماء تبرّکات سے انکار کرتے ہیں حالانکہ تبرکات کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے اور ہر دَور میں اہلِ حق علمائے کرام نے اس فرقہ ضالہ کارد کیااور اُن کی گمراہی کا سدّباب کرتے ہوئے مختلف رسائل اور کتب تصانیف کی ہیں۔اور اس دَور میں بھی علمائے حق کو ان کی گمراہیوں کا سدّباب کرنا چاہیئے جس طرح بھی ممکن ہو۔چاہے تقریرًاہو یا تحریرًابلکہ علمائے اہلِ حق پر واجب ہے کہ اُن پر دلائل قائم کریں۔جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اہلِ ھواء پر دلائل قائم کرنا یہ بدعتِ واجبہ ہے۔ولفظہ ھٰذا فقد تکون ای البدعة واجبة کنصب الادلة لردّ علی اھلِ الفرق الضالة۔۔اھ۔[1]

لہٰذا اس فقیر نے اہلِ ھواء کی گمراہیوں کو دیکھتے ہوئے اُن پر دلائل قائم کیے ہیں۔اللہ رب العزت ان دلائل کے ذریعے مسلمانوں کو نفع وہدایت پہنچائے۔آمین بجاہ النبی الأمین ﷺ۔وماتوفیقی الا باللہ۔

آیاتِ قرآنیہ سے تبرکات کا ثبوت

پہلی دلیل: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ} (البقرہ:۲۴۸)

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی ں نے فرمایا: کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں سکون (کا سامان) ہو گا۔ تمہارے ربّ کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون، اٹھالائیں گے اس صندوق کو فرشتے۔بے شک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم مؤمن ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال أصحاب الأخبار: ان اللہ تعالیٰ أنزل علٰی آدم علیہ السلام تابوت فیہ صور الانبیآء من أولادہ فتوارثہ أولاد آدم الیٰ أن وصل الیٰ یعقوب ثم بقی فی أیدی بنی اسرائیل فکانوا اذا اختلفوا فی شیء تکلّم وحکم بینھم واذا حضروا القتال قدموہ أیدیھم یستفتحون بہ علی عدوّھم۔

ترجمہ: ”موٴرخین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ایک تابوت نازل فرمایا جس میں سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔وہ تابوت اولادِ آدم میں وراثتاً منتقل ہوتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا، پھر یہ بنی اسرائیل کے قبضے میں رہا۔اور جب ان کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو یہ تابوت

[1] (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۴ مطلب البدعة علی خمسة اقسام)

کلام کرتا اور فیصلہ سناتا اور جب وہ کسی جنگ کے لئے جاتے تو اپنے آگے اس تابوت کو رکھتے جس کے ذریعے وہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتے۔"[1]

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زر اندوز صندوق تھا۔ جس کا طول تین ہاتھ اور عرض دو ہاتھ تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ اور انکے مساکن و مکانات کی تصاویر تھیں۔ آخر میں حضور سیّد عالم ﷺ کے دولت سرائے کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی۔ کہ حضور ﷺ بحالت نماز قیام میں ہیں۔ اور گرد آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصاویر کو دیکھا۔ یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ اس میں تورات بھی رکھتے تھے اور اپنا مخصوص سامان بھی۔ چنانچہ اس صندوق میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء آپ کے کپڑے اور آپکی نعلین شریفین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کا عصاء اور تھوڑا سا مَنّ جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا، یہ سب اس میں موجود تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے۔ اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو سکون رہتا تھا۔ آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا آیا۔ جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اسے سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے دشمنوں کے مقابلے میں اس کی برکت سے فتح پاتے۔ جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور ان کی بد عملی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم **"عمالقہ"** کو مسلط فرمادیا۔

قوم عمالقہ ان سے تابوت چھین کر لے گئی۔ اور اس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی۔ ان گستاخیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کے امراض اور مصائب میں مبتلا کر دیا انکی پانچ بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ جب انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ تابوت کی اہانت انکی بربادی اور ہلاکت کا باعث ہے تو انہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیل کو ہانک دیا اور فرشتے اس تابوت کو بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لائے۔ اس تابوت کا آنا ہی بنی اسرائیل کے لئے طالوت کی بادشاہت کی نشانی قرار دیا گیا۔ بنی اسرائیل یہ دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقرّ ہوئے اور فوراً جہاد کیلئے تیار ہوگئے۔ کیونکہ تابوت پاکر انہیں اپنی فتح کا یقین ہوگیا۔ طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار افراد منتخب کئے، جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے۔[2]

---

[1] (رازی، التفسیر الکبیر، ج۶ ص ۱۴۹)

[2] (تفسیر خزائن العرفان ص ۷۴، تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۷۲)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

و قیل کان صندوقاً لِلتّوراۃ فکانوا اذا حضر القتال قدموہ بین ایدیھم یستفتحون بہ علی عدوّھم فاذا سار التابوت ساروا واذا وقف وقفوا ط۔

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ وہ صندوق توریت کیلئے تھا۔ بنی اسرائیل جب لڑائی میں جاتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھتے تھے۔ اس کی برکت سے دشمنوں پر فتح پاتے۔ جب صندوق چلتا تو یہ بھی آگے بڑھتے اور جب صندوق رک جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے۔[1]

"فِیۡہِ سَکِیۡنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ" کے تحت لکھتے ہیں:

انّ فیہ خاصیۃ انّ تسکن قلوبکم بحضورہٖ اخرج ابن اسحاق و ابن جریر عن وھب بن منبہ انّہ کان موسیٰ علیہ السّلام اذاقاتل قدمہ فتسکن نفوس بنی اسرائیل و لا یفرّون۔

ترجمہ: اس میں خاصیت ہے کہ اس کے آنے سے تمہارے دلوں کو تسکین آجائیگی۔ ابن اسحٰق رحمہ اللہ اور ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن منبہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جہاد میں جاتے تو اسے اپنے آگے رکھتے تھے۔ اس سے بنی اسرائیل جنگ پر جمے رہتے اور بھاگتے نہیں تھے۔[2]

اس تابوت میں کیا تھا؟

و کان فیہ لوحان من التوراۃ ورضاض الالواح الّتی تکسرت و عصاء موسیٰ و نعلاہ و عمامۃ ھارون و عصاہ و قفیز من المَنّ کان ینزل علی بنی اسرائیل۔

ترجمہ: اس صندوق میں دو تختیاں توریت کی اور شکستہ ٹکڑے ان الواح کے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور عصاء اور مَنّ جو بنی اسرائیل پر اترتا تھا اور اس کا قفیز تھا۔[3]

تبرکاتِ صالحین باعث رحمت وبرکت ہیں اور سکونِ قلب کا سبب ہیں

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

قُلتُ وَلا شَکَّ ان بذکر اللہ تعالیٰ ورؤیۃ آثار الصالحین من الانبیآء واتّباعھم تطمئنّ القلوب وتذھب عنھا وساوس الشیطان۔

---

[1] (تفسیر مظھری ص ۳۴۸)
[2] (مظھری ج ۱ ص ۳۴۹)
[3] (مظھری ج ۱ ص ۳۴۹)

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے آثار و تبرکات کی زیارت سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔ [1]

حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

وبقیۃ ممّا ترک اٰل موسیٰ واٰل ھارون ھی رصاص من الالواح وثیاب موسیٰ وعمامۃ ھارون وطشت من ذھب کان تغسل بہ قلوب الانبیآء۔

یعنی تابوت میں الواح کے ٹکڑے اور موسیٰ علیہ السلام کے پارچہ جات اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب دھوئے جاتے تھے۔ [2]

علامہ ابی عبد اللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن، جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے، میں فرماتے ہیں:

روی ان الملائکۃ جاءت بہ تحملہ وکان یوشع بن نون قد جعلہ فی البریہ فروی انھم رٔ ء والتابوت فی الھواء حتّٰی نزل بینھم۔

یعنی "روایت ہے کہ ملائکہ اسے اٹھا کر لائے اور یوشع بن نون علیہ السلام نے اسے جنگل میں رکھا۔ اور روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے اس صندوق کو ہوا میں دیکھا یہاں تک کہ ان کے درمیان اترا۔" [3]

علامہ قرطبی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ فرشتے اسے اٹھا کر لائے جیسا کہ خود قرآن عزیز نے "تحملہ الملٰئکۃ" فرمایا۔ اور ہوا میں یہ ظاہر ہوا اور پھر ان کے درمیان نازل ہوا۔

"سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ" کے تحت لکھتے ہیں:

ان التّابوت کان سبب سکون قلوبھم فاینما کانوا اسکنوا الیہ ولم یفِرّوا من التّابوت اذا کان معھم فی الحرب۔

ترجمہ: بیشک تابوت ان کے دلوں کے سکون کا سبب تھا۔ جہاں کہیں ہوتے اسی کے ساتھ رہتے اور تابوت چھوڑ کر نہ بھاگتے۔ جب تک کہ وہ تابوت جنگ میں ان کے ساتھ ہوتا۔ [4]

---

[1] (مظھری ج ۱ ص ۳۴۹)

[2] (روح المعانی جزثانی ص ۱۶۹)

[3] (تفسیر قرطبی ج۳ ص ۲۴۸)

[4] (قرطبی ج۳ ص ۳۴۹)

اس تابوت میں کیا تھا؟

یہی علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فقیل عصاء موسیٰ وعصاء ھارون ورصاص الالواح لانھا انکسرت حین القاھا موسیٰ، قالہ ابن عباس رضی اللہ عنھما زاد عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ القواۃ وقال ابو صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ البقعۃ عصاء موسیٰ علیہ السلام وثیابہ وثیاب ھارون علیہ السلام ولوحان من التوراۃ۔

ترجمہ: پس کہا گیا ہے کہ (اس صندوق میں) موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ہارون علیہ السلام کا عصاء اور الواح کے چند ٹکڑے (اس لئے) کہ موسیٰ علیہ السلام سے ٹوٹ گئی تھیں۔ اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔ اس پر زیادہ کیا عکرمہ نے اور ابو صالح نے کہا بقعہ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ان کے کپڑے اور ہارون علیہ السلام کے کپڑے اور توریت کی الواح تھیں۔[1]

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صندوق شمشاد کی لکڑی سے بنا ہوا تھا، اور اس پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ یہ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا، اس تابوت کی عظمت بنی اسرائیل کے نزدیک مشہور و معروف تھی، وہ اس کو گم کر چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کے مندرجات کو مبہم رکھا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ اس صندوق میں کیا تھا، اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے، ہم اس صندوق کے متعلق اس چیز کو اختصار سے بیان کریں گے جس کو مفسرین اور مؤرخین نے بیان کیا ہے، مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا گیا تھا، اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے گھروں کی تصویریں تھیں اور آخری گھر سیدنا محمد ﷺ کا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ تابوت حضرت شیث علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس رہا، پھر ان کے بیٹے قیدار کے پاس، پھر ان سے ان کے عم زاد اولاد اسحاق نے اس میں تنازع کیا، اور یہ کہا: اس نور کے سوا تم سے نبوت لے لی گئی ہے، انہوں نے تابوت نہ دیا، اور ایک دن اس کو کھولنے کی کوشش کی تو ان سے نہیں کھلا، پھر آسمان سے ایک منادی نے ان کو ندا کی کہ نبی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا، تم یہ اپنے عمّ زاد یعقوب علیہ السلام کو دے دو، سو انہوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے عمّ زاد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دیا، پھر یہ تابوت بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا

---

[1] (قرطبی ج۳ ص ۲۵۰)

اسی کی مثل عبارات تفسیر خازن ج۱ ص ۲۱۶، معالم التنزیل ج۱ ص ۲۱۵، روح البیان ج۱ ص ۳۸۵، جمل ص ۲۴۱، مدارک ج۱ ص ۱۹۹، بیان القرآن ص ۸۳، معارف القرآن حاشیۃ القرآن علامہ عثمانی ص ۴۸، تفسیر نعیمی ص ۶۳۲، ضیاء القرآن وغیرہم تفاسیر میں موجود ہیں۔

رہا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا، انہوں نے اس میں توریت کو رکھا اور اپنی بعض دوسری چیزیں رکھیں، پھر یہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا ہوا حضرت شمویل تک پہنچا۔[1]

مفتی اعظم سرحد حضرت علامہ مولانا مفتی شائستہ گل قادری نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب **"المقاصدالسنیہ"** میں صفحہ ۲۰۵ پر لکھتے ہیں: "حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے حالات ابتر ہوتے چلے گئے، اکثریت بت پرستی و سرکشی میں مبتلا ہوگئی، یہاں تک کہ ان پر عمالقہ مسلط ہوگئے (جو قومِ جالوت سے مشہور تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے شمویل علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی، بنی اسرائیل نے کہا کہ اگر آپ نبی علیہ السلام ہیں تو ہم پر ایک بادشاہ مقرر کیجئے تاکہ ہم قوم عمالقہ سے جہاد کریں کیونکہ انہوں نے ہمیں اپنے وطن سے نکالا، ہماری اولاد کو قتل کیا، حضرت شمویل علیہ السلام نے ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، ان کے تقرر پر بنی اسرائیل سیخ پا ہوئے اور حضرت شمویل علیہ السلام سے کہا کہ یہ تو ایک غریب آدمی ہے نیز سلطنت تو یہود بن یعقوب کی اولاد میں چلی آرہی ہے، یہ شخص نہ تو امیر ہے اور نہ یہود بن یعقوب کی اولاد میں سے ہے، تو یہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے۔ اب بنی اسرائیل حضرت شمویل علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ اگر یہ ہمارا بادشاہ ہے تو ہمیں اسکی بادشاہت کی کوئی نشانی دیجیے۔

آیت کا ترجمہ: "اور ان کے نبی (حضرتِ شمویل علیہ السلام) نے فرمایا اسکی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا، اس میں تمہارے لئے رب کی جانب سے دلوں کا چین (اطمینان) ہے، اور (اس میں) موسی (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کے ترکہ میں سے کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں۔ فرشتے اسے اٹھالائیں گے"۔

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کی لمبائی تین ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ تھی۔ اس میں مختلف انواع و اقسام کے تبرکات موجود تھے۔ نیز اس میں توریت شریف کے الواح کا کچھ حصہ حضرت موسی علیہ السلام کے نعلین شریفین، اور آپ علیہ السلام کے کپڑے آپ علیہ السلام کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف اور کچھ منّ (منّ و سلویٰ جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا)، یہ تبرکات موجود تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جنگوں کے مواقع پر اسی تابوت کو آگے رکھتے، جس سے بنی اسرائیل کو اطمینان اور دشمنوں پر اس کی برکت سے فتح حاصل ہوتی، نیز جب بنی اسرائیل کو کوئی مشکل پیش آتی تو انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کے تبرکات سے بھرے ہوئے اس صندوق کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کی مشکل حل فرماتا۔[2]

---

[1](البحر المحیط ج ۱ ص ۵۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

[2](خازن۔ ومعالم ج ۱ مدارک ج ۱ جلالین وغیرہم۔ بحوالہ المقاصدالسنیہ ص ۲۰۵ تا ۲۰۶)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں:

”التابوت۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوتِ سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین مِلّی اور قومی ورثہ تھا۔ اس میں تورات کا اصلی نسخہ مع تبرکاتِ انبیاء علیہم السلام محفوظ تھا۔ بنی اسرائیل اس کو انتہائی بابرکت و مقدس سمجھتے تھے۔ سفر و حضر، جنگ و امن ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیائش حسبِ ذیل تھی: طول دو فٹ چھ انچ، عرض ایک فٹ چھ انچ، بلندی ایک فٹ چھ انچ“۔

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے، مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین کر لے گئے تھے، اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بد طالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لئے نہایت درجہ بے تاب و مضطرب تھے۔

طالوت کے دور میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ قبل مسیح) تک رہا، اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اسے بھی رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا، یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔“[1]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی تفسیر ”بیان القرآن“ میں لکھا ہے: ”(اور جب ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کی من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جاوے، اس وقت) ان سے ان کے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (بدوں تمہارے لائے ہوئے) آجاوے گا جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے۔ تمہارے ربّ کی طرف سے (یعنی تورات اور تورات کا من جانب اللہ ہونا ظاہر ہے) اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ غرض) اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔ اس (طرح سے صندوق کے آجانے) میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین لانے والے ہو۔ اس صندوق میں تبرکات تھے۔“

مزید حاشیہ میں لکھا ہے:

قولہ تعالیٰ ”یَاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ“۔ اس میں اصل ہے آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔[2]

---

[1](تفسیر ماجدی، ج ۱ ص ۴۵۹)

[2](تھانوی، بیان القران ج ۱ ص ۱۴۵)

نجوم القرآن ص ۵۷ میں لکھا ہے: "تابوت کا آنا اللہ تعالیٰ کے نبی شمویل علیہ السلام کا معجزہ تھا اور طالوت کی کرامت تھی کہ ان کے پاس خرق عادت تابوت آگیا۔ تابوت کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آرہا تھا جس میں کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات تھے، جو ان لوگوں کے دلوں کا چین بنے۔

"وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ" (اور اس میں کچھ بقایا چیزیں ہیں جو چھوڑ گئے معزز موسیٰ اور معزز ہارون)۔ اس تابوت میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی چھوڑی ہوئی چیزیں تھیں۔ آسمانوں سے تورات کی جو تختیاں نازل ہوئی تھیں ان کے ٹکڑے تھے، موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور آپ علیہ السلام کے کپڑے تھے اور ہارون علیہ السلام کی نعلین تھیں۔ اور ان پر جو ربّ تعالیٰ کی طرف سے منّ نازل ہوتا رہا اس میں سے کچھ اس تابوت میں تھا۔ [1]

نیز صفحہ ۷۸ پر لکھتے ہیں: اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے ناخن، بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھا کرتے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے۔ [2]

حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "عجائب القرآن مع غرائب القرآن" میں تابوت کی تفصیل درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"... (۱) معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی خداوند قدوس کے دربار میں بڑی عزت و عظمت ہے اور ان کے ذریعہ مخلوقِ خدا کو بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھ لو! صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں آپ کا عصاء اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ صندق اس قدر مقبول اور مکرم و معظم ہو گیا کہ فرشتوں نے اس کو اپنے نورانی کندھوں پر اٹھا کر حضرت شمویل علیہ السلام کے دربار نبوت میں پہنچایا اور خداوند قدوس نے قرآن مجید میں اس بات کی شہادت دی کہ "فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" یعنی اس صندوق میں تمہارے ربّ کی طرف سے سکینہ یعنی مؤمنوں کے قلوب کا اطمینان اور ان کی روحوں کی تسکین کا سامان تھا۔ مطلب یہ کہ اس پر رحمتِ الٰہی کے انوار و برکات کا نزول اور اس پر رحمتوں کی بارش ہوا کرتی تھی تو معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات جہاں اور جس جگہ بھی ہوں گے ضرور ان پر رحمت

---

[1] (از کبیر و قرطبی)

[2] (ضیاء القران، بحوالہ نجوم الفرقان فی تفسیر القرآن ص ۷۴ تا ۷۸)

خداوندی کا نزول ہو گا اور اس پر نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں سے مؤمنین کو سکونِ قلب اور اطمینان روح کے فیوض و برکات ملتے رہیں گے۔

(۲) جس صندوق میں اللہ والوں کے لباس و عصا اور جوتیاں ہوں جب اس صندوق پر اطمینان کا سکینہ اور انوار و برکات کا خزینہ خدا کی طرف سے اترنا قرآن سے ثابت ہے تو بھلا جن قبور میں ان بزرگوں کے پورا اجسام رکھے ہوں، کیا ان قبروں پر رحمت و برکت اور سکینہ و اطمینان نہیں اترے گا؟ ہر عاقل انسان جس کو خداوند عالم نے بصارت کے ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت بھی عطا فرمائی ہے، وہ ضرور اس بات پر ایمان لائے گا کہ جب بزرگوں کے لباس اور ان کی جوتیوں پر سکینہ رحمت نازل ہوتا ہے توان بزرگوں کی قبور پر بھی رحمتِ خداوندی کا خزینہ ضرور نازل ہو گا اور جب بزرگوں کی قبروں پر رحمتوں کی بارش ہوتی ہے تو جو مسلمان ان مقدس قبروں کے پاس حاضر ہو گا اس پر بھی بارشِ انوارِ رحمت کے چند قطرات برس ہی جائیں گے کیونکہ جو موسلا دھار بارش میں کھڑا ہو گا ضرور اس کا کپڑا اور بدن بھیگے گا، جو دریا میں غوطہ لگائے گا تو ضرور اس کا بدن پانی سے تر ہو گا۔ جو عطر کی دکان پر بیٹھے گا ضرور اس کو خوشبو نصیب ہو گی تو ثابت ہو گیا کہ جو بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیں گے، ضرور وہ فیوض و برکات کی دولتوں سے مالامال ہوں گے اور ضرور ان پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہو گا جس سے ان کے مصائب و آلام دور ہوں گے اور دین و دنیا کے فوائد و منافع حاصل ہوں گے۔

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ بزرگوں کے تبرکات یا ان کی قبروں کی اہانت و بے ادبی کریں گے وہ ضرور قہر قہّار اور غضبِ جبّار میں گرفتار ہوں گے، کیونکہ قوم عمالقہ جنھوں نے اس صندوق کی بے ادبی کی تھی، ان پر ایسا قہر الٰہی کا پہاڑ ٹوٹا کہ وہ بلاؤں کے ہجوم سے بلبلا اٹھے اور کافر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اس بات کو مان لیا کہ ہم پر بلاؤں اور وباؤں کا حملہ اسی صندوق کی بے ادبی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ اسی لئے ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو بیل گاڑی پر لاد کر بنی اسرائیل کی بستی میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگ غضب الٰہی کی بلاؤں کے نیچے قہر سے نجات پالیں۔

(۴) جب اس صندوق کی برکت سے بنی اسرائیل کو جہاد میں فتح مبین ملتی تھی تو ضرور بزرگوں کی قبروں سے بھی مؤمنین کی مشکلات دفع ہوں گی اور مرادیں پوری ہوں گی، کیونکہ ظاہر ہے کہ بزرگوں کے لباس سے کہیں زیادہ اثرِ رحمت بزرگوں کے بدن میں ہو گا۔

(۵) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قوم سرکشی اور عصیان کے طوفان میں پڑ کر اللہ عزوجل اور رسول ﷺ کی نافرمان ہو جاتی ہے، اس قوم کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں چنانچہ آپ نے پڑھ لیا کہ جب بنی اسرائیل سرکش ہو کر خدا کے نافرمان ہو گئے اور قسم قسم کی بدکاریوں میں پڑ کر گناہوں کا بھوت ان کے سروں پر عفریت بن کر سوار ہو گیا تو ان کے جرموں کی

نحوستوں نے انہیں یہ برا دن دکھایا کہ صندوق وسکینہ ان کے پاس سے قوم عمالقہ کے کفار اٹھالے گئے اور بنی اسرائیل کئی برسوں تک اس نعمت عظمٰی سے محروم ہوگئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)[1]

قارئین کرام! ان عبارات سے جو جلیل القدر مفسرین نے آیات کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرمائی ہیں، یہ بات روزروشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ:

(۱) بزرگان دین کے تبرکات انکے وصال کے بعد دافع البلاء اور باعث اطمینان قلب ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جن ذوات قدسیہ کے تبرکات میں اتنی برکت وفوائد ہیں، ان کی اپنی عظمت واحترام میں کتنے بے شمار منافع ہوں گے۔ نیز ان کی تعظیم وتکریم ضروری ہے۔

(۲) انکی توہین گمراہوں کا طریقہ ہے اور بربادی وتباہی کا باعث ہے۔

(۳) تبرکات کے وسیلہ وبرکت سے دشمنوں پر فتح ونصرت حاصل ہوتی ہے۔

میں، سیّد احمد علی شاہ سیفی ترمذی، کہتا ہوں کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمارے پاس بھی حضور نبی کریم ﷺ کا موئے مبارک موجود ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھرانے پر عظیم انعامات نازل فرمائے ہیں۔

دوسری دلیل از قرآن

اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ (۹۳) وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ (۹۴) قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ (۹۵) فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (یوسف ۹۶)

ترجمہ: "لے جاؤ میرا یہ پیراہن پس ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر وہ بینا ہو جائیں گے اور (جاکر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا۔ (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔ گھر والوں نے کہا بخدا! (باباجی) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔ پس جب آپہنچا خوشخبری سنانے والا (اور) اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ علیہ السلام کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے آپ نے (فرط مسرت سے) کہا (دیکھو) میں نہیں کہتا تھا تمہیں کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے جتانے) سے جو تم نہیں جانتے۔"

اب ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر قرآن ضیاء الامت حضرت علامہ پیر سید محمد کرم شاہ الازہری بھیروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ضیاء القرآن میں فرماتے ہیں: جو قمیص آپ نے اس وقت زیب تن فرمائی تھی وہ اتار کر دی اور فرمایا کہ یہ

---

[1] (عجائب القرآن مع غرائب القرآن، ص ۳۹-۳۷)

لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر جاکر رکھو۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے وہ قمیص بھیجی تھی۔ جسے زلیخا نے پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا تھا۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ **هو القميص الذى كان عليه حينئذٍ كماهو الظاهر**۔[1]

اس دفعہ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی باذنِ الٰہی مہر خاموشی توڑی اور فرمانے لگے اگر تم مجھے نادان، اور مخبوط الحواس نہ کہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے.... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابھی قافلہ آٹھ دن کی مسافت پر تھا کہ آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی۔ آپ کے سارے بیٹے تو مصر گئے ہوئے تھے، گھر میں بہو بیٹیاں یا پوتے پوتیاں تھیں۔ انہوں نے کہا باباجی! رہنے بھی دو آپ کو تو ہر وقت یوسف علیہ السلام کے خواب ہی آتے رہتے ہیں۔ جس خوشبو کا آپ ذکر کر رہے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ تو اس محبت اور وارفتگی کا کرشمہ ہے۔

جب قافلہ قریب پہنچا تو ایک قاصد بھیجنے کی تجویز ہوئی تاکہ آپ کو جلد از جلد خوشخبری سنائی جائے۔ چنانچہ یہودا نے کہا اس روز یوسف علیہ السلام کی قمیص خون سے لت پت کر کے میں ہی لے گیا تھا۔ اب یہ قمیص بھی مجھے دو کہ میں جاکر پہلے آپ کو یہ مژدۂ جانفزا سناؤں، شاید میری پہلی غلطی کی تلافی ہو جائے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ قمیص لے جانے والا شمعون تھا۔ الغرض ان میں سے ایک بھائی قمیص لیکر پہلے پہنچ گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مل جانے کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ان کی قمیص آپ کی آنکھوں پر رکھ دی۔ قمیص کے رکھنے کی دیر تھی کہ اس کی برکت سے آپ علیہ السلام کی بینائی واپس آگئی۔ **"فعاد بصیرًا ابعدما کان عمٰی"**۔

بعض ظاہر پرستوں کو یہاں بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ کہ کپڑے کی قمیص کو آخر بینائی کے ساتھ کیا تعلق! اگر یہ بات کسی روایت یا حدیث میں ہوتی تو بیک جنبشِ قلم اس حدیث کو غلط، ضعیف، موضوع وغیرہ کہہ کر جان چھڑا لیتے۔ لیکن یہ بات قرآن نے خود بیان کی ہے اس کو غلط کہیں تو کیونکر اس لئے یہاں تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ نابینا نہیں ہوگئے تھے۔ بلکہ محض ضعفِ بصر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا جب فرزند دلبند کی بازیابی کی خوشخبری سنی تو فرط مسرت سے خون میں جوش پیدا ہوا اور بینائی قوی ہوگئی۔ لیکن یہ حضرات **"فَارْتَدَّ بَصِيْرًا"** (آپ پھر بینا ہوگئے) کے قرآنی کلمات کا ترجمہ کیا کریں گے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ قمیص دوسری قمیصوں کی طرح کپڑے کی بنی ہوئی تھی۔ لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کو چھونے کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ جس خدا نے مختلف ادویہ میں حیرت انگیز

---

[1] (روح المعانی)

تاثیرات رکھ دی ہیں اس قادر مطلق کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اس نے اپنے بندے کی عزت افزائی کیلئے اس کی قمیص کو حضرت یعقوب کے بینا ہونے کا سبب بنا دیا ہو۔

فالظاھر ان عودہٗ بصیرًا بالقاء القمیص علیٰ وجھہٖ لیس الا من خرق العادۃ ولیس الخارق بدعاً فی ھٰذہ القصۃ۔

یعنی "ظاہر قرآن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بینا ہونا بطور خرق عادت تھا۔"[1]

جب سب آ گئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھا میرے ربّ نے مجھ پر کتنا کرم فرمایا۔ کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بچھڑا ہوا یوسف علیہ السلام ضرور ملائے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور ہم پھر اکٹھے ہونگے۔ من حیاۃ یوسف و ان اللہ یجمع بیننا۔[2]

حضرت یوسف علیہ السلام گم گشتہ کی بازیابی کی خبریں سن کر آپ نے بعینہٖ وہی لفظ کہے جو ہجر و فراق کے انتہائی دردناک لمحوں میں کہتے تھے: واعلم من اللہ مالا تعلمون یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا۔ صرف قبل از وقت افشاء راز کی اجازت نہ تھی۔[3]

بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

عن مجاھد امرہ جبرائیل ان یرسل الیہ قمیصہ وکان ذالک القمیص قمیص ابراھیم علیہ السلام وذالک انہ جرد ثیابہ والقی فی النار عریاناً۔ فاتاہ جبرائیل بقمیص من حریر الجنۃ فالبسہ ایاہ فکان ذلک عند ابراھیم علیہ السلام۔ فلما مات ورثہ اسحاق فلما مات ورثہ یعقوب فلما شبّ یوسف جعل یعقوب ذالک القمیص فی قصبۃ وشدّ راسھا وعلقھا فی عنقہٖ۔ لما کان یخاف علیہ من العین وکان لا یفارقہ۔ فلما القی فی البئر عریاناً جآءہ جبرئیل علیہ السلام وعلی یوسف علیہ السلام ذلک التعویذ۔ فاخرج القمیص منہ والبسہ ایاہ۔ ففی ھٰذا الوقت جاء جبرئیل علیہ السلام وقال ارسل ذالک القمیص۔

ترجمہ: "مجاہد نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو (منجانب اللہ) پیغام دیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا کرتہ بھیج دیں اور یہ کرتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص مبارک تھی۔ جب آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو کپڑے اتار لئے گئے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جنّت سے ریشمی کرتہ لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا۔ پھر یہ کرتہ آپ علیہ السلام کے پاس رہا۔ جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت اسحٰق علیہ السلام اس کے وارث بنے۔ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس کے وارث ہوئے اور جب حضرت یوسف علیہ

---

[1] (روح المعانی)
[2] (مظہری)
[3] (تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۴۵۷)

السلام جوان ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہ کرتہ ایک نلکی میں سربند کر کے بطور تعویذ حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا تاکہ آپ علیہ السلام نظر بد سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ ہر وقت وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں رہتا تھا۔ جب آپ کے کپڑے اتار کر کنویں میں ڈالا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تعویذ کھولا اور اس سے قمیص نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنادی۔ پھر اسی کرتہ کے متعلق جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ یہ قمیص اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیج دیں۔[1]

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ قمیص جنّتی تھی۔

اور اسی مظہری میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

قال الضحاک کان ذالک القمیص من نسیج الجنۃ۔

یعنی ضحاک نے کہا کہ وہ قمیص جنّت کے ریشم کی تھی۔[2]

تو معلوم ہوا کہ جنّتی قمیص ہونے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص ہونے کے سبب اور برکت سے بینائی واپس آئی۔

اس کا جواب علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

قلت و اذا ثبت بکشف المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان حسن یوسف و وجودہ کان من جنس الاشیاء الموجودۃ فی الجنہ فحینئذٍ لا حاجۃ الی ثبوت کون قمیصہ من نسیج الجنۃ و لا جل ذالک کان یعافی بہ المبتلی بل یکفی فی ذالک کون قمیص ملبوساً لیوسف فان وجود یوسف کان من جنس اشیاء الجنۃ و اللہ اعلم۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں حضرت مجدّد رضی اللہ تعالیٰ عنہکے کشف سے جب یہ امر ثابت ہو گیا۔ حسنِ یوسف دنیوی اشیاء سے نہ تھا بلکہ آپ کا حسن اور وجود جنت کی اشیاء کی جنس سے تھا تو اب کوئی ضرورت نہیں کہ ہم قمیص کو جنت سے آیا ہوا مانیں بلکہ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ قمیص حضرت یوسف علیہ السلام کا پہنا ہوا تھا اور وجودِ یوسف علیہ السلام خود جنّت کی چیزوں کی جنس سے تھا۔ **واللہ اعلم۔**[3]

---

[1] (مظھری، ج۵ ص ۱۹۸ اور تقریباً اس کے قریب قریب عبارات مندرجہ ذیل تفاسیر میں ہیں۔ تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۵۸، جمل ص ۴۸۰، جلالین ص ۱۹۸، صاوی علی الجلالین ج ۱ ص ۲۴۰)

[2] (تفسیر مظھری ج۵ ص ۱۹۸)

[3] (مظھری ج۵ ص ۱۹۹)

پھر یہ کہ قرآن حکیم نے اس کی اضافت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کی ہے: **اذهبوا بقميصى هٰذا**۔ یعنی یہ میری قمیص لے جاؤ۔ قمیص کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قمیص آپ کی تھی۔

اسی مقام پر علامہ قاضی صاحب فرماتے ہیں:

انی لاجد ریح یوسف فیه دلیل علیٰ ان ریح الجنة کان من یوسف نفسه لا من قمیص یوسف و لا یقال ریح قمیص یوسف۔

یعنی "**ریح یوسف**" فرمایا، اس میں دلیل ہے کہ جنت کی خوشبو حضرت یوسف علیہ السلام کے وجودِ مقدس کی خوشبو تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو نہ تھی۔ "ریح قمیص یوسف" نہیں فرمایا۔[1]

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص وجود یوسف کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینا ہونے کا سبب بنی۔

چنانچہ صاحب روح المعانی بھی یہی فرماتے ہیں:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِیْ: هو القمیص الذی کان علیه حینئذٍ کما هو الظاهر۔

ترجمہ: وہ قمیص وہی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود مقدس پر تھی اور یہی ظاہر ہے۔[2]

اسی روح المعانی میں ہے:

انه علیه السّلام اخذه فشمه ثم وضعه علیٰ بصره فارتدّ بصیرًا و الظاهر انه ارید بالوجه کله و قد جرت العادة انه متی وجد الانسان شیئًا یعتقد فیه البرکته مسح به وجهه۔

ترجمہ: جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو لے کر سونگھا پھر اسے اپنی آنکھوں پر رکھا تو بینائی لوٹ آئی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ وجہ سے تمام چہرہ مراد لیا گیا ہے۔ اور عادت جاری ہے کہ جب انسان ایسی چیز پائے جس کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ اس میں برکت ہے تو اسے اپنے چہرے پر ملتا ہے۔[3]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے بیان القران میں لکھا ہے: حضرت یعقوب علیہ السلام کا اس کرتے کے ڈالنے سے بینا ہو جانا بطور معجزہ تھا اور **قمیص علی الاصح** کوئی خاص نہ تھا یہی معمولی ملبوس تھا۔[4]

---

[1] (مظهری ج۵ ص ۱۹۹)
[2] (روح المعانی ج۱۳ ص ۵۲)
[3] (معارف القرآن، ج۵ ص ۱۳۴)
[4] (بیان القرآن ج ۱ ص ۴۹۴)

شاہ عبد القادر دہلوی فرماتے ہیں: ہر مرض کی اللہ تعالیٰ کے ہاں دوا ہے، آنکھیں گئیں تھیں ایک شخص کے فراق میں، اسی کے بدن کی چیز ملنے سے چنگی ہو گئیں، یہ کرامت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی۔ [1]

مسلک دیوبند مفتی محمد شفیع نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے: "اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور ان کا وجود جنت ہی کی ایک چیز تھی۔ اس لئے ان کے جسم سے متصل ہونے والے کرتے میں یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔" [2]

اس کے بعد کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں: "حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب بشارت دینے والا قمیصِ یوسف لے کر پہنچا تو یعقوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس کو کچھ انعام دیں مگر حالات ساز گار نہ تھے اس لئے عذر کیا کہ سات روز سے ہمارے گھر میں روٹی نہیں پکی۔ اس لئے مادی انعام تو نہیں دے سکتا مگر یہ دعاء دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم پر سکرات موت کو آسان کر دے۔" قرطبی نے فرمایا کہ یہ دعاء ان کیلئے بہتر انعام تھا"۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوش خبری دینے والے کو انعام دینا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر جب ان پر عتاب ہوا اور بعد میں توبہ قبول کی گئی تو جو شخص قبول توبہ کی بشارت لایا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا جوڑا کپڑوں کا اتار کر اسے پہنا دیا۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوشی کے موقع پر اظہار مسرت کے لئے دوستوں وغیرہ کو کھانے کی دعوت دینا بھی سنت ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب سورہ بقرہ پڑھ کر ختم کی تو خوشی میں اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا۔ [3]

اسی آیت کے تحت ابو الاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے:

اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے چلا ہے اور ادھر سیکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب علیہ السلام اس کی مہک کو پا لیتے ہیں۔ [4]

---

[1] (موضح القرآن ج ۱ ص ۳۲۲)
[2] (معارف القرآن، ج۵ ص ۱۴۲)
[3] (معارف القرآن ج۵ ص ۱۳۴)
[4] (تفہیم القرآن ج۲ ص ۴۲۸)

پیراہن یوسف علیہ السلام میں جنت کی خوشبو

پیراہن یوسف علیہ السلام کے متعلق علّامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اَمَّا قَوْلُهُ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِیْ هٰذَا فَاِنَّ نَمْرُوْد الْجَبَّار لَمَّا اَلْقیٰ اِبْرَاهِيْمَ فِیْ النَّارِ نَزَّلَ اللهُ جِبْرَئِيْلَ بِقَمِيْصٍ مِّنَ الْجَنَّةِ وَ طَنْفَسَةٍ مِّنَ الْجَنَّةِ فَاَلْبَسَهُ الْقَمِيْصَ وَ اَقْعَدَهُ عَلٰى الطَّنْفَسَةِ وَ قَعَدَ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ فَكَسَا اِبْرَاهِيْمُ ذَالِکَ الْقَمِيْصَ اِسْحَاقَ فَكَسَاهُ اِسْحَاقُ يَعْقُوْبَ وَ كَسَاهُ يَعْقُوْبُ يُوْسُفَ فَجَعَلَهُ فِیْ قصبة مِنْ فِضَّةٍ وَ عَلَقَهَا اَیْ لِلْحِفْظِ مِنَ الْعَيْنِ وَ غَيْرِهَا۔ وَ فِیْ التِّبْيَانِ مخافة مِنْ اِخْوَتِهٖ عَلَيْهِ فَاُلْقِیَ فِی الْحُبِّ وَ الْقَمِيْصُ فِیْ عُنُقِهٖ وَ كَانَ فِيْهِ رِيْحُ الْجَنَّةِ لَا يَقَعُ عَلٰى مُبْتَلیٰ اَوْ سَقِيْمٍ اِلَّا صَحَّ وَ عَوْفِیْ۔۔ الخ وَ مِنْ هٰذَا السِّرِ اَرْبَابُ الْقُلُوْبِ مِنَ الْمَشَائِخِ يَلْبِسُوْنَ الْمُرِيْدِيْنَ خِرَقَهُمْ اِلٰى اَرْوَاحِ الْمُرِيْدِيْنَ فَيُذْهَبُ عَنْهُمُ الْعُمْیُ الَّذِیْ حَصَلَ مِنْ حُبِّ الدُّنْيَا وَ التَّصَرُّفُ فِيْهَا۔

ترجمہ: نمرود جابر و ظالم نے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام کو جنّت سے ایک قمیص اور ایک قالین دے کر بھیجا تو حضرت جبرائیل نے حضرت ابرہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو وہ قمیص پہنادی اور دونوں قالین پر بیٹھ کر محو گفتگو رہے۔ کہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت اسحٰق علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنادی۔ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام کو اور حضرت یعقوب نے حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک چاندی کی تختی میں نظر بد اور آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے پہنادی۔ صاحب تبیان نے لکھاہے کہ بھائیوں کے خوف سے یہ قمیص پہنائی تو جب بھائیوں نے ان کو کنوئیں میں ڈالا تو کرتہ انکے گلے میں تھا۔ اور اس میں جنّت کی خوشبو تھی۔ کسی بیار یا مصیبت زدہ شخص پر ڈالا جاتا تو فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ اہل دل مشائخ نے اسی کو اپنے مریدین کے لئے خرقہ خلافت اور دستار بندی کی اصل اور مآخذ ٹھرایا تاکہ انکی برکتیں اس طریقہ سے ان کے مریدین کو حاصل ہوں۔ جس سے ان کی دنیاوی کدورتیں اور حُبِّ مال دور ہوں۔[1]

خرقہ خلافت کو وہابی عبث اور بدعت اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔

اس کے رد میں صاحبِ روح البیان نے لکھاہے:

يقول الفقير هذا من سنة المشائخ قدس الله اسرارهم فانهم لبسوا الخرقه و البسوها تبركاً و تيمناً و هم قد فعلوا ذٰلک بالهام من الله تعالىٰ و اشارة فليس لاحد ان يدعى انه من الزيادات و القبيحة۔

---

[1] (تفسیر روح البیان ج۴ص ۳۱۴-۳۱۵)

ترجمہ: فقیر کہتا ہے کہ یہ مشائخ قدست اسرارہم کا طریقہ ہے کہ وہ خرقہ پہنتے اور پہناتے تھے۔ اس سے تبرک و تیمّن مطلوب ہوتی ہے اور انہیں منجانب اللہ الہام ہوتا ہے۔ اس پر کسی کو لائق نہیں کہ وہ اسے بدعت قبیحہ یا زیادۃ فی الدین سے تعبیر کرے۔[1]

وہابی کُش حکایت:

صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ:

وزرت في بلدة قونية مرقد حضرة الشيخ صدر الدين قدس سره وله في حجرة الكتب خرقة لطيفة محفوظة يقال إنها من البسة الجنة وغسلت طرفاً من ذيلها في طست له يستشفى بمائة وشربت على نية زوال الأمراض الظاهرة والباطنة والحمد۔

میں نے بلدہ قونیہ میں حضرت الشیخ صدرالدین قدس سرہ کے مزار اقدس کے قریب کتب خانے کے حجرے میں ایک مبارک کپڑے کی زیارت کی ہے۔ جسے نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ صاحب مزار کو اللہ تعالیٰ نے بہشت سے پوشاک بھجوائی تھی اس کپڑے مبارک کو پانی کے ایک تھال میں دھو کر مریضوں کو پلایا جاتا ہے۔ میں نے بھی اس مبارک پانی کو اس نیت سے پی لیا کہ میری ظاہری باطنی بیماریاں دور ہو جائیں۔ والحمدللہ علی ذالک۔[2]

تیسری دلیل از قرآن

سُبۡحَانَ الَّذِي أَسۡرَى بِعَبۡدِهِ لَيۡلًا مِنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ إِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡأَقۡصَى الَّذِي بَارَكۡنَا حَوۡلَهُ لِنُرِيَهُ مِنۡ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الۡبَصِيرُ (الإسراء ۱)

ترجمہ: وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سفر معراج کے ضمن میں مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر فرمایا تو مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ اس کی وجہ فضیلت بھی بتائی کہ اس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں۔ ائمہ تفسیر نے بابرکت ماحول کی وجہ بیت المقدس کے ارد گرد پھلدار درخت اور جاری نہروں کے علاوہ زمانہ موسوی سے اس مسجد کو مہبطِ وحی اور مسکن انبیاء علیہم السلام کے طور پر بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سر زمین میں موجود ہیں۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج۴، ص ۳۱۵، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[2] (فیوض الرحمان اردو ترجمہ روح البیان، پ۱۳، ص ۱۰۹)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قیل بالثّمار وبمجاری الانھار وقیل بمن دفن حولہ من الانبیاء والصالحین۔

یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ارد گرد کو پھلوں اور نہروں کی وجہ سے بابرکت بنایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ارد گرد انبیاء علیہم السلام اور صالحین دفن ہیں اس وجہ سے یہ بابرکت ہے۔[1]

اہل ظواہر کا قاضی شوکانی لکھتا ہے:

بالثّمار والانھار والأنبیاء والصالحین فقد بارکاللہ سبحانہ حول المسجد الاقصی ببرکات الدّنیا والآخرۃ۔

یعنی پھلوں، نہروں، انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی وجہ سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کے ماحول کو دنیا و آخرت کی برکتوں سے مالامال فرمایا۔[2]

آیتِ کریمہ کی مذکورہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ ائمہ تفسیر نے مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کے ماحول کو درج ذیل وجوہات کی بناپر بابرکت قرار دیا ہے:

۱) پھلدار درختوں اور نہروں کا پایا جانا۔

۲) مسکنِ انبیاء علیہم السلام اور مسجد اقصیٰ کا کثیر انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہونا۔

۳) مسجد اقصیٰ کے ارد گرد مزاراتِ انبیاء علیہم السلام کی موجودگی۔

علامہ قرطبی اور قاضی شوکانی کے قول کے مطابق بابرکت ہونے کی بڑی وجہ مزاراتِ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ یہی درست بات ہے کیونکہ لذیذ پھلوں اور خوش ذائقہ پانی کی نہروں کا وجود بھی انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کے باعث ہے۔

نصِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام و صالحین رحمہم اللہ کی وجہ سے کسی جگہ کا بابرکت ہونا اور لوگوں کا تبرکاً اس مقدس مقام کی زیارت کے لئے جانا نہ صرف جائز بلکہ امر مستحسن ہے۔ پس حضور تاجدارِ کائنات سیدنا محمد مصطفی ﷺ کا مدفن ہونے کا اعزاز جس خطۂ زمین کو نصیب ہوا وہ پوری کائنات سے بڑھ کر بابرکت و باسعادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک جمہورِ اُمّت روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کو دنیا ومافیھا سے بڑھ کر عزیز سمجھتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کی وجہ سے مسجدِ اقصیٰ کا ارد گرد بابرکت ہونے کی مزید تائید حضرت مجاہد کے اس قول سے ہوتی ہے:

سماہ مبارکاً لأنہ مقر الأنبیاء ومھبط الملائکۃ والوحی۔

---

[1] (قرطبی، الجامع الاحکام القرآن ج ۱۰، ص ۲۱۲)

[2] (شوکانی، فتح القدیر، ج۳ ص ۲۰۶)

"مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کو بابرکت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی قرار گاہ اور نزولِ ملائکہ و وحی کا مقام ہے۔"[1]

اس امر میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ نصِ قرآنی کے مطابق بیت المقدس کا گرد و نواح بابرکت ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ بابرکت کیوں ہے؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر نے جو بھی وجہ بیان کی اس میں نمایاں چیز نسبتِ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اگر وہاں نزولِ ملائکہ ہے تو وہ بھی نبیوں کی وجہ سے ہے۔ اگر مزاراتِ انبیاء و صالحین ہیں تو ان کی نسبت بھی ان سے ہے حتیٰ کہ اگر عبادت گاہ مبارک ہے تو وہ بھی نبیوں کی نسبت کی وجہ سے ہے۔

امام نسفی لکھتے ہیں:

یرید برکات الدین و الدنیا لانہ متعبد الانبیاء علیہم السلام و مہبط الوحی۔

ترجمہ: اس سے مراد دین و دنیا کی برکتیں ہیں اس لئے مسجد اقصیٰ انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ اور مقامِ نزول وحی الٰہی ہے۔[2]

چوتھی دلیل از قرآن

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا (الأعراف ۱۳۷)

ترجمہ: اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ (الأنبياء ۷۱)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم ں کو اور لوط ں کو (جو آپ کے بھتیجے یعنی آپ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) بچا کر (عراق سے) اس سرزمین (شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہاں والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

خطۂ شام کو سرزمینِ انبیاء و صالحین کہا جاتا ہے۔ ائمہ تفسیر نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں جس خطہ زمین کو برکت سے نوازنے کا بیان ہے وہ شام ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

و حقّت أن تکون کذلک فھی مبعث الأنبیاء صلاۃ اللہ علیھم و مھبط الوحی۔

---

[1] (بغوی، معالم التنزیل ج۳ ص ۹۲، ثناء اللہ، تفسیر المظھری ج۵ ص ۳۹۹، ابن جوزی، زاد المسیر ۵:۵)

[2] (نسفی، مدارک التنزیل و حقائق التاویل ۲:۲۷۸، آلوسی، روح المعانی ۱۵:۱۱، زمخشری، الکشاف ۲:۲۰۶)

ترجمہ: اور درست بات یہ ہے کہ ایسا ہی ہے کیونکہ یہ سرزمین انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور نزول وحی کا خطہ ہے۔[1]

زمخشری نے لکھا ہے:

وبركاته الواصلة الى العالمين أنّ أكثر الأنبياء عليهم السلام بعثوا فيه فانتشرت فى العالمين شرائعهم و آثارهم الدينية وهى البركات الحقيقة۔[2]

امام نسفی نے لکھا ہے:

أى أرض الشام بركتها أن اكثر الأنبياء منها فانتشرت فى العالمين آثارهم الدينية۔

ترجمہ: یعنی سرزمینِ شام کی طرف اور اس سرزمین کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یہاں ہوئی اور پھر ان کے دینی آثار دنیا میں پھیلے۔[3]

خطۂ شام کے مبارک ہونے کی ایک وجہ مفسرین نے یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ خطہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مرکز رہا ہے۔ لہٰذا ان کے مبارک قدموں کی وجہ سے یہ خطہ زمین برکت والا ہو گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی شام کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں انبیاء و صالحین کی سرزمین ہے اس لئے مبارک ہے۔

حضرت ابنِ حوالہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سَيَصِيْرُ الْأَمرُ اِلَى أَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً۔ جُنْدٌ بِالشَّامِ وَ جُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَ جُنْدٌ بِالْعِرَاقِ۔ قَالَ ابْنُ حَوَالَةَ: خِرْلِیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِکَ، فَقَالَ: عَلَيْکَ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا خِيْرَةُ اللهِ مِنْ أَرْضِهٖ يَجْتَبِي اِلَيْهَا خِيْرَتَهُ مِنْ عِبَادِهٖ فَأَمَّا اِذْ اَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمِيْنِكُمْ وَ اسْقُوْا مِنْ غُدُرِكُمْ فَاِنَّ اللهَ تَوَكَّلَ لِیْ بِالشَّامِ وَ أَهْلِهٖ۔

یعنی ”عنقریب ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب تمہارے لشکر الگ الگ ہو جائیں گے۔ ایک لشکر شام میں ہو گا تو ایک یمن میں اور ایک عراق میں۔ ابن حوالہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اگر میں اس وقت کو پاؤں تو فرمایئے کس لشکر میں جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سرزمینِ شام کو (سکونت کے لئے) اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قطعہ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا۔ اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو پھر یمن کو اختیار کر اور اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ملک شام کی اور اہل شام کی کفالت فرمائی ہے۔“[4]

---

[1] (رازی، التفسیر الکبیر، ۱۵۷:۲۴)

[2] (زمخشری، تفسیر الکشاف ۱۲۷:۳)

[3] (نسفی، مدارک التنزیل و حقائق التاویل ۸۶:۳)

[4] (أبو داؤد السنن، کتاب الجهاد باب فی سکنی الشام، ۴:۳، رقم: ۲۴۸۳)

فضیلتِ شام کے بارے میں کتبِ احادیث میں متعدد احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔ فضیلتِ شام کے حوالہ سے متذکرہ بالا نصِ قرآنی حدیثِ مبارکہ اور ائمہ تفسیر کی آراء سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ ربّ العزت نے خود ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے مقامِ ہجرت ملکِ شام کو بابرکت بنایا اور پھر امت کو فتنوں کے دور میں اس مبارک سرزمین میں حسبِ استطاعت تبرکاً سکونت اختیار کرنے کی ترغیب بھی فرمائی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ زمین تو ساری اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی پوری دنیا کا خالق ومالک حقیقی ہے، پھر اس قادر وقیوم ذاتِ وحدہ لاشریک نے زمین کے ایک ٹکڑے کو مبارک کیوں قرار دیا۔ اس سے یہی بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق کوئی مقام یا ہستی مبارک ہو اور اگر ایک بندہ مؤمن خالق کائنات کی طرف سے عطا کردہ برکت کی وجہ سے اس سے تبرک اختیار کرے تو یہ صحیح اور درست امر ہے، اسے خلافِ شرع اور منافیِ توحید قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پانچویں دلیل از قرآن

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي (طٰہ ۹٦)

ترجمہ: "(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا اے سامری اس (فتنہ انگیزی) سے تیری کیا غرض تھی۔ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز کو جو لوگوں نے نہ دیکھی۔ پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشانِ قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میرے نفس نے یہ بات۔"

جسٹس شریعت کورٹ حضرت پیر کرم شاہ صاحب سجادہ نشین بھیرہ شریف اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تمام قدیم مفسرین اس آیت کی توضیح پر متفق ہیں کہ سامری نے عرض کی کہ میں نے ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گھوڑی پر سوار ہیں۔ وہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اس گھوڑی کی خاک قدم میں حیات بخش اثر ہے، میں نے وہاں سے ایک مٹھی بھری اور حفاظت سے اپنے پاس رکھ لی۔ اب جب آپ علیہ السلام طُور پر گئے اور آپ علیہ السلام کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو مجھے یہ سوجھی کہ زیورات کو گلا کر ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنایا اور اس میں یہ مٹی ڈال دی جس سے اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہوگئے اور اس سے آواز نکلنے لگی۔[1]

تفسیر جلالین میں ہے:

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ اَثَرِ حَافِرِ فرس الرسول جبرئیل۔

---

[1] (تفسیر ضیاءالقرآن، ج ۲ ص ۱۳۲)

ترجمہ: میں نے مٹھی بھر خاک جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان قدم سے لے لی۔[1]

تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے:

من اثر الرسول ای وعرفه بسابق الالفة فلما جاء جبرئیل لیطلب موسیٰ الی المیقات لاخذ التوراة کان راکباعلی فرس کلما وضعت حافرها علیٰ شیء اخضر فعرف السامری ان للتراب الذی تضع الفرس حافرها علیه شانا۔

ترجمہ: سامری سابقہ معرفت کی بنا پر پہچانتا تھا۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میقات پر توریت لینے کیلئے بلانے آئے تھے تو وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا گھوڑا جہاں قدم رکھتا تھا وہ چیز سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس وقت سامری سمجھ گیا کہ یہ خاک جہاں جبرائیل علیہ السلام کا گھوڑا قدم رکھتا ہے خاص اثر رکھتی ہے۔[2]

اس کی مثل عبارت تفسیر جمل ج۳ص۱۰۹ میں ہے۔

بیہقی وقت علامہ قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

من اثر الرسول ای من اثر فرس جبرئیل علیه السّلام فنبذتها ای القیتها فی فم عجل وقال بعضهم انما خاد لکون التراب ماخوذًا من حافر فرس جبرئیل۔[3]

علامہ محقق اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ) کے تحت لکھتے ہیں:

وَقَدْ کَانَ رَأیٰ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ جَآءَ رَاکِبُ فرس وَکَانَ کُلَّمَا وَضَعَ الْفَرَسُ یَدَیْهِ اَوْ رِجْلَیْهِ عَلَی الطَّرِیْقِ الیبس یَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهِ النَّبَاتُ فِیْ الْحَالِ فَعَرَفَ اِنَّ لَهٗ شَأْنًا فَاَخَذَ مِنْ موطئه حُفْنَة۔ وَفِیْ الْکَبِیْرِ رآہ یوم فَلَقَ الْبَحْرَ حِیْنَ تَقَدَّمَ خَیْلَ فِرْعَوْنَ رَاکِبًا عَلٰی رمکة وَدَخَلَ الْبَحْرَ۔ وفی غیرہ حِیْنَ ذَهَبَ بِهٖ اِلَی الطُّوْرِ۔ وَفِیْ جَلَالَیْنِ قَالَ مُوْسٰی وَمَا ذَالِکَ قَالَ رَأَیْتُ جِبْرِیْلَ عَلٰی فَرَسِ الْحَیَاةِ فَاُلْقِیَ فِیْ نَفْسِیْ اَنْ اَقْبِضَ مِنْ اَثَرِهَا فَمَا اَلْقَیْتُهٗ عَلٰی شَیْئِیٍ اِلَّا صَارَلَهٗ رُوْحٌ وَلَحْمٌ وَدَمٌ فَحِیْنَ رَأَیْتُ قَوْمَکَ سَأَلُوْکَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ اِلٰهًا زَیَّنَتْ لِیْ نَفْسِیْ ذَالِکَ فَذَالِکَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی (فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ) اَیْ تُرْبَةُ مُوْطِئِ فرس الملک الذی اَرْسَلَ اِلَیْکَ وَ الْمُرَادُ فَرْسُ الْحَیَاةِ لِجِبْرِیْلَ وَلَمْ یَقُلْ جِبْرَیْلَ اَوْ رُوْحُ الْقُدُسَ لِاَنَّهٗ لَمْ یَعْرِفُ اَنَّهٗ جِبْرِیْلَ وَ الْقَبْضَةَ المرة مِنَ الْقَبْضِ وَهُوَ الْاَخذ بِجَمِیْعِ الْکَفِّ اطلقتِ علی الْمَقْبُوْض مرةً (فَنَبَذْتُهَا) اَلنَّبْذُ القاء الشَّیِیئَ وَطَرَحَهٗ لِقِلَّةِ الْاَعْتِدَادِ به اَیْ طَرَحْتُهَا فی الْحُلِی ای المذابَةُ اوفِیْ فَمِّ الْعِجلِ فکَانَ مَا کَانَ۔ وَفِی الْعَرَائِسِ قَبض السَّامِرِی مِنْ اثر فرسهٖ قبضة لِاَنَّهٗ سَمِعَ مِنْ مُّوْسی تَأْثِیْرُ الْقُدْسِیِّیْنَ فِیْ اِشْبَاحِ الاکوان فنثرها عَلَی العِجلِ الذهبی فَجَعَلَ الحق لَهَا اَکْسِیْرًا مِن نور فعلِهٖ وَلذاحیی۔

---

[1] (جلالین ج ۱ ص ۲٦٦)

[2] (الصاوی علی الجلالین ج۳ص ٦۳، مطبوعه دار الفکر، ج ۲ ص ۸٦ مکتبه غوثیه، ج۴)

[3] (مظهری ج٦ ص ۱٦۰)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے ارشاد (بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ) کے تحت لکھتے ہیں کہ سامری نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام جس سواری پر سوار ہیں وہ جہاں قدم رکھتی ہے تو وہاں سوکھی گھاس سبز ہو جاتی ہے۔ اس سے میں نے سمجھا کہ اس کی کوئی تاثیر ضرور ہوگی۔ اس لئے اس کے قدموں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ تفسیر الکبیر میں ہے کہ سامری نے اس وقت دیکھا جب موسیٰ علیہ السلام دریا کو عبور کر گئے۔ اس کے بعد فرعون کی باری تھی تو فرعون کے گھوڑے کے آگے جبرئیل علیہ السلام گھوڑی لائے اور دریا میں داخل ہو گئے (اس کے جانے سے فرعون کا گھوڑا فرعون کے قابو میں نہ رہا اور وہ دریا میں کودا۔ اس سے فرعون اور اس کی تمام قوم ڈوب کر مر گئی)۔ دوسری تفسیر میں ہے کہ سامری نے یہ کیفیت دیکھی جب جبرئیل علیہ السلام، موسی علیہ السلام کو کوہ طور کی جانب لے گئے اور جلالین شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو فرس الحیاۃ پر دیکھا تو میرے دل میں خیال گزرا کہ میں اس کے پاؤں سے مٹی کی مٹھی اٹھالوں۔ چنانچہ میں نے جب بھی اس مٹھی میں سے کچھ مٹی کو جس شے پر بھی ڈالا تو اس پر گوشت پیدا ہو گیا اور اس کو روح مل گئی۔ میں نے جب بنی اسرائیل کو دیکھا کہ وہ آپ سے معبود بنانے کی استدعا کر چکے ہیں تو میں نے آپ کی عدم موجودگی میں ان کے لئے بچھڑا تیار کر کے ان کو پرستش کی دعوت دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے: فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ تو میں نے رسول کے قدموں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی۔ یعنی اس فرشتے کی گھوڑی کے قدموں کے نیچے سے جو آپ کے پاس پیغامِ الٰہی لاتا ہے اس سے فرس الحیاۃ مراد ہے جو جبرئیل علیہ السلام کی سواری کے لئے دی گئی تھی۔ اور یہاں نہ جبرئیل کہا اور نہ روح القدس، اس لئے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام سے متعارف نہ تھا۔ قبضۃ ایک بار مٹھی بھر لینا بمعنی کسی شے کی ایک بار مٹھی بھرنا کبھی قبضۃ بمعنی مقبوض بھی ہوتا ہے۔ فنبذتہا: النبذ بمعنے کسی شے کو غیر معتبر سمجھ کر نیچے پھینکنا۔ میں نے اس مٹی کو پگھلے ہوئے زیورات یا بناوٹی بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر یوں ہی ہو گیا جیسا کہ آپ اب دیکھ رہے ہیں۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے کہ سامری نے جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی مٹھی بھر لی تھی۔ کیونکہ اس نے حضرت موسی علیہ السلام سے سنا تھا کہ فرشتوں (قدسیوں) کی تاثیر دنیا کی چیزوں میں عجیب زندگی پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا سامری نے سونے کے بچھڑے میں وہی مٹی ڈال دی۔ چنانچہ اس نورانی فعل سے اللہ تعالیٰ نے اکثیر کا اثر پیدا فرمایا جس سے بچھڑا زندہ ہو گیا۔[1]

”اس آیت کے تحت مولوی شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے: ”سامری نے کہا مجھ کو ایک ایسی چیز دکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ یہ شاید اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل

---

[1] (روح البیان ج۵ ص ۴۲۱-۴۲۰)

دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا اس حالت میں جبرائیل علیہ السلام دونوں جماعتوں کے درمیان ہو گئے تاکہ ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دیں۔

بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی وہی اب سونے کے بچھڑے میں ڈال دی کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاکِ پا میں یقیناً کوئی تاثیر ہو گی۔"[1]

مسلک دیوبند کے مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے:"پھر جب بنی اسرائیل کے جمع کئے زیورات سے اس نے بچھڑے کی ہیئت بنالی تو اپنے گمان کے مطابق کہ اس مٹی میں آثار حیات ہیں جس چیز میں ڈالی جائیگی اس میں زندگی پیدا ہو جائیگی۔ اس نے یہ مٹی بچھڑے کے اندر ڈالدی بقدرت خداوندی اس میں حیات کے اثرات ہو گئے اور بولنے لگا۔"[2]

رہا یہ سوال کہ یہ عجیب و غریب معاملہ ایک باطل پرست کے ہاتھ کس طرح ظہور پذیر ہو سکتا ہے، اس کے متعلق سب سے بہتر جواب شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعبیر ہے کہ جب ایک باطل کو دوسرے حق کے ساتھ ملایا جائے تو اس امتزاج سے ایک کرشمہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس ترکیب کا خاصہ اور اس کا حقیقی مزاج کہلاتا ہے۔

چھٹی دلیل از قرآن

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (٩٦) فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ (آل عمران ۹۷)

ترجمہ:"بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکّہ میں ہے، بڑا برکت والا ہدایت کا سرچشمہ ہے سب جہانوں کے لئے اس میں روشن نشانیاں ہیں۔"

آیت کریمہ میں جن روشن نشانیوں کا بیان فرمایا گیا ہے، ان میں ایک روشن نشانی وہ مقدس پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر معمار حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی دیواریں چنیں اور اس پتھر پر آپ علیہ السلام کے نقوشِ پا ثبت ہیں۔ اسے مقامِ ابراہیم بھی کہتے ہیں۔

امام ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں اس آیت کی تشریح میں برکت اور تبرک کے تصوّر کو یوں واضح کیا ہے:

وقوله مباركاً يعنى أنه ثابت الخير والبركة، لان البركة هي ثبوت الخير ونموه وتزيده والبرك هو الثبوت يقال برك بركاً وبروكاً اذ ثبت على حاله۔

---

[1](حاشیۃ القرآن ج ۱ ص ۵۵۱)

[2](معارف القرآن ص ۱۴۴)

ترجمہ:"اور اللہ عزوجل کا مبارکاً فرمانا اس معنی میں ہے کہ وہ گھر خیر و برکت والا ہے، کیونکہ کسی چیز میں خیر و بھلائی کا پایا جانا اور اس کی نشو و نما اور اس میں اضافہ ہو جانے کا نام برکت ہے۔ برکت سے مراد جم کر بیٹھنا ہے برک، برکاً اور بروکاً اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اپنی جگہ جم کر بیٹھے۔"[1]

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اتَّخِذُوا مِنۡ مَقَامِ إِبۡرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرة ۱۲۵)

یعنی ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز بناؤ۔

تفسیر مظہری میں لکھا ہے:

ولاھل الاعتبار ھٰھنا استنباط وھو ان فی کل مکان مکث فیہ رجل من اھل اللہ تعالیٰ حینا من الدھر ینزل ھناک برکات من السماء وسکینۃ تجذب القلوب الی اللہ تعالیٰ ویتضاعف ھناک اجر الحسنات وکذا وزر السیئات واللہ اعلم۔[2]

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت خلیل علیہ السلام کے پاؤں سے چھو جانے کا شرف حاصل ہوا وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ امت مصطفوی ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ اسے اپنی جائے نماز بنالیں۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلۡفَضِيۡلَةُ الثَّانِيَةُ بِهٰذَا الۡبَيۡتِ مَقَامُ اِبۡرَاهِيۡمَ وَهُوَ الۡحَجَرُ الَّذِیۡ وَضَعَ اِبۡرَاهِيۡمُ قَدَمَهُ علیہ فجعل اللہ ما تحت قدم ابراھیم عَلَيۡهِ السَّلَامُ مِنۡ ذَالِکَ الۡحَجَرِ۔ دُوۡنَ سَائِرِ اَجۡزَئِهِ کَالطِّيۡنِ حَتّٰى غَاصَ فِيۡهِ قَدَمُ اِبۡرَاهِيۡمَ عَلَيۡهِ السلام، وھذا مما لا یقدر علیہ الا اللہُ وَلَا يُظۡهِرُ اِلَّا عَلَى الۡاَنۡبِيَآئِ ثُمَّ لَمَّا رَفَعَ اِبۡرَاهِيۡمُ عَلَيۡهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَدَمَهُ عَنۡهُ خَلَقَ فِيۡهِ الصَّلَابَةُ الۡحَجَرِيَّةَ مَرَّةً اُخۡرٰى ثُمَّ اَنَّهُ تَعَالٰى اَبۡقٰى ذَالِکَ الۡحَجَرَ عَلٰى سَبِيۡلِ الۡاِسۡتِمۡرَارِ وَالدَّوَامِ فَهٰذِهٖ اَنۡوَاعٌ مِنَ الۡاٰيَاتِ الۡعَجِيۡبَةِ وَالۡمُعۡجِزَاتِ الۡبَاهِرَةِ اَظۡهَرَهَا اللہُ تَعَالٰى فِیۡ ذَالِکَ الۡحَجَرِ۔

ترجمہ: کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ اور یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں دھنس گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ اور معجزاتِ انبیاء میں سے ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ

---

1 (جصاص احکام القرآن ج ۲ ص ۳۰۳)

2 (تفسیر مظہری، ج ۱ ص ۱۲۸)

تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر جیسی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشانِ قدم محفوظ رہ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لئے باقی رکھا تو یہ انواع واقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے ہیں۔ [1]

اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ آپ پتھر پر اپنا قدم مبارک رکھتے تو وہ پتھر آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے آکر نرم ہو جاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّهُ ﷺ اِذَا مَشٰى عَلَى الصَّخْرَةِ غَاصَتْ قَدَمَاهُ فِيْهِ۔

ترجمہ: "جب رسول اللہ ﷺ پتھر کی چٹان پر چلتے تو آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کے نشان ان پر لگ جاتے تھے۔" یعنی دھنس جاتے تھے۔ [2]

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں:

اِنَّهُ ﷺ كَانَ فِيْ بَعْضِ الْاَحْيَانِ اِذَا مَشٰى غَاصَ قَدَمُهُ فِي الْحِجَارَةِ بِحَيْثُ بَقِيَ ذَالِكَ اِلَى الْاٰنَ وَارْتَسَمَ فِيْهَا مِثَالُهُ بِعَيْنِهٖ وَالنَّاسُ يَتَبَرَّكُ بِهٖ وَتَزَرُوْهُ وَتَعْظِيْمُهُ كَمَا فِي الْقُدْسِ وَنَقَلَ مِنْهُ فِيْ مِصْرٍ فِيْ اَمَاكِنَ مُتَعَدِّدَةٍ حَتّٰى قِيْلَ اِنَّ السُّلْطَانَ قَاتْبِيَانِيْ اِشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ اَلْفِ دِيْنَارٍ وَاَوْصٰى بِجَعْلِهٖ عِنْدَ قَبْرِيْ وَهُوَ مَوْجُوْدٌ اِلَى الْاٰنَ۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب کبھی ننگے پاؤں پتھر پر چلتے تو پتھر آپ کے مبارک قدموں کے نیچے نرم ہو جاتے اور ان میں بعینہٖ نشانِ قدم پڑ جاتا۔ چنانچہ ان پتھروں کو تبرکاً محفوظ کر لیا گیا جو اب بھی موجود ہیں۔ بیت المقدس اور مصر میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں اور لوگ ان کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سلطان قاتبیانی نے بیس ہزار دینار سے ایک پتھر خریدا تھا اور وصیّت کی تھی کہ اسے میری قبر کے پاس نصب کیا جائے۔ چنانچہ وصیّت کے مطابق وہ اب بھی وہاں موجود ہے۔

حدیثِ مبارکہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان حضور نبی اکرم علیہ السلام کے نشانِ قدوم سے گہری مماثلت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس متبرک و مقدس پتھر پر یہ نشان دیکھ کر قریشِ مکّہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا یہ قدموں کے نشان محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے ہیں؟ اس بات کی تصدیق ہونے پر وہ اس سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب آپ ﷺ نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن یہودیوں کے بعض علماء نے مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر کچھ ایسی نشانیاں دیکھیں کہ وہ لوگ ان سے برکت حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ ان کو کتب سماویہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔

---

1 (تفسیر کبیر ج۸، ص۱۵۵)

2 (زرقانی ج۴، ص۱۹۷، بیہقی)

ساتویں دلیل از قرآن

وَ جَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً۔ (سبا:۱۸)

ترجمہ: اور ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی، (یمن سے شام تک) نمایاں (اور) متصل بستیاں آباد کر دی تھیں۔

آٹھویں دلیل از قرآن

یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ۔ (النور:۳۵)

یعنی "روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا۔"

مبارک درخت

قرآن مجید میں مبارک درخت سے مراد "زیتون" کا درخت ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد یہ سب سے پہلا درخت ہے جو زمین پر اگا اور سب سے پہلے جہاں اگا وہ کوہ طور ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلام ہوئے۔ زیتون کے درخت کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض عالموں نے فرمایا ہے کہ تین ہزار برس تک یہ درخت باقی رہتا ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زیتون میں بہت سے فوائد اور منفعتیں ہیں۔ اس کے تیل سے چراغ جلایا جاتا ہے اور یہ بطور سالن کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی سر اور بدن پر مالش بھی کرتے ہیں اور یہ چمڑے کی دباغت میں بھی کام آتا ہے اور اس سے آگ بھی جلاتے ہیں اور اس کا کوئی جزو بھی بیکار نہیں۔ یہاں تک کہ اس کی راکھ سے ریشم دھو کر صاف کیا جاتا ہے اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مکانوں اور مقدس زمین میں اگتا ہے اور اس کے لئے ستر انبیاء نے برکت کی دعا مانگی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی مقدس دعاؤں سے بھی یہ درخت سرفراز ہوا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک درخت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ۔ (المؤمنون: ۱)

"اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن"۔[3]

---

[1] (صاوی ج۳ص۹۵)

[2] (صاوی ج۳ص۱۱۵)

[3] (عجائب القرآن مع غرائب القرآن ص ۲۵۰-۲۴۹)

(۱۵) باب نمبر پندرہ: قرآن عظیم الشان کو تبرکاً چومنے کے بارے میں ثبوت احادیث اوراقوال علماء سے

أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ : أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ كَانَ يَضَعُ الْمُصْحَفَ عَلَى وَجْهِهِ وَيَقُولُ: كِتَابُ رَبِّي كِتَابُ رَبِّي۔

سیدناعکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو اپنے چہرے پر رکھ کر کہا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب، میرے رب کی کتاب۔[1]

و الحديث ذكر الحاكم في المستدرك على الصحيحين۔

اور حاکم نے مستدرک میں اس حدیث مبارکہ کا ذکر فرمایا ہے۔[2]

عكرمة بن أبي جهل عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم أبو عثمان القرشي المخزومي، كان من سادات الجاهلية كأبيه، ثم أسلم عام الفتح بعد ما فر، ثم رجع إلى الحق. و استعمله الصديق على عمان حين ارتدوا فظفر بهم كما تقدم. ثم قدم الشام و كان أميرا على بعض الكراديس، ويقال: إنه لا يعرف له ذنب بعدما أسلم. و كان يقبل المصحف ويبكي ويقول: كلام ربي كلام ربي. و احتج به أحمد بن حنبل فى تقبيل المصحف. (عكرمة) عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم بن يقظة بن مرة ابن كعب بن لؤى. أسلم بعد الفتح و فر مغاضبا، ثم كر راضيا، وقدم على رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، فأكرمه، و حسن إسلامه جدا، و كان يقبل المصحف ويقول كلام ربي۔

عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن ابو عثمان القرشی المخزومی اپنے باپ کی طرح زمانۂ جاہلیت میں ان کا شمار اہل سادات میں ہوا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے سال میں اسلام قبول کیا بعد میں پھر فرار ہوئے پھر حق کی طرف رجوع کیا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں عمان (ملک) پر عامل بنایا اس وقت جب وہ مرتد ہوئے تھے پس یہ ان پر کامیاب ہوئے جیسے یہ بات پہلے گزری ہے پھر ملک شام آئے اور بعض بڑے لشکروں پر یہ امیر رہے اور کہا گیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو کسی نے بھی گناہ نہ سے پہچانا اور آپ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ یہ عادت مبارکہ تھی کہ قرآن پاک کو چوم کر رویا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "میرے رب کا کلام، میرے رب کا کلام" اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث پاک سے قرآن عظیم الشان کو چومنے کی دلیل دیا کرتے تھے۔[3]

[1] (سنن الدارمي ج10/ص229/رقم/3413)

[2] (ج11/ص434/رقم/5057).5-وإبن كثير في البداية والنهاية-(ج7/ص41)

[3] (جامع المسانيد والسنن باب عكرمة بن ابى جهل ج ٦ ص ٢٧٣) (العبارة غير واضحة بالمخطوطة، ويوضحه الخبر الذى أخرجه الحاكم والطبرانى: كان يأخذ المصحف ويضعه على وجهه، ويبكى ويقول: كلام ربى كتاب ربى. مستدرك الحاكم: 243/3؛ والمعجم الكبير للطبرانى: 371/17.)

الامام العالم العلامۃ البحر الفھامۃ، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

تَقْبِيل الْمُصحف قيل بِدعَة لكِن روى عَن عمر رضی اللہ عنہ انه كَانَ يَأْخُذ الْمُصحف كل غَدَاة ويقبله وَيَقُول عهد رَبِّي ومنشور رَبِّي عز وَجل وَكَانَ عُثْمَان يقبل الْمُصحف ويمسه على وَجهه۔ احتج بهذا الامام أحمد على جواز تقبيل المصحف ومشروعيته۔

قرآن مجید کا چومنا کہا گیا ہے کہ بدعت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ ہر روز صبح قرآن کو لیتے اور اسے چومتے اور کہتے تھے میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرآن کو چومتے اور اسے اپنے چہرے سے مس کرتے تھے۔ قرآن عظیم الشان کو چومنے کی مشروعیت کے جواز پر اسی حدیث کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ دلیل پکڑتے ہیں۔[1]

الامام العالم العلامۃ البحر الفھامۃ، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

يُسْتَحَبُّ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ لِأَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَفْعَلُهُ وَبِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، ذَكَرَهُ بَعْضُهُمْ، وَلِأَنَّهُ هَدِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فَشَرَعَ تَقْبِيلَهُ كَمَا يُسْتَحَبُّ تَقْبِيلُ الْوَلَدِ الصَّغِيرِ۔ وَعَنْ أَحْمَدَ ثَلَاثُ رِوَايَاتٍ: الْجَوَازُ وَالِاسْتِحْبَابُ، وَالتَّوَقُّفُ۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بھی قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اس چومنے کو حجر اسود پر قیاس کرتے ہیں بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا مشروع ہوا جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے امام احمد رحمہ اللہ سے تین روایت منقول ہیں۔ پہلی روایت جواز کی، دوسری روایت استحباب کی اور تیسری روایت توقف کی ہے۔[2]

الإمام العلامۃ فضیلۃ الشیخ: أحمد بن محمد بن عبد الغني الدمیاطي، شهاب الدین، الشهیر بالبناء لکھتے ہیں:

ويندب: تقبيل المصحف وتطييبه وجعله على كرسي والقيام له كما قاله النووي۔

اور مستحب ہے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور اس کو خوشبو لگانا اور اسے اونچے مقام پر رکھنا اور اس کیلئے قیام کرنا جیسے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔[3]

---

[1] (شرح سنن ابن ماجه للسيوطى وغيره باب المياثر الحمر جمع ميثرة وهى قطيفة ج ۱ ص ۲۶۳)

[2] (الاتقان فى علوم القرآن ج۴ ص ۱۸۹ باب النوع السادس والسبعون فى مرسوم الخط وآداب كتابته)

[3] (اتحاف فضلاء البشر فى القراءت الاربعة العشر باب اسماء الائمة القراء الاربعة عشر ج ۱ ص ۲۵)

شمس الدين محمد بن الشيخ زين الدين عمر بن الشيخ شهاب الدين السفيري الحلبي الشافعي لکھتے ہیں:

ويستحب تقبيل المصحف قياساً على تقبيل الحجر الأسود, ولأنه هدية من الله فشرع تقبيله, كما يستحب تقبيل الولد الصغير۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اور اس چومنے کو حجر اسود پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ یہ رب ذوالجلال کی طرف سے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا جائز ہے جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے۔[1]

محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی لکھتے ہیں:

نُقِلَ عَنِ ابْنِ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَانِيِّ الشَّافِعِيِّ جَوَازَ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ, وَقُبُورِ الصَّالِحِينَ۔

قرآن عظیم الشان اور صالحین کی قبور کو چومنے کا جواز الصیف الیمانی سے منقول ہے۔[2]

امام شوکانی لکھتے ہیں:

وَنُقِلَ عَنْ ابْنِ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَانِيِّ أَحَدِ عُلَمَاءِ مَكَّةَ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ جَوَازُ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ وَأَجْزَاءِ الْحَدِيثِ وَقُبُورِ الصَّالِحِينَ كَذَا فِي الْفَتْحِ۔

الصیف الیمانی جو کہ مکہ مکرمہ میں شافعی علماء میں سے ایک عالم ہیں اور ان سے قرآن عظیم الشان احادیث مبارکہ اور اولیاء کرام قبور کو چومنے کا جواز منقول ہے۔[3]

المبحث الثاني في إيراد أقوال الفقهاء من المذاهب الاربعة المعروفة وغيرهم في تقبيل المصحف۔

یہ دوسری بحث قرآن عظیم الشان کو چومنے میں مذاہب اربعہ کے فقہاء کے اقوال جو کہ معروفہ ہیں یا کہ غیر معروفہ کے جواز میں ہے۔

العلامۃ الشیخ علاء الدین الحصکفی لکھتے ہیں:

١۔ وَفِي الْقُنْيَةِ فِي بَابِ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَقَابِرِ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ قِيلَ بِدْعَةٌ لَكِنْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهُ وَيَقُولُ: عَهْدُ رَبِّي وَمَنْشُورُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ وَكَانَ عُثْمَانُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - يُقَبِّلُ الْمُصْحَفَ وَيَمْسَحُهُ عَلَى وَجْهِهِ۔

اور قنیہ کے باب ما یتعلق بالمقابر میں ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا کہا گیا ہے کہ بدعت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور اسے چومتے اور کہتے تھے

---

[1] (شرح البخاری للسفیری باب المجلس العاشر ج ۱ ص ۲۴۰)

[2] (شرح الزرقانی علی المؤطا باب تقبیل الرکن الاسود فی الاستلام ج ۲ ص ۴۵۸)

[3] (نیل الاوطار باب جاء فی استلام الحجر الاسود ج ۵ ص ۵۱)

میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اسے اپنے چہرے پر مس کرتے تھے۔[1]

۲۔ وفی الفتاویٰ النقشبندیة:

وعن ابی یوسف رحمة اللہ علیه انه اذا تاه خادمه بالمصحف استقبله، عن عمر رضی اللہ عنه انه کان یاخذ المصحف کل غداة ویقبله ویقول عهد ربی و منشور ربی، روی عن عثمان رضی اللہ عنه انه یأخذ المصحف کل غداة ویقبله ویمسحه علی وجهه۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے شان یہ ہے کہ جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خادم قرآن عظیم الشان لیکر آتے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے چوم لیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور چوما کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے تھے اسے چومتے اور چہرے پر مس کرتے تھے۔[2]

۳۔ العلامة الامام قدوة اعلام فقهاء بلاد السند المخدوم محمد جعفر ابن العلامة المخدوم عبد الکریم الشهیر بمیران من اعیان علماء القرن العاشر الهجری لکھتے ہیں:

روی عن ابی یوسف رحمة اللہ علیه انه اذا تاه خادمه بالمصحف استقبله، فی القنیة (مت) وفی شرح الجامع الصغیر ان قبلة الدیانة قبلة الحجر الاسود عند الاستلام وقبلة المصحف وعن عمر رضی اللہ عنه انه کان یأخذ المصحف کل غداً ویقبله ویقول عهد ربی ومنشور ربی عز وجل۔ فی الفتاویٰ الصیرفیة من الیتیمیة روی عن عثمان انه کان یأخذ المصحف کل غداة ویقبله ویمسح علی وجهه۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خادم آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس قرآن عظیم الشان لیکر آتے تو اسے چوم لیتے اور یہی عبارت قنیۃ میں بھی ہے اور جامع صغیر کی شرح میں ہے کہ تحقیق کے ساتھ (قبلة الدیانة) حجر اسود کو چومنا استلام کے وقت اور قرآن عظیم الشان کو چومنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر روز قرآن عظیم الشان کو لیتے تھے اور چومتے تھے پھر کہتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور فتاویٰ الصیرفیة میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور اسے اپنے چہرے سے مس کرتے تھے۔[3]

---

[1] (الدر المختار و حاشیه ابن عابدین باب الاستبرا و غیرہ ج ۵ ص ۲۷۲، شرح شرعة الاسلام ص ۷۸)

[2] (الفتاویٰ النقشبندیة ص ۱۵۷)

[3] (المتانة فی مرمة الخزانة ص ۶۳۵)

۴۔ عبد الرحمن بن الشیخ محمد بن سلیمان المدعو بشیخ زادہ الحنفي في **مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر** میں لکھتے ہیں:

كَذَا لَا بَأْسَ بِقُبْلَةِ الْمُصْحَفِ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهُ وَيَقُولُ عَهْدُ رَبِّي وَمَنْشُورُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ۔

جیسے کہ قرآن عظیم الشان کے چومنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو ہر روز صبح لیتے اور اسے چومتے اور فرماتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور جیسے کہ قنیہ میں ہے۔[1]

۵۔ **وقال أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله الزركشي الشافعي، في البرهان في علوم القرآن** میں لکھتے ہیں:

ويستحب تقبيل المصحف لأن عكرمة بن أبي جهل كان يقبله وبالقياس على تقبيل الحجر الأسود ولأنه هدية لعباده فشرع تقبيله كما يستحب تقبيل الولد الصغير وعن أحمد ثلاث روايات الجواز - والاستحباب - والتوقف۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور (علماء) اس کو حجر اسود کے چومنے پر قیاس کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ رب کی طرف سے بندوں کیلئے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا جائز ہے۔ جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے تین روایات ہیں پہلی جواز کی، دوسری استحباب کی اور تیسری روایت توقف کی۔[2]

۶۔ اور علامہ ابن حجر العسقلاني فتح الباري میں لکھتے ہیں:

إِسْتَنْبَطَ بَعْضهمْ مِنْ مَشْرُوعِيَّة تَقْبِيل الْأَرْكَان جَوَاز تَقْبِيل كُلّ مَنْ يَسْتَحِقّ التَّعْظِيم مِنْ آدَمِيّ وَغَيْره ، فَأَمَّا تَقْبِيل يَد الْآدَمِيّ فَيَأْتِي فِي كِتَاب الْأَدَب ، وَأَمَّا غَيْره فَنُقِلَ عَنْ الْإِمَام أَحْمَد أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ تَقْبِيل مِنْبَر النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقْبِيل قَبْره فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا وَنُقِلَ عَنْ اِبْن أَبِي الصَّيْف الْيَمَانِيّ أَحَد عُلَمَاء مَكَّة مِنْ الشَّافِعِيَّة جَوَاز تَقْبِيل الْمُصْحَف وَأَجْزَاء الْحَدِيث وَقُبُور الصَّالِحِينَ وَبِاَللَّهِ التَّوْفِيق۔

اور بعض فقہاء نے دلیل پکڑی ہے کہ ارکان کو چومنے کی مشروعیت سے ہر اس چیز کو چومنے پر جو تعظیم کی مستحق ہو چاہے آدمی ہو یا غیر پس ہر جو آدمی کے ہاتھ کو چومنا کتاب الادب میں آئے گا ہر جو غیر ہے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا آپ ﷺ کی منبر مبارک اور قبر اطہر کے چومنے کے بارے میں تو آپ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ایک عالم الصیف الیمانی سے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور احادیث مبارکہ اور صالحین کی قبور کو جواز میں روایت منقول ہے۔[3]

---

[1] (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج1/ص478)
[2] (البرهان في علوم القرآن، ج8/ص214)
[3] (فتح الباری، ج5/ص273) (فَائِدَة أُخْرَى)

۷۔ اور صاحب تحفة المحتاج في شرح المنهاج لکھتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ السُّبْكِيُّ عَلَى جَوَازِ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ بِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَيَدِ الْعَالِمِ وَالصَّالِحِ وَالْوَالِدِ إذْ مِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنْهُمْ۔

اورامام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز پر دلیل لیا ہے حجر اسود پر قیاس کرتے ہوئے عالم کا ہاتھ ،صالح کا ہاتھ اور والد کے ہاتھ پر اور یہ بات معلومات میں سے ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔[1]

۸۔ اور صاحب حاشية الجمل لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُهُمْ يُؤْخَذُ مِنْ هُنَا أَيْ مِنْ سَنِّ تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ سَنُّ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ وَالْمِنْبَرِ الشَّرِيفِ وَالْقَبْرِ الشَّرِيفِ أَيْضًا وَمِثْلُهُ قُبُورُ بَقِيَّةِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَأَجْزَاءُ الْحَدِيثِ أَفْتَى بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي الصَّيْفِ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ۔

اور بعض علماء نے کہا کہ لیا جائے گا وہاں سے یعنی حجر اسود کو چومنے کا سنت ہونے سے قرآن عظیم الشان کے چومنے پر دلیل اور اسی طرح منبر شریف اور قبر اطہر شریف کے چومنے کے سنت ہونے پر اور اسی کی مثل بقیہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبور اور احادیث مبارکہ کے اجزاء اور اسکے جواز پر ابن ابی الصیف جو کہ شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہیں فتویٰ دیا ہے۔[2]

۹۔ اور صاحب حاشية البجيرمي على الخطيب لکھتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ السُّبْكِيُّ عَلَى جَوَازِ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ بِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَيَدِ الْعَالِمِ وَالصَّالِحِ وَالْوَالِدِ؛ إذْ مِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنْهُمْ۔

اورامام سبکی رحمہ اللہ نے قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز پر دلیل لیا ہے حجر اسود پر قیاس کرتے ہوئے عالم کا ہاتھ ،صالح کا ہاتھ اور والد کے ہاتھ پر اور یہ بات معلومات میں سے ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔[3]

۱۰۔ صاحب حاشية البجيرمي على الخطيب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فَائِدَةٌ: اسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ تَقْبِيلِ الْحَجَرِ تَقْبِيلَ الْمُصْحَفِ وَالْقَبْرِ النَّبَوِيِّ وَالْقُبُورِ الشَّرِيفَةِ وَقُبُورِ الصُّلَحَاءِ، وَمِمَّنْ قَالَ بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَنِيُّ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ۔

اور بعض علماء نے حجر اسود کو چومنے سے استنباط کیا ہے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور قبر نبوی شریف اور قبور شریفہ اور قبور صلحاء اور جس نے اس کے جواز پر گفتگو فرمائی ہے تو وہ ابن ابی الصیف الشافعی ہیں۔[4]

---

[1] (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ج/2 ص/157)

[2] (حاشية الجمل، ج/9 ص/181)

[3] (حاشية البجيرمی، ج/3 ص/316)

[4] (حاشية البجيرمی علی الخطيب باب كتاب الحج ج ۲ ص ۴۴۰)

١١۔ اور الشمس السفاريني الحنبلي في شرح منظومة الآداب عن الرعاية میں لکھتے ہیں:

إنه يستحب تقبيل المصحف، لأن عكرمة بن أبي جهل كان يفعل ذلك. رواه جماعة منهم الدارمي بإسناد صحيح. قال: كان يضع المصحف على وجهه ويقول: كتاب ربي كتاب ربي۔

اور شان یہ ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چوما کرتے تھے۔ اور اس کی روایت جماعت نے کی ہے ان میں سے دارمی نے اسناد صحیح کے ساتھ کہا کہ قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھ کر کہتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔

وممن صحح إسناد الدارمي عن عكرمة النووي في التبيان، وفي مناسك العلامة شيخ الجماعة بفاس أبي عبد الله محمد بن عبد السلام البناني، ورد أن الحجر الأسود يمين الله في أرضه، والعادة تقبيل يمين من يقصد إكرامه. فجعل إشارة إلى ذلك تعالى الله عن التشبيه، وهذا معنى لطيف في تقبيله، ولا يخفى أن القرآن العظيم صفة الله فهو بالتقبيل أولى، ومنه يؤخذ تقبيل المصحف، ويد العالم والولي والرجل الصالح، وآثار الصالحين ونحو ذلك مما يعظم. ذكر معناه السبكي في طبقاته اهـ۔

اور جنہوں نے دارمی کی اسناد کی تصحیح فرمائی ہے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ان میں سے امام نووی نے تبیان میں اور مناسک میں علامہ شیخ الجماعۃ بفاس ابی عبد اللہ محمد بن عبد السلام البنانی نے اور یہ بات وارد ہوئی ہے کہ حجر اسود اللہ کی یمین ہے زمین پر اور عادت یہ ہے کہ یمین کو اکرام کے قصد کی وجہ سے چوما جاتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت تشبیہ سے پاک ہے اور یہ معنیٰ لطیف ہے چومنے میں اور یہ بات کسی پر چھپی نہیں کہ تحقیق کے ساتھ قرآن عظیم الشان اللہ کی صفت ہے تو قرآن عظیم الشان کو چومنا اولیٰ وافضل ہے اور ان میں سے لیا گیا ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا عالم اور ولی اور نیک صالح آدمی اور صالحین کے آثار کو اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کی تعظیم کی جاتی ہو امام سبکی نے طبقات میں یہی معنیٰ ذکر فرمایا ہے۔[1]

١٢۔ المؤلف: لجنة الفتوى بالشبكة الإسلامية لکھتے ہیں:

السُّؤَالُ ما حكم تقبيل المصحف إذا سقط مني أو إذا بدأت في قراءته وهل هو بدعة نرجو منكم التفصيل؟

[الفَتْوَى] الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه، أما بعد: فقد ذهب بعض أهل العلم إلى استحباب تقبيل المصحف قال النووي في التبيان في آداب حملة القرآن روينا في مسند الدارمي بإسناد صحيح عن أبي مليكة: أن عكرمة بن أبي جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول: كتاب ربي كتاب ربي۔

[1] (التراتيب الادارية نظام الحكومة النبوية باب فی ان معاوية كان له غلمان ج ٢ ص ١٩٧)

سوال: کیا حکم ہے قرآن عظیم الشان کے مجھ سے گرنے پر اسے چومنے کے بارے میں یا جب میں قرأت شروع کروں اور کیا یہ بدعت ہے میں آپ لوگوں سے تفصیل کی امید رکھتا ہوں۔

الفتویٰ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے اور درود و سلام ہو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اور آپ ﷺ کی آل واصحاب پر۔ اما بعد! پس تحقیق کے ساتھ بعض اہل علم قرآن عظیم الشان کے چومنے کے استحباب کی طرف گئے ہیں، امام نووی نے تبیان میں فی آداب حملۃ القرآن میں اور مسند دارمی میں اسناد صحیح کے ساتھ ابن ابی ملیکۃ سے روایت ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھتے اور کہتے میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔[1]

۱۳۔ اور شمس الدین، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي لکھتے ہیں:

وَجَازَ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ، قَدَّمَهُ فِي الرِّعَايَةِ. وَعَنْهُ يُسْتَحَبُّ؛ لِأَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ، رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ الدَّارِمِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ. قَالَ: كَانَ يَضَعُ الْمُصْحَفَ عَلَى وَجْهِهِ وَيَقُولُ: كِتَابُ رَبِّي كِتَابُ رَبِّي۔

اور قرآن عظیم الشان کو چومنا جائز ہے اور رعایت میں مقدم ہے اور ایک روایت مستحب کی ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اسی طرح کیا کرتے تھے جماعت نے اس کی روایت کی ہے ان میں سے دارمی نے اسناد صحیح کے ساتھ کہا کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھ کر کہا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔[2]

۱۴۔ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں:

ونقل عن ابن أبي الصيف اليمنى أحد علماء مكة من الشافعية جواز تقبيل المصحف، وأجزاء الحديث، وقبور الصالحين انتهى كلام الحافظ۔

اور ابن ابی الصیف یمنی شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ایک عالم ہیں قرآن عظیم الشان کے چومنے کے جواز پر اور اجزائے احادیث اور صالحین کی قبور کی روایت نقل ہے۔[3]

۱۵۔ اور ملا علی القاري لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَطْنَبَ ابْنُ حَجَرٍ هُنَا بِذِكْرِ الْفُرُوعِ الْفِقْهِيَّةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْقُرْآنِ مِنْ تَحْرِيمِ تَوَسُّدِ الْمُصْحَفِ وَمُسْتَثْنَيَاتِهِ، وَتَحْرِيمِ مَدِّ الرِّجْلِ، وَوَضْعِ الشَّيْءِ فَوْقَهُ، وَاسْتِدْبَارِهِ، وَتَخَطِّيهِ، وَرَمْيِهِ، وَتَصْغِيرِ لَفْظِهِ، وَجَوَازِ تَقْبِيلِهِ۔

---

[1] (فتاوی الشبكة الاسلامية باب هل يستحب تقبيل المصحف ج ۲ ص ۳۶۷)

[2] (غذاء الالباب فى شرح منظومة الآداب باب مطلب فى اول من جمع القرآن ج ۱ ص ۲۱۱)

[3] (سبل الهدىٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۳۹۹ اور وفاء الوفاء باب الفصل الرابع فى آداب الزيارة والمجاورة ج ۴ ص ۲۱۸)

اورعلامہ ابن حجر نے یہاں کلام میں مبالغہ کرتے ہوئے فقہی فروع کا ذکر کرکے جو کہ قرآن کے متعلقہ ہیں: قرآن کے ساتھ تکیہ لگانااوراس کی حرمت کے بارے میں اور قرآن پر کوئی چیز رکھنے کے بارے میں اوراس کی طرف پیٹھ پھیرنے اوراس کے روندنے اوراس کو نشانہ بنانے اوراس کے لفظوں کی حرمت کے بارے میں اوراس کو چومنے کے جواز میں۔[1]

۱۶۔ امام سبکی لکھتے ہیں:

سَمِعت الْوَالِد رَحمَه الله فِي درس الغزالية يَقُول وَقد سُئِلَ عَن الدَّلِيل على تَقْبِيل الْمُصحف دَلِيله الْقيَاس على تَقْبِيل الْحجر الْأسود وَيَد الْعَالم وَالْوَالِد والصالح وَمن الْمَعْلُوم أَن الْمُصحف أفضل مِنْهُم۔

میں نے اپنے والد سے سنا کہ غزالی کے درس میں کہ وہ فرمارہے تھے اور تحقیق کے ساتھ ان سے پوچھا گیا تھا قرآن عظیم الشان کو چومنے پر دلیل کے بارے میں تو اس کی دلیل حجر اسود کو چومنے پر قیاس کرتے ہوئے اور عالم کے ہاتھ اور صالح کے ہاتھ پر اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔[2]

۱۷۔ شیخ عائض القرنی لکھتے ہیں:

السؤال: ما حكم تقبيل القرآن الكريم بعد القراءة؟

الجواب: سئل الإمام أحمد عن هذا فرآه, وقال: قبله عكرمة بن أبي جهل, وكان يقبّله ويبكي ويقول:) كلام ربي كلام ربي) ولا أعلم فيه حديثاً مرفوعاً إليه عليه الصلاة والسلام, لكن أسأل الله أن من قبّل على جهة التعظيم والاحترام أن يثيبه ويأجره۔

سوال: قرأت کے بعد قرآن عظیم الشان کو چومنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: امام احمد سے پوچھا گیا اس مسئلے کے بارے میں تو انہوں نے رائے دی اور کہا کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے قرآن کو چوما اور وہ ہمیشہ قرآن کو چومتے تھے اور روتے تھے اور کہتے تھے کہ (میرے رب کی کلا م میرے رب کی کلام) اور مجھے حدیث مرفوع اس میں معلوم نہیں لیکن میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو قرآن عظیم الشان کو تعظیم اور احترام کی وجہ سے چومے اسے اجر وثواب عطا فرمایا جائے گا۔[3]

۱۸۔ عظیم البرکت شیخ الاسلام امام احمد رضا خان قادری بریلوی نور اللہ مرقدہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں:

کہ قرآن مجید کو بعد تلاوت ماتھے پر بہ نیت تعظیم رکھنا کیسا ہے؟

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج 7/ص 72)

[2] (طبقات الشافعیۃ الکبری للسبوکی باب ذکر شیئ من مباحثہ و لطائفہ التی سمعنا ج ۱۰ ص ۲۵۹)

[3] (دروس للشیخ عائض القرنی باب حکم تقبیل المصحف ص ۲۱)

الجواب: مصحف شریف کو تعظیماً سر اور آنکھوں اور سینے سے لگانا اور بوسہ دینا جائز و مستحب ہے کہ وہ اعظم شعائر سے ہے اور تعظیم شعائر تقوی القلوب سے ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

۱۹۔ اور الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

تقبيل المصحف : - ذكر الحنفيّة : وهو المشهور عند الحنابلة - جواز تقبيل المصحف تكريماً له ، وهو المذهب عند الحنابلة ، وروي عن أحمد استحبابه ، لما روي عن عمر رضي الله عنه أنّه : كان يأخذ المصحف كلّ غداة ويقبّله ، ويقول : عهد ربّي ومنشور ربّي عزّ وجلّ ، وكان عثمان رضي الله عنه يقبّل المصحف ويمسحه على وجهه . وقال النّوويّ في التّبيان : روينا في مسند الدّارميّ بإسناد صحيح عن ابن أبي مليكة أنّ عكرمة بن أبي جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول : كتاب ربّي كتاب ربّي . ونقل صاحب الدّرّ عن القنية : وقيل : إنّ تقبيل المصحف بدعة ، وردّه بما تقدّم نقله عن عمر وعثمان۔

قرآن عظیم الشان کا چومنا: احناف نے ذکر کیا ہے اور یہ حنابلہ کے نزدیک مشہور ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز یہ اسکی تکریم ہے اور یہ حنابلہ کا بھی مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ سے چومنے کے استحباب کی روایت ہے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور چومتے اور فرماتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اپنے چہرے پر مس کیا کرتے تھے اور امام نووی نے تبیان میں کہا اور مسند دارمی میں روایت ہے اسناد صحیح کے ساتھ ابن ابی ملیکۃ سے کہ عکرمۃ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اپنے چہرے پر قرآن عظیم الشان کو رکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب اور صاحب الدر نے قنیہ سے نقل کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا بدعت ہے اور اس قول کو رد کیا ہے جیسے پہلے گزرا ہے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے نقل سے۔[2] واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

---

[1] (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۶۲۳ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور)

[2] (الموسوعة الفقهية ۱۴-۸- (ج/۴ ص ۲۳۵)

(۱۶) باب نمبر سولہ: احادیث نبویہ ﷺ سے تبرکات کا ثبوت، تبرکات کے فوائد کے دلائل

اگرچہ صاحبِ روح البیان کے دور میں وہابی، وہابی مزاج دیوبندی، مودودی، پنچ پیری قسم کے لوگ نہیں تھے، لیکن ابنِ تیمیہ جو مذکورہ پارٹیوں کا "گرو" ہے، اس کے تاثرات موجود تھے اس لئے صاحبِ روح البیان کو تبرکات کے فوائد پر چند دلائل دینے پڑے، چنانچہ فرمایا:

دلیل اول: ویدل علیه قوله ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحی بجار السوء۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ صالحین کے درمیان مردوں کو دفن کرو اس لئے کہ میت برے ہمسایہ سے ایذاء پاتی ہے، جیسے زندہ انسان زندہ ہمسایہ سے۔

اس حدیث سے صاحب روح البیان کا مقصد یہ ہے کہ مردہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ تھا، لیکن اسے نیک بخت لوگوں کے قرب سے فائدہ حاصل ہوگا ایسے ہی تبرکات کی برکات کا حال ہے، کہ ان کے قرب اور توسل سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

سوال از وہابیہ دیوبندیہ:

یہاں ایک اعتراض پیدا کر کے صاحبِ روح البیان نے گویا وہابیہ کی طرف سے لکھا کہ وہ جو مروی ہے کہ ارضِ مقدسہ کسی کو مقدس نہیں بنادیتی بلکہ بندے کو اپنے اعمال مقدس بناتے ہیں۔

جواب:

اس روایت میں اعمال صالحہ کی ترغیب مقصود ہے یا تبرکات کے فوائد و منافع اور ان کے برکات کے علم سے پہلے کی روایت ہے ورنہ روایات مندرجہ ذیل غلط ہوتی ہیں حالانکہ روایات ذیل صحیح اور مستند ہیں۔

دلیل دوم اور حکایت مع روایت: مروی ہے عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفیان بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ الہذلی کو قتل کر کے حضور ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا عصا مبارک عطا فرما کر فرمایا کہ اسی کے سہارے بہشت میں جانا۔ جب حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ وہی عصا مبارک اس کے کفن کے اندر جسم سے ملا کر تبرک کے طور پر رکھ دینا چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔

حضور ﷺ سے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال حضرت معمر بن عبد اللہ حجام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مونڈے تو آپ ﷺ نے آدھے بال مبارک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائے اور

آدھے باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک ایک دو دو عنایت فرمائے۔اس روایت سے ثابت ہوا کہ تبرک سے فیوض و برکات کا عقیدہ رکھنا اور تبرکات تقسیم کرنا سنتِ رسول اکرم ﷺ اور سنتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عقیدہ اور تبرکات: جیسے ہی حضور ﷺ نے اپنے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ: **فکانوا یتبرکون بھا وینصرون مادامواحاملین لھا**۔ یعنی حضور ﷺ کے بال مبارک سے برکات حاصل کرتے جب تک اپنے ساتھ رکھتے۔[1]

دلیل چہارم:

اسرارِ محمدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان نے ہم اہلسنت کو مواد بہم پہنچایا۔

کما قال: ولذا قال فی الاسرار المحمدیه لو وضع شعر رسول اللہ ﷺ وعصاہ او سوطه علی قبر عاص لنجا ذلک العاص ببرکات تلک الذخیرہ من العذاب. (ایضاً)

یعنی: اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر حضور ﷺ کے بال مبارک یا عصا مبارک یا آپ ﷺ کی چھڑی مبارک کسی مجرم کی قبر پر رکھی جائے تو وہ مجرم انہی مبارک اشیاء کی برکت سے نجات پا جائے گا۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال مبارک کی برکت

دلیل الاحسان میں لکھا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن قبرستان گئے، اور ایک قبر دیکھی جس میں سے فریاد کی آواز آرہی تھی کہ: ہمارے دائیں بھی آگ ہے، ہمارے بائیں بھی آگ ہے، ہمارے نیچے بھی آگ ہے، اوپر بھی آگ ہے، اور بہت سخت عذاب میں مبتلا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس آدمی پر رحم آگیا۔ میں نے سو رکعات نفل نماز ادا کی اور پورا قرآن مجید ختم کیا اور ثواب اس مردہ کو بخش دیا۔ پھر غور کیا تو وہ اسی طرح عذاب میں مبتلا تھا، کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ میں بہت حیران ہوا کہ عجیب میت ہے۔ سو رکعات نفل اور قرآن مجید کے ختم سے بھی عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی۔ لہٰذا میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آیا۔ نبی کریم ﷺ اس وقت اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اس وقت (دوپہر) آپ کیسے آگئے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ، میں قبرستان گیا تھا۔ میں نے ایک قبر دیکھی جس میں میت بہت سخت عذاب میں مبتلا تھی۔ مجھے اس پر رحم آگیا، سو میں نے سو رکعات نفل نماز ادا کی اور پورا قرآن پاک ختم کیا، لیکن وہ اسی طرح عذاب میں مبتلا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو عجیب میت ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ اٹھ گئے اور فرمایا کہ مجھے اس قبر تک لے چلو۔ نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] (روح البیان ج۳، ص ۴۷۹، تحت هذا الآیة "وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا" سورۃ التوبة)

دونوں قبرستان پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یہ قبر ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام مبارک نے دیکھا کہ وہ میت بہت خوش ہے۔ فرمایا: اے علی (رضی اللہ عنہ)! آپ رضی اللہ عنہ سے سہو ہو گیا (بھول گئے)، یہ تو بہت خوش ہے، ہو سکتا ہے دوسری قبر ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی قربان یہی قبر ہے، میں نے اس پر نشانی بھی رکھی ہے۔ اس دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ! اللہ پاک آپ پر سلام بھیجتا ہے اور بعد از سلام فرماتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سہو نہیں ہوا (نہیں بھولے)، یہ وہی قبر ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں وضو کر رہے تھے اور اپنے داڑھی مبارک میں کنگھی کر رہے تھے۔ ان کی داڑھی مبارک سے ایک بال نکلا اور ہوا نے اٹھا کر اس قبرستان میں پہنچا دیا۔ اس قبرستان میں ستر ہزار مردگان تھے۔ سب عذاب کے مستحق تھے۔ اللہ ربّ العزّت نے بال کی برکت سے سب کو بخش دیا۔[1]

سبحان اللہ! یہ ہے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال مبارک کی برکت۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ابو بکر صدیق سن کر "رضی اللہ عنہ" پڑھیں۔ اور ہزار لعنتیں اس پر جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرے۔

دلیل پنجم:

اور فرمایا:

وان کان فی دار انسان او بلادہ لا یصیب سکانھا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروا بہ. (ایضاً)

یعنی جس گھر یا شہر میں بال مبارک ہوں تو وہ گھر اور شہر بلاء سے محفوظ رہیں گے اگرچہ انہیں اس کا علم بھی نہ ہو۔

دلیل ششم:

ومن ھذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بھا وکتابۃ القران علی القراطیس والوضع فی ایدی الموتی. (ایضاً)

یعنی اسی قبیل سے زمزم شریف کا پانی یا اس سے کفن تر کردہ اسی طرح کعبہ کا غلاف اور اس کا کفن بنانا یا قرآنی آیت لکھ کر مردہ کے ہاتھ میں دینا۔

جیسے ہم اہلسنت کفنی لکھتے اور عہد نامہ وغیرہ میت کے ہاتھ میں دیتے اور قبر پر آذان دیتے اور قبر میں سورۃ ملک وغیرہ پڑھتے اور قبر کے قریب قرآن پڑھاتے ہیں۔

[1] (دلیل الاحسان ص ۸)

صاحبِ روح البیان کا اپنا مشاہدہ:

صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے خزانوں بالخصوص آل عثمان کے خزانہ میں بعض ایسے تبرکات ہوتے ہیں جن کے فیوض و برکات سے بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً آل عثمان کے خزانہ میں حضور ﷺ کا جبّہ مبارک اور دیگر بہت بڑے تبرکات ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آلِ عثمان کو ان سے فیوض و برکات اور انہیں وسیلہ بنانے کی توفیق نصیب نہیں حالانکہ ان کے ہاں نبوی لواء مبارک بھی ہے لیکن ان کے ملک میں مصائب و آفات و بلبلات کی بھرمار ہے۔ صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ انہیں اس کی سزا ملی ہے اس لئے کہ آلِ عثمان نے ان تبرکات کی عزت و احترام نہ کیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مکّہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے متعلق صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ان میں طاعون کا داخلہ بند ہے لیکن جب ان کے مکینوں نے غلط کاری اور جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور ان پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض ارشاداتِ نبوی ﷺ کے خلاف ہو جانا محض سزا یا تنبیہ کے طور ہوتا ہے ورنہ اسی طرح ہونا ضروری ہے جس طرح حضور ﷺ فرما گئے۔[1]

حدیث شریف: حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور ﷺ کا جبّہ مبارک تھا۔

فقالت هذه جبة رسول الله ﷺ فاخرجت الى جبة طيالسة كسروانية ديباج وفرجيها مكفوفين بالديباج فقالت هذه كانت عند عائشة حتّٰى قبضت فلما قبضت قبضتها وكان النبى يلبسها فنحن نغسلها للمرضى لنستشفى بها۔

فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبّہ مبارک ہے انہوں نے ایک اونی جبّہ مبارک کسروانی ساخت کا نکالا اور اس کی پلیٹ ریشمی تھی، اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا۔ اور فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا جبّہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا۔ نبی کریم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفاء چاہتے ہیں۔[2]

امام اجل ابوزکریّا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وفى هذا الحديث دليل على استحباب التبرّك بآثار الصّالحين وثيابهم۔

یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔[3]

---

[1] (فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان، پارہ ۱۰، ص ۳۱۸-۳۱۶، المقاصد السنیہ، مفتی اعظم سرحد مفتی شائستہ گل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۲۱۲)

[2] (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۰، ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۶۵، مشکوۃ شریف ص ۳۷۴، شفاء ج ۱ ص ۲۸۶، حجة الله على العلمين ص ۱۳۴، کشف الغمة عن جميع الامّة ص ۱۹۵)

[3] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹۱)

نمودن وے جُبّہ را محض از برائے اظہار تبرک وتیمّن بودنہ برائے بیان جوازِ لباس۔

"اس جبہ کا دکھانا محض برکت کے اظہار کے لئے تھا، بیان جواز لباس کے لئے نہ تھا۔"[1]

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت کرنا، ان کا لباس دھو کر بیماروں کو پلانا سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے، ان میں شفاء ہے۔[2]

حدیث شریف: صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو جانثار صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ تھے، نے عرض کیا **اعطنی قمیصک اکفنه فیه و صلِ علیه و استغفر له فاعطاه النبیّ ﷺ قمیصه.** یعنی مجھے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائیں تاکہ اس سے میں کفناؤں اور ان پر نماز پڑھیں اور دعائے مغفرت فرمایئے۔ پس آپ ﷺ نے اسے اپنی قمیص عطا فرما دی۔[3]

حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا عرض کرنا اور آپ ﷺ کا اپنے اس سچے صحابی کی دلجوئی کے لئے ان کے منافق باپ کو اپنی قمیص عطا فرمانا، تبرک کے ثبوت کے لئے اصل ہے، علامہ اسماعیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت سے یہی استنباط کیا ہے اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے شرح بخاری میں اسے نقل کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

و استنبط منه الاسماعیلی جواز طلب آثار أهل الخیر منهم للتبرک بها و ان کان السائل غنیاً۔

یعنی علامہ اسماعیلی نے اس روایت سے صالحین سے ان کے آثار کو برائے تبرک طلب کرنے کا جواز اخذ کیا ہے، خواہ مانگنے والا مالدار کیوں نہ ہو۔[4]

ابن عدی محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ سنان بن طلق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنی قمیص مبارک کا ایک ٹکڑا دے دیجیے، میں اس کو بطور تبرک اپنے پاس رکھوں گا۔ محمد بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے کہا حضور ﷺ کی قمیص مبارک کا وہ ٹکڑا اباً عن جدٍ میرے ہاتھ آیا۔

یغسلها للمریض یستشفیٰ بها۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات، ج۳ ص ۵۴۰)

[2] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۹۸، ج ۲)

[3] (بخاری شریف کتاب الجنائز باب الکفن فی القمیص، ص ۴۲۷)

[4] (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹ ۱۳۹:۳)

یعنی یہ قمیص کا مبارک ٹکڑا مریضوں کو دھو کر پلایا جاتا ہے اور اس کی برکت سے شفا حاصل کی جاتی ہے۔ [1]

حضور ﷺ کا جبہ مبارک:

سراج العاشقین حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک جبہ مبارک کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان تک ضرور پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جبہ مبارک ان تک پہنچایا۔ اس روایت پر تقریباً سب علماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔

حدیث شریف: کتبِ صحاح میں سے سنن ابی داؤد و دیگر کتبِ احادیث میں مسواک دھونے کے حوالہ سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کان نبی اللہ ﷺ یستاک فیعطنی السواک لأغسلہ فأبدأ بہ فأستاک ثم اغسلہ و أدفعہ الیہ۔

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ مسواک کیا کرتے تھے سو آپ ﷺ مجھے مسواک دھونے کے لئے عنایت فرماتے تو میں دھونے سے پہلے اس سے تبرکاً مسواک کرتی، پھر اسے دھو کر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتی۔ [2]

اس روایت میں بھی تبرک کا واضح ثبوت ہے۔ شارحینِ حدیث نے مذکورہ روایت کی شرح میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہّرہ امّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل حصولِ برکت کے لئے تھا۔ **ولٰکن الوھابیۃ قوم لا یعلمون۔**

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فأبدا بہ ای باستعمالہٖ فی فمی قبل الغسلِ لیصل برکۃ رسول اللہ ﷺ الیّ و الحدیث فی ثبوت تبرّک بآثارِ الصّالحین۔

"**فأبدا بہ**" کا معنی یہ ہے کہ میں دھونے سے پہلے اسے استعمال کرتی تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی برکت مجھے حاصل ہو۔ اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔ [3]

حدیث شریف: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ چادر میں نے اپنے ہاتھوں سے بُنی ہے۔ آپ ﷺ کے لئے لائی ہوں۔ آپ ﷺ نے قبول فرمائی اور پھر تہبند کے طور پر باندھ کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ پھر صحابہ میں سے ایک نے کہا

---

[1] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۲)

[2] (ابو داؤد، کتاب الطھارت، باب غسل السواک، ج ۱ ص ۱۴، رقم ۵۲، بیہقی السنن الکبریٰ ص ۳۹، ج ۱ رقم ۱۶۸)

[3] (عظیم آبادعون المعبود، ص ۵۲، ج ۱)

کیا اچھی چادر ہے اور کہا یارسول اللہ ﷺ یہ چادر مجھے پہنا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا اور پھر کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب واپس آئے تو چادر لپٹی ہوئی آپ ﷺ کے پاس تھی پھر اس سائل کے حوالے کر دی۔

فقال له القوم ما احسنت سألتها ایّاه وقد عرفت انّه لا یردّ سائلاً فقال الرّجل واللہ ماسألتها الّا لتکون کفنی یوم اموت قال سھل فکانت کفنه۔

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے کہا تو نے چادر کا سوال کر کے اچھا نہیں کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں نے اس لئے سوال کیا کہ میرے مرنے کے بعد یہ چادر (جو آپ ﷺ کے جسم اطہر سے مس ہو چکی ہے) میرا کفن بنے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی چادر اس کا کفن بنی۔[1]

اس حدیث کے تحت امام المحدثین علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری فرماتے ہیں:

فیه التبرک بآثار الصالحین قال اصحابنا لا یندب ان یعد لنفسه کفنا الا ان یکون من اثر ذی صلاح فحسن اعداده کماھنا۔

ترجمہ: "اس میں نیکوں کے آثار سے تبرک کا ثبوت ملتا ہے، ہمارے اصحاب نے فرمایا کسی شخص کے لئے اپنے لئے کفن تیار کر رکھنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ صالحین کے آثار والا کفن ہو تو اس کا تیار کر رکھنا جائز ہے جیسا کہ یہاں ہے۔"[2]

حدیث شریف: حضرت عبد العزیز بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو حضور سید عالم ﷺ ان کی قبر میں اترے اور لحد میں لیٹے اور پھر دعاء فرمائی:

"اللہ الّذی یحیی ویمیت وھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمة بنت اسد واوسع علیھا مدخلھا بحق نبیّک والانبیآء الذین من قبلی فانک ارحم الرّاحمین"۔

"اللہ وہ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اسے موت نہیں، اے اللہ میری ماں فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی بخشش فرما۔ اور ان پر ان کی قبر کشادہ فرما، اپنے نبی (ﷺ) کے طفیل، اور مجھ سے قبل جو انبیاء کرام (علیہم السلام) گزر چکے ان کے طفیل، یقیناً تو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔"

ثم نزع قمیصه عن جسده وامرھم ان تکفن فیه فقیل یا رسول اللہ ﷺ رئیناک صنعت شیئین نزعک قمیصک تمعلک فی لحدھا فقال اما القمیص فارید ان لا تمسّھا النّار ابداً ان شاءاللہ تعالیٰ وامّا تمعلی فی لحدھا فاردت ان یوسع قبرھا، رواہ الطبرانی بسند رجاله رجال الصحیح وابن حبان والحاکم وابو نعیم والدیلمی بسند حسن۔

[1] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۶۵ ایضاً ج ۱ ص ۱۷۰، سنن ابن ماجہ ص ۲۶۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۹۷)
[2] (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۲ ص ۳۲۴)

یعنی "پھر آپ ﷺ نے اپنا کرتا اتارا اور بطور کفن پہنانے کا حکم دیا۔ آپ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے دو چیزیں آپ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھیں، اپنی قمیص مبارک بطور کفن عطا فرمائی اور اس کی قبر میں لیٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قمیص بطور کفن اس لئے پہنائی میں چاہتا ہوں کہ انہیں کبھی آگ نہ چھوئے ان شاء اللہ تعالیٰ اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اس کی قبر اس پر کشادہ ہو جائے۔[1]

اس حدیث شریف کے تحت علامہ عبد الغنی ہمارہ فضل الذاکرین میں لکھتے ہیں:

یدل علی جواز التبرک بقبرہ ﷺ و التمسح بہ اضطجاعہ فی قبر فاطمۃ بنت اسد و رفع اللہ عنہا عذاب القبر تمسکہ فی القبر فقبرھا صار روضۃ و برکۃ و رحمۃ بسبب نزولہ۔

یعنی "اس میں دلیل ہے حضور سید عالم ﷺ کے مزار پر انوار سے تبرک حاصل کرنے اور مس کرنے کا۔ حضور ﷺ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی قبر شریف میں لیٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تنگیٔ قبر کو دور فرمایا، آپ ﷺ کے قبر میں اترنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کی قبر کو جنّت کا باغ اور برکت اور رحمت بنا دیا۔"

پھر فرماتے ہیں:

اذا جاز التبرک و التمسح بیدی النبیّ ﷺ و ببصاقہٖ و بشعرہٖ و بالماء الذی وضع یدہ الشّریف فیہ و لم یکن ذالک شرکاً و لا عبادۃ لہ ﷺ جاز التبرک بقبرہٖ الشریف الذی حوی جسدہ الشریف لانہ تبرک باثارہٖ ایّھا المبتدعون ھل تقولون ان الصّحابۃ الکرام رضی اللہ عنھم اشرکوا بفعلھم ھذا و اقرھم رسول اللہ ﷺ علیٰ شرکھم ام انتم مخطئون۔

"جب حضور ﷺ کے دست پاک سے مسح کرنا بطور تبرک جائز ہے اور آپ ﷺ کے لعاب دہن مبارک، اور بال مبارک اور اس پانی سے جس میں آپ ﷺ نے دست پاک رکھا تبرک حاصل کرنا جائز ہے، اور یہ عمل نہ شرک ہے اور نہ حضور سید عالم ﷺ کی (معاذ اللہ) عبادت ہے، تو آپ ﷺ کے مزار پر انوار سے جس میں آپ ﷺ کا جسد مبارک ہے، تبرک حاصل کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ہے۔"

تو اے بدعتیو! کیا کہتے ہو اس بارے میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اس فعل کے سبب (معاذ اللہ) کیا مشرک ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے شرک کی تصدیق فرمائی، یا تم گمراہی پر ہو؟

---

[1] (وفاء الوفاء الجزء الثانی، ابن عساکر، فضل الذاکرین و الرد علی المنکرین، ص ۱۳)

حدیث شریف:وضو کے غسالہ سے تبرک

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو مکہ کے ابطح مقام میں چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا۔

ورأیت بلالاً اخذ وضوء رسول اللہ ﷺ ورأیت النّاس یبتدرون ذالک الوضوء فمن اصاب منہ شیئًا تمسّح بہ ومن لم یصب منہ اخذ من بلل ید صاحبہ۔

ترجمہ: اور میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے وضو کا پانی لیا۔اور لوگوں کو دیکھا کہ اس پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔جس نے اس میں سے کچھ پالیا اسے اپنے چہرے پر مل لیا اور جس نے نہ پایا اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لی۔[1]

امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد الساری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فجعل الناس یتمسحون بوضوئہ استنبط منہ التبرک لما یلامس اجساد الصالحین۔

ترجمہ: تو لوگ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو ملنے لگے۔اس حدیث سے استنباط کیا گیا ہے کہ جو چیز صالحین کے اجسام سے مس کرے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔[2]

امام اجل ابوزکریا نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فخرج بلال بوضوئہ فمن نائل بعد ذالک وناضح تبرکاً بآثارہ ﷺ وقد جآء مبیّنًا فی الحدیث الاٰخر فرأیت النّاس یاخذون من فضل وضوئہ۔ فیہ التّبرک بآثار الصّالحین واستعمال فضل طھورھم وطعامھم وشرابھم ولباسھم۔

ترجمہ: ”حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وضو کے پانی کو لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا اور کوئی اسے ملتا تھا۔ آپ کے آثار کے حصول کے لئے،اور دوسری حدیث میں واضح طور پر ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیتے تھے تو اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کے بچے ہوئے پانی،کھانے پینے کی چیز اور لباس سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔“[3]

---

[1] (بخاری شریف ج ٢ ص ٨٧١،مسلم شریف ج ١ ص ١٩٦،نسائی ج ١ ص ١٣،مشکوۃ ص ٧٤)
[2] (ارشادالساری ج ١ ص ٣٨١)
[3] (نووی شرح صحیح مسلم ج ١ ص ١٩٦)

اسی حدیث کی شرح میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب فرماتے ہیں:

یعنی حضور ﷺ نے ایک خیمہ میں وضو کا غسالہ ایک لگن میں گرایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہ لگن کا پانی باہر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لائے تاکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے برکت حاصل کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس غسالہ شریف پر ٹوٹ پڑے۔ اسے حاصل کرنے اور برکت لینے کے لئے۔ کیونکہ وہ پانی حضور ﷺ کے اعضاء سے لگ کر نورانی بھی ہو گیا اور نور گر بھی۔ جیسے پھول سے لگی ہوئی ہَوا دماغ مہکا دیتی ہے، اسی طرح حضور ﷺ کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی روح و ایمان کو مہکا دیتا ہے۔

مرقات میں اسی جگہ ہے کہ حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی فصدلی اور خون بجائے پھینکنے کے پی لیا۔ خیال رہے ہمارے وضو کا فضلہ پینے کے قابل نہیں کہ وہ ہمارے گناہ لے کر نکلتا ہے۔ حضور ﷺ کا غسالہ متبرک ہے کیونکہ وہ نور لے کر نکلا ہے۔ بعض مرید اپنے مشائخ کا پس خوردہ اور جھوٹا پانی تعظیم سے استعمال کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔"[1]

حدیث شریف: حضرت طلق ابن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَرَجْنَا وَفْدًا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّ بِأَرْضِنَا بِيعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ. فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وتمضمض ثمّ صبه فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ: اخْرُجُوا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوا بِيعَتَكُمْ وَانْضَحُوا مَكَانَهَا بِهَذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوهَا مَسْجِدًا قُلْنَا: إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرَّ شَدِيدٌ وَالْمَاءَ يُنْشَفُ فَقَالَ: مُدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طِيبًا۔[2]

ترجمہ: ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ہم نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ ہماری زمین میں ہمارا گرجا ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کے وضو کا غسالہ مانگا تو آپ ﷺ نے پانی منگایا، وضو فرمایا اور کلّی کی پھر یہ پانی ایک برتن میں انڈیل دیا۔ اور ہمیں حکم فرمایا کہ جاؤ جب اپنے وطن پہنچو تو اپنا گرجا توڑ ڈالو، اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دو اور اسے مسجد بنالو ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر دور ہے، اور گرمی سخت ہے، پانی سوکھ جائے گا۔ فرمایا اسے اور پانی سے بڑھاتے رہو، اس سے برکت ہی بڑھے گی۔

علامہ ملّا علی قاری مکّی حنفی مرقات میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فیہ التبرک بفضلہٖ ﷺ ونقلہ الی البلاد نظیر ماء زمزم...ویوخذ من ذالک ان فضلۃ وارثیہ من العلماء والصلحاء کذالک۔

---

[1] (مراۃ شرح مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۳)

[2] (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۶۹، نسائی ج ۱ ص ۱۱۴)

یعنی اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے بچے ہوئے پانی سے تبرّک حاصل کرنا اور اس کو دوسرے ملکوں میں پہنچانا آبِ زمزم کی طرح جائز ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے وارثین علماء و صلحاء کے بچے ہوئے پانی سے یہی برتاؤ جائز ہے۔

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"دریں حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضوئے و پس ماندۂ آں حضرت (ﷺ) و نقل آں بلاد و مواضع بعیدہ مانند آب زمزم وآں حضرت (ﷺ) چوں در مدینہ می بود آب زمزم را از حاکم مکہ می طلبید وتبرک می ساخت وفضلہ وارثانِ او کہ علماء و صلحاء اند وتبرک باٰثار وانوار ایشاں ہم بریں قیاس است"۔

ترجمہ: "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی اور پس خوردہ سے تبرک حاصل کرنا اور اس کو دور دراز ممالک میں منتقل کرنا آبِ زمزم کی طرح جائز ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب مدینہ میں تھے تو مکہ کے حاکم سے آبِ زمزم طلب فرمایا اور تبرک حاصل کیا آپ کے وارثین علماء و صلحاء کے آثار و تبرکات وانوار کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔"[1]

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جس چیز کو حضور ﷺ کے جسد مبارک سے مس نصیب ہو جائے وہ تبرک بن جاتی ہے۔ لہٰذا خاک مدینہ تبرّک بھی ہے، شفا بھی۔ دوسرے یہ کہ سرور کائنات ﷺ کا غسالہ معنوی نجاستوں کو بھی دور کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جس مسجد میں مختار کل ختم رسل ﷺ کے تبرکات ہوں وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ بعض مسجدوں میں سید الانبیاء ﷺ کے بال مبارک رکھے ہیں، ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ چوتھے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اور شہروں میں لے جانا یا بھیجنا سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ بعض لوگ عرسوں کا لنگر دور دور بھیجتے ہیں، اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ مرقات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ امیر مکّہ سے آب زمزم منگایا کرتے تھے۔ اب بھی آب زمزم ملک ملک بھیجا جاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ تبرک سے جو چیز مل جائے وہ بھی تبرک بن جاتی ہے۔ چھٹے یہ کہ مسلمان کفار کا عبادت خانہ گرا نہیں سکتے۔ لیکن اگر کفار مسلمان ہو کر خود ہی اپنا عبادت خانہ گرا کر وہاں مسجد بنالیں تو جائز ہے"۔[2]

---

[1] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۳۱)

[2] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۴۴۲)

عاشقِ رسول ﷺ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھا فرمایا ہے:

بچا جو تلووں کا ان کا دھووَن	بنا وہ جنّت کا رنگ و روغن
جنھوں نے پائی دولہا کی اُترَن	وہ پھول گل زار نور کے تھے
جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن	لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کیا کریں نصیب میں تو	یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

حدیث شریف: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ اذا صلى الغداة جآء خدم المدينة بانيتهم فيها الماء فما يؤتى بأناءٍ الّا غمس يده فيه وربما جآئه في الغداة البارد ة فيغمس يده فيها۔

ترجمہ: "جب حضور ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے بچے اپنے برتنوں میں پانی لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ ﷺ ہر ایک برتن میں اپنا دست پاک ڈبو دیتے، بعض وقت سردی ہوتی تب بھی آپ ﷺ اسی طرح دست پاک ڈبو دیتے۔"[1]

امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فيه التبرك بآثار الصّالحين وبيان ما كانت الصّحابة عليه من التبرك بآثاره ﷺ وتبركهم بادخال يده الكريمة في الآنية۔

ترجمہ: "اس میں صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا ہے اور بیان ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا اور برتنوں میں حضور اکرم ﷺ کے دست پاک کے داخل کرنے سے برکت حاصل کرنے کا۔"

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فرو دمی بُرد آں حضرت دست مبارک خود را دراں آوندہائے آب و متبرک میگردانید آں را برائے ایشاں شفاء و برکت شود مر ایشاں را"۔

ترجمہ: آں حضرت ﷺ اپنا دست مبارک پانی کے برتنوں میں ڈبوتے اور اسے برکت والا بناتے ان کے لئے تاکہ (لوگ) اس سے شفاء اور برکت حاصل کریں۔[2]

---

[1] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶، مشکوٰۃ ۵۱۹)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۹۶)

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: یہ پانی اہل مدینہ اپنے بیماروں کو شفاء کیلئے پلاتے تھے، اس میں بیان ہوا حضور ﷺ کے اخلاق حمیدہ کا، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے بلکہ سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز میں بزرگوں کا ہاتھ لگ جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَ جَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ (مریم ۳۱)

حدیث شریف: عروہ بن مسعود ایمان لانے سے قبل قریش مکہ کی طرف سے قاصد بن کر حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کے دربارِ مقدس کا آنکھوں دیکھا حال قریش کے سامنے اس طرح بیان کیا:

فقال ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک وفدت علی قیصر و کسریٰ و النّجاشی واللہ ان رأیت ملکاً قطّ یعظّمہ اصحابہ ما یعظّم اصحاب محمّدٍ محمّدًا واللہ ان تنخم نخامۃ الاّ وقعت فی کفّ رجلٍ منھم فدلک بھا وجھہ وجلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضّأ کادُوا یقتتلون علیٰ وضوئہٖ واذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ وما یحدون الیہ النّظر تعظیمًا لہ۔

ترجمہ: اے قوم! خدا کی قسم بے شک میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جب وہ لعاب دہن اور ناک کی رطوبت پھینکتے تو وہ ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ جس کو وہ اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔ اور جب وہ انکو حکم دیتے ہیں تو وہ سب رضی اللہ عنہم تعمیل کے لئے دوڑتے ہیں۔ اور جب وہ (ﷺ) وضو کرتے ہیں تو (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے یوں گرتے پڑتے ہیں کہ گویا لڑ پڑیں گے۔ اور جب وہ (ﷺ) کلام کرتے ہیں تو سب کے سب (رضی اللہ عنہم) خاموش ہو جاتے ہیں اور تعظیماً ان کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔"[1]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نبی پاک ﷺ کے لعاب دہن اور وضو کے مستعمل پانی کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے سرور کائنات ﷺ کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پروانوں کی طرح جمع ہو جاتے تھے۔ اور تبرکات کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لیجانے میں جلدی کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ امام الانبیاء ﷺ کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی آب حیات سے کم نہیں، بلکہ یہ بدرجہا بہتر ہے۔

---

[1] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹، شفاء شریف ج ۳ ص ۳۷)

جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی ﷺ

حدیث شریف: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو نمازیں جمع کر کے پڑھی جاتی تھیں۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھیں، یہاں تک کہ دوسرے دن بھی نماز کو مؤخر کیا پھر حضور ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ادا کیا۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچو گے۔ تمہارے پہنچتے پہنچتے چاشت کا وقت ہو جائے گا۔ تم میں سے وہاں جو شخص (پہلے) پہنچ جائے تو اس چشمے کو مس نہ کرے۔

جب لشکر اصحاب رضی اللہ عنہم وہاں پہنچا تو دو آدمی پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ اور چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکال رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے پوچھا کہ تم نے اس چشمے کا پانی استعمال کیا ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا ہاں! آپ ﷺ نے ان دونوں پر خفگی کا اظہار کیا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے چلوؤں سے اس چشمے کا پانی ایک برتن میں جمع کیا۔

قال وغسل رسول اللہ ﷺ فیہ یدیہ و وجھہ ثم اعادہ فیھا فجرتِ العین بماءٍ منھمرًا و قال عزیر شکّ ابو علی ایّما قال فاستقا النّاس ثمّ قال یوشک یا معاذ ان طالت بک حیاۃ ان تریٰ ماءُ ھاھنا قد ملئ حناناً۔

”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور سید عالم ﷺ نے اس سے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور پھر وہ پانی اس چشمہ میں ڈال دیا۔ چشمے سے بے تحاشا پانی ابل کر نکلنا شروع ہو گیا۔ سب لوگوں نے پیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم اس علاقے کو باغوں سے بھرا ہوا پاؤ گے۔“[1]

چنانچہ ایسا ہی ہوا، آج کا تبوک باغوں سے بھرا ہے۔ سفر نامہ ارض القرآن روئیدادِ سفر سید ابوالاعلیٰ مودودی میں ہے: اس کے بعد مسجد کے قریب ہی ہم ایک چشمے پر آئے جس کے گرد وسیع منڈیر بنی ہوئی ہے۔ لیکن وہ خشک پڑا ہے۔

شیخ صالح نے بتایا کہ یہی وہ چشمہ ہے جس کے متعلق صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تبوک کے راستے پر تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: کہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے۔ (اور پھر مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا) شیخ صالح نے بتایا کہ یہ چشمہ دو سال پہلے تک مسلسل پونے چودہ سو سال ابلتا رہا۔ بعد میں نشیبی علاقوں میں جب ٹیوب ویل کھودے گئے تو اس چشمے کا پانی ان ٹیوب ویلوں کی طرف منتقل ہو گیا، تقریباً پچیس ٹیوب ویل ہو جانے کے بعد اب یہ چشمہ خشک ہو گیا ہے۔ اس کے بعد شیخ صالح ہمیں ایک ٹیوب ویل کی طرف بھی لے گئے۔ جہاں ہم نے دیکھا چار انچ کا ایک پائپ لگا ہوا ہے اور کسی مشین کے بغیر اس سے پانی پورے زور سے نکل رہا ہے۔ قریب قریب کے دوسرے ٹیوب ویلز بھی ہمیں دکھائے گئے۔

---

[1] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۶، خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۳)

یہ نبی ﷺ کے معجزے ہی کی برکت ہے کہ آج تبوک میں اس کثرت سے پانی موجود ہے کہ مدینہ اور خیبر کے سوا ہمیں اتنا پانی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تبوک کا پانی ان دونوں جگہوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس پانی سے فائدہ اٹھا کر اب تبوک میں ہر طرف باغ لگائے جارہے ہیں۔ اور نبی ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق تبوک کا علاقہ باغوں سے بھرا ہوا ہے اور دن بہ دن بھرتا جارہا ہے۔[1]

حدیث شریف: براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ حدیبیہ کے دن تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ہم نے اس سے پانی کھینچا مگر اس میں ایک قطرہ نہ پایا۔

فبلغ النبیّ ﷺ فاتاھا فجلس علٰی شفیرھا ثم دعانا بأناءٍ من مّآءٍ فتوضاء ثمّ مضمض و دعا ثمّ صبّہ فیھا ثمّ قال دعوھا ساعۃ فاروو انفسھم ورکابھم حتّٰی ارتحلوا۔

ترجمہ: یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی، آپ ﷺ تشریف لائے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے ایک برتن میں پانی طلب فرمایا پھر وضو کیا اور کلی کی اور دعاء مانگی پھر یہ پانی کنویں میں انڈیل دیا۔ پھر فرمایا اسے ایک ساعت رہنے دو۔ تاکہ بھر جائے پھر سیراب کیا لوگوں نے اپنے آپ کو اور اپنی سواریوں کو یہاں تک کہ وہاں سے کوچ کیا۔[2]

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے وضو کا مستعمل پانی باعث برکت ہے جس سے کنویں کا پانی ابلنے لگا اور چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خود پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لوگ حدیبیہ میں شدّتِ پیاس سے پریشان تھے۔ حضور سید عالم ﷺ کے سامنے ایک برتن میں پانی تھا۔ جس سے آپ نے وضو کیا۔ پھر لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور ﷺ ہمارے پاس پانی نہیں کہ پیئیں اور وضو کریں سوائے اس برتن کے۔

فوضع النبیّ ﷺ یدہ فی الرّکوۃ فجعل المآء یفور بین اصابعہٖ کامثال العیون قال فشربنا وتوضّأنا قیل لجابرٍ صکم کنتم قال لو کنّا مائۃ الفٍ لکفانا کنّا خمس عشر مائۃ۔

ترجمہ: پس حضور ﷺ نے اپنا دست پاک اس برتن میں رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا تم کتنے تھے؟ فرمایا ہم لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی تھا۔ مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔[3]

---

[1] (سفرنامہ ارض القرآن، ص ۲۶۲ - ۲۶۱)
[2] (مشکوۃ شریف ص ۵۳۲، بخاری شریف)
[3] (مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۲)

دوسری روایت میں اس طرح الفاظ ہیں:

فجاءُو اباناءٍ فیہ ماءٌ قلیل فادخل یدہ فی الاناء ثم قال حیّ علی الطّہور المبارک و البرکۃ من اللہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا پھر فرمایا آؤ طیّب و طاہر اور برکت والے پانی کی طرف اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فشربنا وتوضّأنا ای جمیعنا فطوبیٰ لھم من طھارۃ الظّاھر و الباطن من ذالک المآء الّذی ھو افضل من جنس المآء۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں ہم نے پیا اور وضو کیا یعنی ہم سب نے پیا اور وضو کیا۔ خوشخبری اور بشارت ان کے لئے طہارت ظاہری اور باطنی کی اس پانی سے جو افضل ہے عام پانی کی جنس سے۔ (کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا)[1]

حدیث شریف میں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے جاری ہونے والے پانی کو طیب طاہر اور برکت والا فرمایا ہے۔ گویا یہ بات خود رسالت ماب ﷺ کی زبانِ اقدس سے ثابت ہوگئی کہ صالحین کے اجساد و اجسام سے مس ہونے والی چیز طیّب و طاہر اور برکت و شفاء والی بن جاتی ہے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مار کر پانی جاری فرمایا اور ہمارے آقا ﷺ نے اپنی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمائے۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر　　ندیاں پنج آبِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

(مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (میں خندق کے دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے چپکے سے سرگوشی میں عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ ہم نے اپنی بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جَو پیسا ہے۔ حضور ﷺ آپ اور آپ کے ساتھ چھوٹی سی جماعت تشریف لائیں۔ نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا: اے خندق والو! جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا تیار کیا ہے، چلو!

فقال رسول اللہ ﷺ لا تنزلنّ برمتکم و لا تخبزن عجینکم حتّٰی اجئ وجآئنا فاخرجت لہ عجینًا فبصق فیہ وبارک ثمّ عمد الیٰ برمتنا فبصق وبارک ثمّ قال ادّعی خابزۃ فلتخبز معک واقدحی من برمتکم و لا تنزلوا ھا وھم الفٌ فأقسم باللہ لاکلوا حتّٰی ترکوہ وان عجیننا لتخبز کما ھو۔

---

[1] (حاشیہ مشکوۃ ص ۵۳۲)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا ہنڈیا کو چولھے سے نہ اتارنا اور آٹے کی روٹیاں نہ پکانا۔ جب تک کہ میں نہ آجاؤں۔ حضور ﷺ جب تشریف لے آئے تو میری بیوی آٹا لے کر حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے لعاب دہن اس میں ڈالا اور برکت کی دعاء فرمائی۔ پھر آپ ﷺ دیگ کے پاس آئے اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت دی۔ پھر فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے اور ہانڈی سے شوربہ نہ نکالو اور دیگ اس سے نہ اتارو۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک ہزار تھے۔ خدا کی قسم ان سب نے کھایا اور باقی چھوڑ دیا۔ ہماری دیگ اسی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹیاں اسی طرح موجود تھیں۔[1]

شیخ محقق شاہ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

ایں ہمہ از برکات سید السادات و منبع البرکات بود صلی اللہ علیہ وسلم کہ زمین و آسمان و ظاہر و باطن از برکات و نعم وے پرست و تصور باید کرد کہ چہ ذوق و سرور ازیں سور دلہائے اہل حضور حاصل شدہ باشد شادماں دلے خوشا باطنی کہ برکت آں رحمۃ للعالمین ادروے راہ باید۔

یعنی "یہ سب سید السّادات اور برکت کے منبع و مخزن کی برکتوں سے ہے کہ زمین و آسمان اور ظاہر و باطن انکی برکتوں اور نعمتوں کے پروردہ اور خدمت گار ہیں۔ تصور کرنا چاہیئے کہ اس دعوت میں کتنا ذوق اور لطف و سرور حاصل ہوا ہوگا ان کے دلوں میں جو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، کیا اچھے دل تھے اور خوش نصیب وہ باطن کہ جنھوں نے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی برکتوں سے راہ پائی۔"[2]

اس کے بعد شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنا چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

یکبار ایں فقیر در بازاریکہ در مسعی است از ترہ فروشے می شنود کہ باترہ ہائے خود آب می افشاند و می گوید۔

یابرکۃالنبیّ تعالیٰ وانزلی ثمّ لاترتحلی۔

اے برکت نبی (ﷺ)! بیا و بہ منزل من فرود آئی پس ازاں ہرگز کوچ مکن۔

اللّٰھمّ صلّ وسلّم وزد وبارک وکرّم علیٰ سیّدنا ومولٰنا وبرکتنا محمّدٍ وّ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

---

[1] (مشکوٰۃ ص ۵۳۲، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۶۷)

[2] (اشعۃاللمعات ج ۴ ص ۵۴۹)

ابیات

ز مہجوری برآمد جان عالم	ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی	ز محروماں چرا فارغ نشینی

ترجمہ: "ایک بار یہ فقیر ایک بازار سے کہ مدینہ منوّرہ میں ہے، ایک سبزی فروش کو کہتے ہوئے سنا جو اپنی سبزی پر پانی چھڑک رہا تھا اور کہہ رہا تھا "اے برکتِ نبی ﷺ، آ میرے گھر میں اتر اور پھر ہر گز نہ جا" اے اللہ درود و سلام بھیج اور برکتوں میں زیادتی فرما اور کرم فرما ہمارے آقا و مولا اور ہماری برکت سیدنا محمد ﷺ اور ان کی آل و اصحاب سب پر۔[1]

آپ کی جدائی میں عالم کی جان نکلی جا رہی ہے	رحم فرمایئے اے اللہ کے نبی ﷺ رحم فرمایئے
کیا آپ جہانوں کی رحمت نہیں ہیں؟	پھر ہم محروموں سے کیوں فارغ ہو کر بیٹھ رہے ہیں

حدیث شریف: عن کبشۃ قالت دخل علیّ رسول اللہ ﷺ فشرب من فی قربۃ معلّقۃ قائمًا فقمت الیٰ فیہا فقطعتہ رواہ التّرمذی و ابن ماجۃ و قال التّرمذی ھٰذا حدیث حسنٌ غریب صحیحٌ۔

ترجمہ: حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس حضور ﷺ تشریف لائے تو لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے کھڑے پانی پیا۔ میں مشکیزے کے دہانے کی طرف اٹھی اور اسے میں نے کاٹ لیا۔[2]

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

"فقطعتہ ای فم القربۃ و حفظتہ فی بیتی و اتّخذتہ شفاء للتبرک بہٖ لوصول فم النّبیّ صلّی اللہ علیہ و سلّم الیہ و یحتمل ان یّکون قطعہا لہ لعدم الابتذال و یؤیّدہ ماروی التّرمذی عن امّ سلیم بمعناہ"۔

یعنی میں نے مشکیزے کا منہ کاٹ لیا اور اپنے گھر میں حفاظت سے رکھ دیا اور اس سے شفاء حاصل کرنے کے لئے کہ حضور ﷺ کا دہن مبارک اس سے لگا ہے۔[3]

تقریباً یہی عبارت اشعۃ اللمعات ج۳ ص ۵۲۷، حاشیہ ترمذی ج۲ ص ۱۱ اور مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج۶ ص ۷۹ میں موجود ہے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لئے کاٹا ہو کہ کسی اور کا منہ اسے لگنے سے بے ادبی نہ ہو۔ ترمذی نے ام سلیم کا یہی واقعہ نقل کیا ہے۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات ج۴ ص ۵۴۹)
[2] (مشکوٰۃ ص ۳۷۱، ترمذی ج۲ ص ۱۱، ابن ماجہ ص ۲۵۳)
[3] (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۷۱)

حدیث شریف: حضرت عاصم احول رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیالہ دیکھا جو عریض و عمدہ اور چوب نضا (شمشاد یا عود) کا بنا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے چاندی کے تاروں سے جوڑا ہوا تھا۔

قال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقد سقیت رسول اللہ ﷺ فی ھٰذا القدح اکثر من کذا و کذا قال و قال ابن سیرین انہ کان فیہ حلقہ من حدید فاراد انس ان یجعل مکانہا حلقۃ من ذھب او فضۃٍ فقال لہ ابو طلحۃ صلا تغیرن شیئًا صنعہ رسول اللہ ﷺ فترکہ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کو بارہا پانی پلایا، بقول ابن سیرین اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنائیں مگر ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہوا سے تبدیل نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر انہوں نے ویسا ہی رہنے دیا۔[1]

نوٹ: یہ پیالہ نضر بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا اور اس پیالہ سے پانی بھی پیا۔[2]

شفاء شریف میں امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"حدثنا القاضی ابو علی عن شیخہٖ ابی القاسم بن المأمون قال کانت عندنا قصعۃٌ من النبیؐ ﷺ فکنّا نجعل فیھا المآء للمرضٰی فیستشفون بھا"۔

ترجمہ: قاضی ابو علی اپنے شیخ ابو القاسم بن مامون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا ہم اس میں بغرض شفاء بیماروں کو پانی پلاتے تھے۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تبرکات کا محفوظ ہونا

حدیث شریف: **قَالَ سَهْلٌ: فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ حَتَّى جَلَسَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: «اسْقِنَا» لِسَهْلٍ، قَالَ: فَأَخْرَجْتُ لَهُمْ هَذَا الْقَدَحَ، فَأَسْقَيْتُهُمْ فِيهِ، قَالَ أَبُو حَازِمٍ: فَأَخْرَجَ لَنَا سَهْلٌ ذَلِکَ الْقَدَحَ فَشَرِبْنَا فِيهِ، قَالَ: ثُمَّ اسْتَوْهَبَهُ بَعْدَ ذَلِکَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔**

---

[1] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۴۲، مسلم، بخاری ایضاً ج ۱ ص ۴۳۸، شمائل ترمذی ص ۱۴۸، مشکوۃ ص ۳۷۲)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۲۸، شرح شمائل ترمذی للبیجوری، خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ۱۴۸)

[3] (شفاء شریف ج ۱ ص ۲۷۷)

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک روز حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سقیفہ بنی ساعدہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پیالہ میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے اس میں پانی پیا۔ اس پیالے کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مانگ کر لے لیا۔[1]

حضرت امام نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

یعنی القدح الّذی شرب منہ النبیّ ﷺ ھٰذا فیہ التبرّک بآثار النبیّ ﷺ و ما مسّہ او لبسہ او کان مسّہ فیہ سببٌ و ھٰذا نحو ما اجمعوا علیہ و اطبق السّلف و الخلف علیہ من التبرّک بالصّلوۃ فی مصلّی رسول اللہ ﷺ فی الرّوضۃ الکریمۃ و دخول الغار الّذی دخل رسول اللہ ﷺ و غیر ذالک و من ھٰذا عطاء رسول اللہ ﷺ ابا طلحۃ شعرہ لیقسمہ بین النّاس و اعطاءہ ﷺ حقوہ لتکفن فیہ بنتہ و جعلہ الجریدتین علی القبرین و جمعت بنت ملحان عرقہ ﷺ و تمسّحوا بوضوئہٖ ﷺ و دلکوا وجوھھم بنخامتہ ﷺ و اشباہ ھٰذا کثیرۃٌ مشھورۃٌ فی الصّحیح و کلّ ذالک واضح لا شکّ فیہ۔

یعنی وہ پیالہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے پیا اس میں تبرک حاصل کرنا ہے، نبی پاک ﷺ کے آثار سے اور ہر اس چیز سے جسے آپ ﷺ نے مس کیا ہو یا پہنا ہو۔ اور مس کرنے کا سبب اس طرح ہے اور اجماع ہے تبرک حاصل کرنے پر۔ اور عمل رہا ہے اس پر سلف اور خلف حضور سید عالم ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھ کر تبرک حاصل کرنے پر حضور ﷺ کے روضہ مکرم کے قریب اور اس غار میں داخل ہو کر جس میں رسول کریم ﷺ داخل ہوئے اور اس کے علاوہ بہت سے آثار ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بال مبارک عطا فرمائے تا کہ وہ انہیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تقسیم کر دیں اور انہیں حقوہ (ازار) عطا فرمایا تا کہ اس میں اپنی بیٹی کو کفن دیں اور دو قبروں پر آپ ﷺ نے دو تر شاخیں رکھیں اور جمع کیا بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو چہروں پر مل لیتے تھے اور آپ ﷺ کے لعاب دہن کو چہروں پر ملتے۔ اس کی مثل بہت سی مشہور اور صحیح روایات ہیں، سب کی سب واضح ہیں اور ان میں کوئی شک نہیں ہے۔[2]

---

[1] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹)

[2] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۶۹)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے اور ان تبرکات و آثار کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ نیز ان تبرکات سے اپنے مریضوں کے لئے برکت و شفاء حاصل کرتے تھے۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ خود سرور کائنات ﷺ صحابہ کرام کو برکت کے حصول کے لئے اپنے بال مبارک عطا فرماتے تھے۔

حضور ﷺ کی چادر مبارک

حدیث شریف: **عن ابی بردة قال اخرجت الینا عائشة کساء وازارًا غلیظًا فقالت قبض رسول اللہ ﷺ فی ھذین۔**

ترجمہ: حضرت ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک کملی اور ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔[1]

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ سرور کائنات ﷺ کے تبرکات لباس وغیرہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے ہاں محفوظ و موجود تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان تبرکات کی زیارت بھی کرائی جاتی تھی۔

آپ ﷺ کے نعلین مبارک

حدیث شریف: **عن عیسیٰ بن طھمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اخرج الینا انس نعلین جرداوین لھما قبالان فحدثنی ثابت البنانی بعد انس انھما نعلان النبیّ ﷺ۔**

حضرت عیسیٰ بن طہمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ حضرت ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔[2]

اس حدیث پاک سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے نعلین محفوظ تھے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی زیارت بھی کراتے تھے ان شاء اللہ نقشہ نعلین کے متعلق آئندہ مفصل ذکر آرہا ہے۔

---

[1] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۳۸، ایضًا ج ۲ ص ۵۶۸، مشکوٰۃ ص ۳۷۳)

[2] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۳۸)

آپ ﷺ کی تلوار مبارک

حدیث شریف: **عن علی بن الحسین حدثه انهم حین قدموا المدینة من عند یزید بن معاویة مقتل الحسین بن علی لقیه المسور بن مخرمه فقال له هل لک الیّ حاجة تامرنی بها فقلت له لا فقال له هل انت معطیّ سیف رسول الله ﷺ فانّی اخاف ان یغلبک القوم علیه ایماالله لئن اعطیتنیه لا یخلص الیه ابدا حتّٰی تبلغ نفسی۔**

ترجمہ: ”علی بن حسین (امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حدیث بیان کی کہ جب آپ سب حضرات حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے موقعہ پر یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہکے یہاں سے (رہائی پاکر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے ملاقات کی اور کہا اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے حکم دیجئے۔ (امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا) میں نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت فرمائیں گے؟ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کچھ لوگ اسے آپ سے چھین لیں گے اور خدا کی قسم اگر وہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمادیں گے تو کوئی شخص بھی، جب تک میری جان باقی ہے، چھین نہیں سکے گا۔[1]

حدیث شریف: حضرت عتبان ابن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بصارت جاتی رہی:

فبعثت الیٰ رسول الله ﷺ انّی احبّ ان تاتینی تصلی فی منزلی فاتّخذه مصلّٰی قال فاتی النبیّ ﷺ و من شآءالله من اصحابہٖ فدخل و هو یصلّی فی منزلی۔

ترجمہ: میں نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھیں تاکہ آپ ﷺ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کرلوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ چند اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تشریف لائے اور آپ ﷺ نے میرے مکان میں نماز پڑھی۔[2]

شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فی هٰذا الحدیث انواع من العلم تقدم کثیر منها ففیه التّبرک بآثار الصالحین و فیه زیارة العلمآء و الفضلآء و الکبراء و اتباعهم و تبریکهم ایّاهم۔

---

[1](بخاری شریف ج ۱ ص ۴۳۸)

[2] (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۶، ایضاً ج ۱ ص ۲۳۳، سنن ابن ماجه ص ۵۵)

ترجمہ: اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں۔ جو پہلے بہت سی گزر چکی ہیں۔ اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا علماء، فضلاء اور بزرگوں کی زیارت کرنا، ان کی اتباع کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔[1]

مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۳ پر بھی یہی روایت ہے، اس کے تحت امام نووی لکھتے ہیں:

فی ھٰذا الحدیث کثیرۃ منھا التبرک بالصّالحین و آثارھم وفی الصلوٰۃ فی المواضع الّتی صلوا بھا و طلب التبریک منھم۔

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں منجملہ ان کے صالحین اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انہوں نے نماز پڑھی اور ان سے تبرک حاصل کرنا۔[2]

حدیث شریف: وروی ابن عمر واضعًا یدہ علیٰ مقعد النبیّ ﷺ من المنبر ثمّ وضعھا علیٰ وجھہٖ۔

ترجمہ: روایت کی گئی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے منبر میں جو جگہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کی تھی، اسے ہاتھ سے مس کیا اور اس ہاتھ کو برکت کے لئے منہ پر پھیر لیا۔[3]

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کی نسبت اور تعلق نبی پاک اسے ہو، وہ قابل تعظیم ہے:

ومن اعظامہٖ واکبارہٖ ﷺ اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنتہ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ ومامسّہ ﷺ او عرف بہ۔

یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ کے تمام متعلقات اور آپ کے متعلق تمام مقامات مکّہ، مدینہ اور تمام ان چیزوں کی تعظیم کی جائے جن کو آپ نے مس کیا ہو یا جن کا تعلق آپ سے معروف ہو۔[4]

پھر فرماتے ہیں:

واوّل ارضٍ مسّ جلد المصطفیٰ ﷺ ترابھا ان تعظّم عرصاتھا وتنسّم نفحاتھا وتقبّل ربوعھا وجدراتھا۔

ترجمہ: اوّل جس زمین کی مٹی کو حضور ﷺ کے جسم مقدس سے مس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، لازم ہے کہ اس کے میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے در و دیوار کو بوسہ دیا جائے۔[5]

---

1 (نووی ج ۱ ص ۴۷)
2 (نووی ج ۱ ص ۲۳۳)
3 (شفاءشریف ج ۲ ص ۵۳، ۵۴)
4 (شفاءشریف ج ۲ ص ۵۳)
5 (شفاءشریف ج ۲ ص ۵۶)

یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کے جسم اقدس سے مس ہونے والی اشیاء کا ادب حقیقت میں حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم اور باعث خیر وبرکت ہے۔

غرض یہ کہ حبیب اور حبیب کے مقامات، ملبوسات، تبرّکات کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو تیس درّے مارنے کا حکم دیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ منوّرہ کی مٹی خراب ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سرزمین میں افضل الخلائق آرام فرما ہیں، تو کہتا ہے کہ اس سرزمین کی مٹی خراب ہے، تو اس لائق ہے کہ تیری گردن اڑا دی جائے۔[1]

ولهذا كان مالک رحمةالله عليه لا يركب بالمدينة دابّةً وكان يقول استحيِ من الله ان اطأ تربة فيها رسول الله ﷺ بحافر دابّةٍ۔

ترجمہ: اس لئے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منوّرہ میں کسی جانور پر سوار نہیں ہوئے تھے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ جس زمین میں اللہ کے رسول ﷺ آرام فرما ہیں اسے اپنی سواری کی سموں سے روندوں۔"[2]

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است   وے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

(اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم   اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا

(مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حدیث شریف: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"غبار المدينة شفاءٌ من الجُذام"۔

یعنی مدینہ منورہ کا غبار جذام (کوڑھ) کے لئے شفاء ہے۔[3]

وفاء الوفاء میں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

والّذی نفسی بیدہٖ انّ فی غبارها شفآءٌ من کلّ دآءٍ۔

یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مدینہ کے غبار میں ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔[4]

---

[1] (شفاء شریف ص ۲۱۸)
[2] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۴)
[3] (زرقانی علی المواهب، ج۸ ص ۳۳۶)
[4] (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۴۷)

علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مدینہ منورہ کی مٹی میں شفاء ہے لیکن منکر کو نفع نہیں دیتی۔[1]

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "(مدینہ منورہ) کا جو گرد و غبار آپ ﷺ کے چہرہ انور پر پڑ جاتا تو اس کو صاف نہ فرماتے۔ اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کوئی اپنے چہرے اور سر کو گرد و غبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ ﷺ منع فرماتے اور فرماتے کہ خاک مدینہ میں شفاء ہے، جیسا کہ اس کے نام شافیہ سے ظاہر ہے۔[2]

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسں وہی طٰہٰ

(اقبالؔ)

مدینہ منورہ میں یہ برکتیں اور رحمتیں کیوں نہ ہوں جب کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذاتِ بابرکات جو سب سے بڑی نعمت اور برکت ہے یہیں تشریف فرماہے۔ اور پھر سرور کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ میں برکت کے لئے خصوصیت سے دعاء فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس طرح دعاء فرمائی:

اللھمّ اجعل بالمدینۃ ضعفی ما بمکّۃ من البرکۃ، متفق علیہ۔

اے اللہ جو تو نے مکہ میں برکتیں رکھی ہیں، ان سے دوگنی برکتیں مدینہ میں نازل فرما۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض اخبار میں یہ ہے کہ بعض مخصوص جگہوں کی مٹی جنہیں (صعیب) اور (وادی بطحا) کہتے ہیں، ان امراض کے لئے خصوصیت رکھتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض اصحاب سے حکماً فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یہ بات منتقل ہوتی چلی آرہی ہے دواء کیلئے اس مٹی کو لے جانے کے لئے بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جو لوگ حرم کی مٹی کو لے جانے سے منع کرتے ہیں وہ بھی اس خاص مٹی کو اس عموم سے تخصیص کرتے ہیں۔[3]

خیرہ نہ کر سکا مجھ کو جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

---

[1] (زرقانی علی المواھب ج۸ ص ۳۳۵)
[2] (جذب القلوب اردو، ص ۲۱، ۲۲)
[3] (اقبال)(جذب القلوب اردو ص ۲۷)

مدینہ منورہ کی مٹی کھانا

مولوی رشید احمد گنگوھی کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میر ٹھی لکھتے ہیں:

"مولوی محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت نے صندوقچہ میں سے نکال کر مجھے عطاء فرمائی، کہ لو اس کو پھانک لو۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی املی مجھے کھلائی اور ایک دفعہ مدینۃ الرسول (ﷺ) کی مٹی عطاء فرمائی کہ لو اس کو کھالو، میں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا حرام ہے؟ آپ نے فرمایا "میاں! وہ مٹی اور ہوگی۔"[1]

مولوی عبید اللہ انور صاحب اپنا ذاتی مشاہدہ بیان فرماتے ہیں: "مدینہ منورہ کی خاک شفاء سے ایک جہاں ہمیشہ فائدہ اٹھاتا آیا ہے میں نے خود بچپن میں اکثر مرتبہ عورتوں کی پیشانی پر، آنکھوں پر، ہاتھ اور مختلف اعضاء پر، خاک شفاء کا لیپ کرتے دیکھا اور ان خوش قسمت انسانوں سے سنا کہ بیسیوں ادویہ کے استعمال سے شفاء نہ ہوئی اور اللہ شفاء دینے پر آیا تو روضۂ اطہر کی خاک شفاء ہی انکی شفاء کا باعث بنی۔"

جب خاکِ مدینہ میں یہ نفع ہے۔ تو جس نبی کے صدقے یہ مقام ملا اس نبی کی ذات میں کتنا نفع ہوگا۔ (مؤلف)

ترابِ مدینہ کا شرف و مجدّ

قدرتاً اس گنہگار کو کان پڑی یہ بات وہاں یاد آئی تو ایک عالم ربّانی سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مدینہ پاک کی ساری ہی چیزیں ہمارے لئے شفاء ہیں۔ اور ترابِ مدینہ اور زمین کا وہ حصہ بالخصوص جو وجود مسعود سے اقرب ہے۔ اور زمین کی اس قدر گہرائی کہ جہاں خوشبو اور رنگت دیگر اجزاء سے قدرے زیادہ معطر و منوّر ہے۔ یقیناً وہ ذرّاتِ ارضِ پاک مدینہ سے زیادہ شفاء یاب و جہاں تاب ہیں۔ یہ چیزیں عقیدت ادب، اور اطاعت کرنیوالوں کے لئے باور کرنا چنداں مشکل نہیں۔

ہمارے حضرت (عبید اللہ انور کے والد مولوی احمد علی لاہوری) کو حرمین شریفین کے ان خوش قسمت اغوات سے اکثر و بیشتر شرف ملاقات حاصل ہوتا۔ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ روضۂ اطہر کی جالی کے اندر قبر شریف پر جو غلاف خاص زیبِ تعویذ ہے، اس غلاف مکرم کی خاک پاک جو میسر آئی تو حضرت کو ایک آغا نے ہدیۃً پیش کیا۔ حضرت اقدس نے روضۂ رسول اکی خاک مقدس جوش عقیدت میں اپنے سرمے میں شامل فرما کر زیب چشم فرمانا شروع کی خدا کا کرنا چند دنوں بعد دور و نزدیک کی نگاہ میں جو کمزوری تھی وہ قطعی طور پر دور ہوگئی۔ اور پھر وفات تک حضرت نے نزدیک اور دور کے چشمے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"[2]

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء   تا ببینی ابتداء تا انتہاء

---

[1] (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۴۸)

[2] (ھفت روز 'خدام الدین' لاھور یکم ربیع الثانی، ۱۳۸۸ھ، ۲۹ جون ۱۹۶۸ء، جلد ۱۴، شمارہ ۸)

اور غیر اختیاری طور پر یہ شرف تمام حاضر مدفن شریف سالکان کرام رحمہ اللہ بروز وصال سیدنا و مرشدنا قطب عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاصل ہوا کیونکہ تیز ہوا چل رہی تھی اور مدفن مبارک کا خاک و غبار سالکین کے ابدان اور چشم میں آتے رہے۔

فالحمدللہ علی ذالک حمدا کثیرا

حدیث شریف: عباد بن عبد الصمد روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئے انہوں نے اپنی لونڈی سے فرمایا دستر خوان لے آؤ۔ ہم کھانا کھائیں گے۔ اس نے لا کر بچھا دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رومال بھی لے آؤ، وہ ایک رومال لے آئی، جو میلا تھا۔ فرمایا اس کو تنور میں ڈال دو۔ لونڈی نے تنور میں ڈال دیا جو آگ کے شعلے مار رہا تھا۔

فخرج ابیض کانّہ اللّبن فقلنا ما ھٰذا؟ قال ھٰذا مندیلٌ کان رسول اللہ ﷺ یمسح بہٖ وجھہ فاذا انسلخ صنعنا بہ ھٰکذا الانّ النّار لا تأکل شیئًا مرّ علٰی وجوہ الانبیآء۔

"نکالا تو ایسا سفید تھا جیسا دودھ ہم نے حیران ہو کر کہا یہ کیا بات ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ وہ رومال ہے جس سے حضور ﷺ اپنا چہرہ مبارک صاف کیا کرتے تھے۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اس کو اسی طرح کرتے ہیں کیونکہ جو چیز انبیاء کرام علیہم السلام کے چہروں کو مس ہو جائے آگ اسے نہیں جلاتی۔"[1]

نبی پاک ﷺ کے لمس کی برکت سے وہ رومال جلنے سے محفوظ رہا۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رومال کو بطور تبرک اپنے ہاں محفوظ کیا ہوا تھا اور دوسروں کو اس کی زیارت کراتے اور اس کے کمال سے آگاہ فرماتے تھے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے دلِ ترسندہ از نارِ عذاب | باچنیں دست و دہن کن انتساب

یعنی اے دل اگر تجھے دوزخ کی آگ کا خوف ہے تو ان ہاتھوں اور لبوں سے وابستہ ہو جا۔

حدیث شریف: عن حنظلۃ بن خذیم انّ النّبیّ ﷺ مسح رأسہ بیدہٖ وقال لہ بورک فیک قال الزّیال فرأیت حنظلۃ یؤتی بالشّاۃ الوارم ضرعھا والبعیر والانسان بہ الوارم فیتفل فی یدہٖ ویمسح بصلعتہٖ ویقول بسم اللہ علیٰ اثر ید رسول اللہ ﷺ ویمسحہ ثمّ یمسح موضع الورم فیذھب الورم۔

حضرت حنظلہ بن خذیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا تم میں برکت دی گئی۔ حضرت زیال فرماتے ہیں اس کے بعد ان کی کیفیت یہ ہوئی کہ کسی بکرے کے تھنوں یا اونٹ یا انسان کے کسی مقام پر ورم ہو جاتا تو اس کو حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے آتے۔ اور وہ اپنے ہاتھ پر لعاب دہن

---

[1] (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۸۰)

ڈال کر اپنے سر پر ملتے اور فرماتے: "بسم اللہ علی اثر ید رسول اللہ ﷺ" پھر وہ ہاتھ ورم کی جگہ رکھ دیتے تو ورم فوراً اتر جاتا۔[1]

حضور سید عالم ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن میں ان کے سر پر اپنا دستِ رحمت رکھا مگر آپ کے دستِ مبارک کی برکتیں ساری زندگی حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر میں موجود رہیں اور پھر یہ برکتیں بیماروں کی شفاء کا سبب بنیں۔

حدیث شریف: حضرت ابو عبد الرحمن اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ احمد بن فضلویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے غازی اور زاہد تھے اور بڑے تیر انداز تھے۔ ان کے پاس ایک کمان تھی جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا تھا۔

وہ فرماتے ہیں:

مامسست القوس بیدی الاّ علی طھارۃٍ منذ بلغنی انّ النبیّ ﷺ اخذ القوس بیدہٖ۔

ترجمہ: "جب سے مجھے معلوم ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے اس کمان کو دست مبارک سے چھوا ہے۔ تو میں نے کبھی اس کو بے وضو ہاتھ نہیں لگایا۔"[2]

معلوم ہوا کہ جس چیز کو اللہ کے حبیب ﷺ سے تعلق ہو جاتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے جان سے زیادہ عزیز سمجھتے اور محفوظ رکھتے۔ نیز اس کی دل و جان سے تعظیم کرتے تھے۔

حدیث شریف: حضرت صفیہ بنت نجدہ فرماتی ہیں:

کان لابی محذورۃ قُصّۃٌ فی مقدم رأسہٖ اذا قعدو ارسلھا اصبت الارض فقیل لہ الا تحلقھا فقال لم اکن بالّذی احلقھا و قدمسّھا رسول اللہ ﷺ بیدہٖ۔

ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (موذن اہل مکہ) کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا گچھا تھا جب وہ بیٹھتے اور اسے کھولتے تو بال زمین سے لگ جاتے۔ کسی نے کہا ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ تو فرمایا ان کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک ان کو لگا ہوا ہے۔[3]

---

[1] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۸۳)

[2] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۴)

[3] (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳)

حدیث شریف: حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

انّ رسول اللہ ﷺ اتیٰ بقصعةٍ فاکل منھا فضلت فضلةً فقال یجیءُ رجلٌ من ھٰذا الفج من اھل الجنة فتأکل ھٰذا الفضلة فجاء عبداللہ بن سلام فاکلھا۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیالہ حاضر کیا گیا۔ آپ انے اس سے کچھ کھایا اور کچھ بچا دیا پھر فرمایا، اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا جو بچا ہوا کھائے گا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے اسے کھالیا۔[1]

حضور اکرم ﷺ کا بچا ہوا کھانا، بابرکت اور باعث رحمت ہے۔ کیا خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہیں یہ کھانا نصیب ہوا۔

بچے ہوئے کھانے میں برکت

حدیث شریف: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ اذا اتی بطعامٍ اکل منہ و بعث بفضلہٖ الیّ۔

ترجمہ: ”حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں کھانا آتا آپ ﷺ اس سے تناول فرماتے اور بچا ہوا کھانا میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔“[2]

شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں:

قال العلمآء فی ھٰذا انّہ یستحبّ للاٰکل و الشّارب ان یّفضل ممّا یأکل و یشرب فضلة لیواسی بھا لا سیما ان کان ممّن یّتبرّک بفضلہٖ۔

یعنی ”علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ کھانے اور پینے والے کیلئے مستحب ہے کہ کھانے پینے کی چیز میں سے کچھ بچاوے تاکہ وہ دوسروں کو بھی کچھ مل جائے بالخصوص اگر یہ شخص ایسا ہو کہ اس کے پس خوردہ کو تبرک سمجھا جاتا ہو۔“[3]

اسی مسلم شریف میں دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

سأل عن موضع اصابعہٖ فیتبع موضع اصابعہٖ۔

یعنی آپ ﷺ کی انگلیوں کے بارے میں دریافت کیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کی جگہ کو تلاش کیا۔

فیہ التبرک بآثار الخیر فی الطّعام و غیرہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ کھانے وغیرہ میں آثار خیر سے تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔[4]

---

[1] (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۰)
[2] (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۸۳، مشکوۃ شریف ص ۳۳۵)
[3] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۸۳)
[4] (نووی شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

حدیث شریف: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے تھے تو ان کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے وہ حضور ﷺ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھیں۔ حضور ﷺ اس پر آرام فرماتے۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آتا تھا، تو وہ حضور ﷺ کا پسینہ جمع کر لیتی تھیں اور اسے اپنی خوشبو میں ڈال لیتی تھیں۔

فقال النبیّ ﷺ یا امّ سلیمٍ رضی اللہ عنہا ما ھٰذا قالت عرقک نجعلہ فی طیبنا و ھو اطیب و فی روایةٍ قالت یا رسول اللہ ﷺ نرجو ابرکتہ لصبیاننا قال اصبت۔ متفق علیہ۔

یعنی "نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے امّ سلیم! یہ کیا ہے۔ عرض کیا حضور آپ ﷺ کا پسینہ مبارک ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈال لیتے ہیں۔ اور یہ بہترین خوشبو ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کی برکت سے اپنے بچوں کے لئے امید رکھتے ہیں۔ فرمایا تم نے ٹھیک کیا۔"[1]

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

امید داریم برکت عرق ترا برائے خردان خود می مالیم آں را بر روہائے ایشاں و بدنہائے ایشاں تا ببرکتِ آں از ہمہ بلاہا محفوظ باشند گفت آنحضرت راست گفتی تو و خوب کردی۔

یعنی ہم آپ ﷺ کے پسینہ مبارک سے برکت کی امید رکھتے ہیں اپنے بچوں کے لئے اور اس پسینے کو بچوں کے چہروں اور بدنوں پر ملتے ہیں تاکہ اس کی برکت سے تمام مصیبتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "امّ سلیم! تو نے سچ کہا اور بہت اچھا کیا۔"[2]

یہی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

"قال ما ھٰذا الّذی تصنعین یا امّ سلیمٍ قالت اجعل عرقک فی طیبی"۔

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے اے امّ سلیم؟ انہوں نے عرض کیا میں آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو اپنی خوشبو میں ملاتی ہوں۔[3]

اس کی شرح میں امام الحافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فیہ استحباب التبرّک و التقرّب بآثار الصّالحین قیل لمّا حضرت انس بن مالک الوفاة اوصٰی ان یّجعل فی حنوطٍ من ذالک الطّیب۔

---

[1](مشکوۃ شریف ص ۵۱۷، مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۷، بخاری شریف ج ۲ ص ۹۲۹، نسائی شریف ج ۲ ص ۳۰۱، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۲، شفاء شریف ج ۱ ص ۵۱)
[2] (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۸۸)
[3](سنن نسائی ج ۲ ص ۳۰۱)

یعنی اس میں جواز ہے صالحین سے تقرب اور تبرک حاصل کرنے کا۔ کہتے ہیں جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو وصیّت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد اس خوشبو کو میری خوشبو میں ملا دینا۔[1]

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اپنے بچوں کے چہروں اور بدنوں پر بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے ملتے تھے۔ نیز آپ کا پسینہ مبارک ہر خوشبو سے بہترین خوشبو تھا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو پہچان لیتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ اذا مرّ فی طريقٍ من طرق المدينه وجدوا منه رائحة الطّيب وقالو امرّ رسول الله ﷺ من هٰذا الطّريق۔

یعنی حضور ﷺ جب مدینہ منورہ کے راستوں میں کسی راستے سے گزرتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کی خوشبو پاتے اور کہتے حضور ﷺ اس راستے سے گزرے ہیں۔[2]

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار — ادنیٰ سی یہ شناخت تیری رہگذر کی ہے

ز نسیم جاں فزایت تن مردہ زندہ گردد — ز کدام باغ اے گل کہ چنیں خوش است بویت

حدیث شریف: حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كان النّبیّ ﷺ يستاك فيعطنی السّواك لاغسله وادفعه اليه۔

یعنی نبی کریم ﷺ مسواک کر کے مجھے دھونے کے لئے دیتے تھے، تو پہلے اس سے مسواک کر لیتی تھی اور پھر دھو کر آپ کو دیتی تھی۔[3]

امام ملّا علی قاری فرماتے ہیں:

قال الطّيبی ای قبل الغسل استاك به تبرّ كاً۔

یعنی ”طیبی فرماتے ہیں یعنی دھونے سے پہلے تبرکاً مسواک کرتی تھی۔“[4]

---

[1] (حاشیہ نسائی ج ۲ ص ۳۰۱)
[2] (خصائص کبری ج ۱ ص ۶۷)
[3] (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵)
[4] (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۵)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت ہے:

"ازیں جا معلوم می شود کہ مسواک یکبار کردند واز دہن جدا ساختند بشویند تا بار دگر بکنند وتنبیہ است بر تبرک بآثار صالحین و تلذّذ بدان"۔

اس سے معلوم ہوا مسواک ایک بار کر کے منہ سے جدا کرنے کے بعد دھونا اور دوسری بار کرنا اور اس میں تنبیہ ہے صالحین کے آثار سے تبرک اور لذت حاصل کرنے کی۔[1]

حدیث شریف: عن انس قال لقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ والحلّاق یحلقہ واطاف بہ اصحابہ فما یریدون ان یّقع شعرۃً الّا فی ید رجلٍ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجّام آپ ﷺ کے سر مبارک کو مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھے تھے کہ جو بال گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔[2]

مسلم شریف کی شرح نووی میں اس کے تحت ہے:

وفیہ التبرّک بآثار الصّالحین وبیان ماکانت الصّحابۃ علیہ من التبرّک بآثارہ ﷺ وتبرّکھم بادخال یدہ الکریمۃ فی الاٰنیۃ وتبرّکھم بشعرہ الکریم واکرامھم ایّاہ ان یّقع منہ الّا فی ید رجلٍ سبق الیہ۔

اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کا جواز ہے اور بیان ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے اور برتنوں میں آپ کے دست مبارک کے داخل کرنے سے برکت حاصل کرنے اور آپ کے مبارک بالوں سے برکت حاصل کرنے اور ان کی تعظیم کرنے کا بیان ہے۔ اور جو بال مبارک گرتا، اسے بڑھ کر کوئی نہ کوئی اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔[3]

خود سرور کائنات ﷺ کا بال مبارک تقسیم کرانا

حدیث شریف: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ پر آئے اسے کنکر مارے پھر اپنے منیٰ کے خیمے میں تشریف لائے اور قربانی کا جانور ذبح کیا۔

ثم دعا بالحلّاق وناول الحلاق شقہ الایمن فحلّقہ ثمّ دعا ابا طلحۃ الانصاری فاعطاہ ایّاہ ثمّ ناول الشّق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ ابا طلحۃ فقال اقسمہ بین النّاس متفق علیہ۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۱۴)

[2] (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۵۶، شفاء شریف ج ۲ ص ۳۸، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

[3] (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶)

یعنی پھر آپ ﷺ نے مونڈنے والے کو بلایا اور اسے اپنی داہنی جانب پیش کی اس نے مونڈ دی۔ پھر ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا وہ بال انہیں عطا فرمادیئے۔ پھر بائیں جانب حالق کے سامنے پیش کی، فرمایا مونڈ دو اور اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔[1]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ خود اپنے بال مبارک تقسیم کراتے تھے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بطور تبرک محفوظ رہیں اور وہ اس سے شفاء و برکت حاصل کریں۔

سوکھے دہانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے　　　چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

(مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"پس گفت قسمت کن ایں را میانِ مردم پس بہر یکے را یکتارہ موئے و دوتارہ موئے نصیب رسیدہ گویا شاعر بایں قصہ اشارت کردہ است۔"

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا ان بالوں کو تقسیم کرو لوگوں میں، پس ایک ایک بال اور دو دو بال ہر ایک کے حصّہ میں آئے، گویا شاعر نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔[2]

مرا از زلف تو موئے بسند است　　　فضولی میکنم بوئے سند است

اسی طرح آپ ﷺ نے ناخن مبارک تراشے اور حاضرین میں تقسیم فرمائے۔ یہ برکتیں امّت کے درمیان آج باقی ہیں کہ باعث ذکر و یاد کے لئے حضور ﷺ کے وجود شریف کے اجزاء گویا ان کی طرف سے سند ہیں اور جو شاعر نے کہا اس سے یہی مراد ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح مسلم شریف اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

منھا التّبرّک بشعرہ ﷺ و جواز اقتنائه للتبرّک۔

یعنی "اس حدیث سے حضور ﷺ کے مبارک بالوں سے برکت حاصل کر کے محفوظ کرنے کا جواز ہے۔"[3]

---

[1] (ترمذی ج ۱ ص ۱۸۱، مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۲، مسلم شریف ج ۱ ص ۴۲۱)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۵۹، ۳۵۸)

[3] (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۲۱)

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی (العرف الشذی شرح ترمذی میں) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

اقسم بین النّاس ای للتبرّک وھٰذا یدلّ علیٰ اخذ التبرّکات و تبرّکاتہ علیہ السّلام کثیرۃٌ منھا البردۃ العبّاسیّہ ھٰذا البردہ اعطی النبیّ ﷺ کعب بن زھیر حین قرأ قصیدہ بانت سعاد فی حضرتہ علیہ السّلام و اشتراھا العباسیّون۔

یعنی ”ان بالوں کو لوگوں میں تقسیم کر دو! یعنی تبرک کے لئے اور یہ حدیث پاک دلیل ہے تبرکات کے حاصل کرنے اور نبی کریم ﷺ کے تبرکات کثرت سے ہیں۔ ان میں عباسیوں کی وہ چادر جو حضور ﷺ نے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔ جب اس نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں قصیدہ بانت سعاد پڑھا تھا، اس چادر مبارک کو عباسیوں نے خرید لیا تھا۔
“

ردائے مبارک کا عطا کیا جانا اتنا بڑا اعزاز تھا کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دنیا جہاں کی ساری نعمتیں اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ جب تک وہ حیات رہے، انہوں نے اس بردہ شریف کو سینے سے لگا کر رکھا اور تنگدستی کے باوجود کسی قیمت پر بھی اس کو جدا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ”تاریخ الخلفاء“ میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چادر مبارک کو دس ہزار درہم میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خریدنا چاہا، لیکن انہوں نے اس متاع عزیز کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عقبہ المضرب نے یہ بردہ شریف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ باختلاف روایت بیس، تیس، یا چالیس ہزار درہم میں فروخت کر دی۔[1]

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اور انور شاہ کشمیری صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی امت میں آج تک آپ ﷺ کے تبرکات محفوظ ہیں۔ منکرین کا یہ کہہ کر مسلمانوں کو تبرکات کی زیارت سے روکنا کہ یہ تبرکات ”جعلی“ ہیں، یہ ایک قسم کا دھوکہ اور فریب ہے اور مسلمانوں کو ان برکات سے محروم کرنے کی نجدی سازش ہے۔ اگر بعض تبرکات منسوبی ہیں تو بعض دیگر منصوصی اور بعض دیگر ثابت بالسند والتواتر ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ان مبارک بالوں سے شفاء حاصل کرنا

حدیث شریف: حضرت عثمان ابن عبد اللہ ابن موہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے گھر والوں نے حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا پیالہ دے کر بھیجا اور جب کسی آدمی کو نظر بد یا کوئی شئ لاحق ہو جاتی تو ان کے پاس برتن میں پانی ڈال کر بھیجتے تھے تو:

[1] (تبرکات نبوی ص ۴۰)

فاخرجت من شعر رسول اللہ ﷺ و کانت تمسکه فی جلجل من فضّةٍ فخضخضته له فشرب منه قال فاطّلعت فی الجلجل فرأیت شعراتٍ حمراء رواه البخاری۔

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کا بال مبارک نکالتیں، انہوں نے حضور ﷺ کا بال چاندی کی کپّی میں رکھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے لئے وہ بال ہلا دیتیں اس سے انہوں نے پیا، فرماتے ہیں میں نے کُپّی میں جھانکا تو چند سرخ بال مبارک تھے۔[1]

علّامہ امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

و الحاصل من مّعنی الحدیث انّه کان عند امّ سلمة رضی اللہ عنها شعرات من شعر النبیّ ﷺ حمرٌ فی شیءٍ لیشبه الجلجل و کان النّاس یستشفون بها من المرض فتارة یجعلو نها فی قدحٍ من مآءٍ ویشربو نه و تارةً فی اجانة من المآء فیجعلون فی الّذی فیه الجلجل الذی فیه شعره الشریف۔

یعنی حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے بال مبارک حضرت امّ المؤمنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے جو سرخ رنگ کے تھے۔ جو (گھنگرو نما) کُپّی میں تھے۔ لوگ اس سے بیماروں کے لئے شفاء حاصل کرتے تھے۔ کبھی اس کو پانی کے پیالے میں رکھتے اور اس کو پیتے اور کبھی پانی کے برتن میں اس کُپّی کو رکھتے جس میں حضور ﷺ کے بال مبارک تھے۔[2]

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے بال شریف کو دافع البلاء باعث شفاء سمجھتے تھے، کہ انہیں پانی میں غسل دیکر شفاء حاصل کرنے کے لئے پیتے تھے۔ کیوں نہ ہو جب یوسف علیہ السلام کی قمیص دافع بلاء ہو سکتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم فرمارہا ہے **اذهبوا بقمیصی** تو حضور ﷺ کے بال شریف تو بدرجہ اولیٰ دافع بلاء ہوسکتے ہیں۔ اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے بال شریف کی زیارت کرنے جاتے تھے۔[3]

صحابہ و تابعین کی کس قدر پاکیزہ مبارک سوچ تھی کہ مشکلات سے نجات، بیماری سے شفایابی کے لئے نسبتِ رسول ﷺ (موئے مبارک شریف) سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے درجات بلند فرمائے کہ انہوں نے زلفوں والے آقا ﷺ کی عقیدت و محبت کس قدر حکمت بھرے انداز سے عاشقین مصطفی ﷺ کے قلوب میں منتقل فرمادی تھی۔

آپ ﷺ کے بال مبارک صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس محفوظ تھے

---

[1] (بخاری ج ۲ ص ۸۷۵، مشکوٰۃ شریف ۳۹۱)
[2] (حاشیہ البخاری ج ۲ ص ۸۷۸)
[3] (مرأۃ شرح مشکوۃ ج ۶ ص ۲۴۹)

حدیث شریف: **عن ابن سیرین قال قلت لعبیدة عندنا من شعر النبیّ ﷺ اصبنا من قبل انسٍ او من قبل اھل انسٍ فقال لان تکون عندی شعرة منہ احبّ الیّ من الدّنیا و ما فیھا۔**

یعنی "حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اہل انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملے ہیں، یہ سن کر حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔[1]

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ موئے مبارک کا فیض منقطع نہیں ہوا بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا برکتوں کا نزول بڑھتا ہی چلا گیا۔

سب سے پہلا بال مبارک ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آیا

حدیث شریف:

عن انسٍ انّ رسول اللہ ﷺ لمّا حلق رأسہ کان ابو طلحة اوّل من اخذ من شعرہٖ۔

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے سر مبارک منڈوایا تو سب سے پہلے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال لئے۔[2]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات ﷺ کے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس محفوظ تھے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے بال مبارک کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی برکت سے فتح و نصرت

حدیث شریف: سعید بن منصور اور ابن سعد و ابو یعلیٰ و حاکم و بیہقی اور ابو نعیم نے عبد الحمید بن جعفر سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے:

انّ خالد بن ولیدٍ فقد قلنسوة لہ یوم الیرموک فطلبھا حتّٰی وجدھا وقال اعتمر رسول اللہ ﷺ فحلق رأسہ فابتدروا النّاس جوانب شعرہٖ فسبقتھم الٰی ناصیّةٍ فجعلتھا فی ھٰذہ القلنسوة فلم اشھد قتالاً وھی معی الّا رزقت النّصر۔

---

[1] (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۹)

[2] (بخاری شریف، جلد اول، کتاب الوضو باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہو گئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تلاش کیا یہاں تک کہ اسے حاصل کر لیا۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کرنے کے بعد سر منڈایا تو لوگوں نے مختلف طرف کے بالوں کو حاصل کرنے میں جلدی کی اور میں ان کی پیشانی مبارک کی جانب کے بال مبارک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کے بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں محفوظ کر لیا۔ میں کسی جہاد میں نہیں حاضر ہوا مگر یہ ٹوپی میرے پاس رہی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر حالت اور ہر موقع پر مجھے فتح عطا فرمائی۔[1]

اس حدیث میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی برکت سے فتح و نصرت حاصل کرنے کا بیان ہے، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے صحابہ کا کامل یقین تھا کہ حضور ﷺ کے بال مبارک باذن اللہ دافع البلاء اور فتح و نصرت کا ذریعہ ہیں۔ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے توسل کرتے تھے۔

حدیث شریف: حضرت امام قاضی عیاض نے شفاء شریف میں روایت درج فرمائی:

و کانت فی قلنسوۃ خالد بن ولید شعرات من شعرہ ﷺ فسقطت قلنسوتہ فی بعض حروبہ فشدّ علیھا شدّۃً انکر علیہ اصحاب النبیّ ﷺ لکثرۃٍ من قتل فیھا فقال لم افعلھا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمّنہ من شعرہ ﷺ لئلّا اسلب برکتھا و تقع فی ایدی المشرکین۔

ترجمہ: ”حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے۔ کسی لڑائی میں ان کی ٹوپی گر گئی، انہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے شدت سے تلاش کی، حضور ﷺ کے صحابہ نے ان کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس لئے کہ اس لڑائی میں کثرت سے لوگ شہید ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے محض ٹوپی کے لئے ایسا نہیں کیا، بلکہ حضور ﷺ کے بالوں کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ مبارک بال کافروں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔“[2]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار اہل ایمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تبرکات چھیننے میں حریص ہیں تاکہ مسلمان ان کی خیر و برکات اور ان کے ذریعے نصر و فتح و حفاظت سے محروم رہیں۔ (معاذ اللہ) پس آجکل بعض لوگوں کا پرانے تبرکات کو لوگوں سے خریدنا اور اکٹھا کرنا اس سازش کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بال مبارک کے متعلق وصیت کرنا

1 (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

2 (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۳ ص ۳۷، شفاء شریف ج ۲ ص ۵۳، ایضا ج ۱ ص ۲۷۶)

حدیث شریف: حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ بنانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے مبارک بالوں میں سے ایک بال ہے، جب میں فوت ہو جاؤں تو میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ وصیت کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔[1]

صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم موئے مبارک شریف سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے ان کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بڑھ کر موئے مبارک کو اہمیت حاصل تھی۔

حدیث شریف: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[2]

حدیث شریف: شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: مروی ہے کہ حضور ﷺ کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ اس کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے۔ اور عرض کرتے کہ یہی تبرکات تو میرا سرمایہ ہیں اور فرماتے یہ اس ذات کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ کمرہ کے اندر رکھے ہوئے تبارکات یہ تھے: چارپائی، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک جوڑا موزہ، چکی اور ترکش جس میں چند تیر تھے۔ تکیہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا، ایک شخص کو سخت بیماری لاحق ہوئی جس سے اسے شفا نہیں مل رہی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں ذکر کیا گیا اور پھر آپ کی اجازت سے اس کی چکنائی میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکایا گیا جس سے وہ تندرست ہو گیا۔[3]

حضور ﷺ کے بال کی بے ادبی کرنے والا جہنمی ہے

حدیث شریف: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

سمعت رسول اللہ ﷺ وھو اخذ شعرۃً یقول من اذیٰ شعرۃً من شعری فالجنّۃ علیہ حرامٌ۔

[1] (اصابہ ترجمہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ)
[2] (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۰۰)
[3] (مدارج النبوۃ اردو، ج ۲ ص ۱۰۴۵)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ اپنا ایک بال مبارک اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے فرمارہے تھے جس نے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی تو اس پر جنت حرام ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ جس نے حضور ﷺ کے مبارک بالوں کا ادب کیا وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہوا اور جس نے ذرہ برابر بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کیا وہ محروم رہا۔ ان کی بے ادبی حرمان و بد بختی کا سبب ہے۔

مولوی محمد زکریا سہارنپوری نے "فضائل درود شریف" میں علامہ سخاوی کی "القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع" سے نقل کیا ہے: "ابو حفص سمرقندی اپنی کتاب رونق المجالس میں لکھتے ہیں کہ بلخ میں ایک تاجر تھا جو بہت زیادہ مالدار تھا، اس کا انتقال ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے، لہٰذا میراث میں اس کا مال آدھا آدھا تقسیم ہو گیا۔ لیکن ترکہ میں تین بال بھی حضور اقدس ﷺ کے موجود تھے، ایک ایک دونوں کے حصہ میں آیا۔ تیسرے بال کے متعلق بڑے بھائی نے کہا اس کو آدھا آدھا کر لیں۔ چھوٹے نے کہا ہرگز نہیں، خدا کی قسم حضور ﷺ کا موئے مبارک کاٹا نہیں جاسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا کیا تو اس پر راضی ہے کہ تینوں بال تو لے لے اور یہ مال سارا کا سارا میرے حصے میں لگا دے۔ چھوٹا بھائی خوشی سے راضی ہو گیا۔ بڑے بھائی نے سارا مال لے لیا اور چھوٹے بھائی نے تینوں موئے مبارک لے لئے۔ وہ ان کو اپنی جیب میں رکھتا اور بار بار نکالتا ان کی زیارت کرتا اور درود شریف پڑھتا، تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ بڑے بھائی کا سارا مال ختم ہو گیا۔ اور چھوٹا بھائی بہت مالدار ہو گیا۔ جب اس چھوٹے بھائی کی وفات ہوئی تو صلحاء میں سے بعض نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو کوئی ضرورت ہو تو اس کی قبر کے قریب بیٹھ کر اللہ جلّ شانہ سے دعا کیا کرے۔[2]

نزھۃ المجالس میں بھی یہ واقعہ مختصراً منقول ہے لیکن اتنا اس میں اضافہ ہے کہ بڑا بھائی جس نے سارا مال لے لیا تھا، بعد میں فقیر ہو گیا تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور حضور ﷺ سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا: او! محروم تو نے میرے بالوں میں بے رغبتی کی اور تیرے بھائی نے ان کو لے لیا۔ اور وہ جب ان کو دیکھتا ہے مجھ پر درود بھیجتا ہے، اللہ جلّ شانہ نے اس کو دنیا و آخرت میں سعید بنا دیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو آکر چھوٹے بھائی کے خادموں میں داخل ہو گیا۔[3]

مقام عبرت:

[1] (کنز العمال ج ۲ ص ۲۷۲، جامع صغیر ص ۴۵، البرہان فی خصائص حبیب الرحمن ا ص ۵۹)

[2] (بدیع)

[3] (فضائل درود ص ۹۴، ۹۳)

موجودہ مروجہ تبلیغی جماعت جو کہ عقیدہ جبریہ اور تحریف آیات قرآن و حدیث اور ابطال شعب دین اور توہین علماء صوفیاء اور ترویج عقائد محمد ابن عبدالوہاب نجدی و دیگر خوارج میں مصروفِ عمل ہے۔ اور تبرکات سے انکار کرتے ہیں اور توسل و تصوف کے بھی منکر ہیں اور اپنے رئیس مولوی محمد زکریا دیوبندی کے اقوال مندرجہ در فضائل اعمال سے بھی منکر ہیں۔ اس واقعہ سے عبرت لیں۔

حضرت ابو العباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس موئے مبارک

امام الاولیاء سیدی داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت ابو العباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرو کے کھاتے پیتے خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ باپ کے فوت ہونے پر آپ کو وراثت میں بہت زیادہ دولت ملی تھی۔ آپ کو پتہ چلا کہ فلاں کے پاس رحمتِ عالم ﷺ کے دو موئے مبارک ہیں۔ آپ نے وہ خرید لئے۔ ان موئے مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق عطا کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ولی بنا لیا۔ پھر آپ نے یعنی خواجہ مہدی سیاری نے حضرت خواجہ ابو بکر واسطی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کی خدمت میں رہ کر وہ مقام پایا کہ اولیائے کرام کے ایک گروہ کے امام بن گئے اور پھر جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ یہ دونوں بال مبارک میرے منہ میں رکھ دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ان کا مزار مبارک مرو میں مشہور ہے۔

چنانچہ سرکار گنج بخش قدس سرہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

"وامروز گور او بمرو ظاہر است مردماں بحاجت خواستن آنجا شوند و مہمات از آنجا طلبند و مجرب است"۔

یعنی "مہدی سیاری کا مزار شریف مرو میں مشہور ہے، لوگ وہاں اپنی حاجتیں لے کر جاتے ہیں اور وہاں جا کر اپنی مہمات (حاجتیں) طلب کرتے ہیں، ان کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں، اور یہ مجرب ہے۔"[1]

شاہ ولی اللہ کا مرتبہ و مقام

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت اور حضور کی سنتوں پر عمل کو آپ نے اپنا وظیفہ بنا لیا تھا۔ آپ کی

---

[1] (کشف المحجوب ص ۱۴۳)

ذات موئے مبارک کی زیارت کرنے والوں اور اس سعادت سے محروم یعنی دونوں ہی طبقوں کے نزدیک معتمد علیہ ہے۔ آپ دینِ اسلام کی خدمت میں اپنے شب وروز صرف کرتے رہے یہاں تک کہ آپ پر کرم نوازیوں کی بارشیں اس انداز میں ہوئیں کہ آپ علیہ الرحمۃ خود اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"رأیت الامامین الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما فی منام و انا یؤمئذٍ بمکّۃ کانّھما اعطیانی قلمًا وّ قالا ھٰذا قلم جدّنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔

یعنی "میں نے دونوں امام یعنی امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی زیارت خواب میں کی اور اس دن میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ انہوں نے مجھے ایک قلم عطا کیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے نانا جان رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔"[1]

اس عظیم الشان بشارت سے معلوم ہوا کہ حق کے پرچار کے لئے آپ کو منتخب کر لیا گیا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ "جب میرے والد ماجد نے آخری عمر میں تبرکات تقسیم کئے تو ایک بال مبارک مجھے بھی عنایت ہوا۔"

حضور ﷺ کے بال مبارک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پاس

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد شاہ عبد الرحیم نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"حضرت والد صاحب فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھے بخار آگیا اور اس بیماری نے طول پکڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا اور مجھے نیند آگئی۔ غنودگی کے عالم میں حضرت شیخ عبد العزیز ظاہر ہوئے فرماتے تھے بیٹا! حضرت پیغمبر ﷺ تمہاری عیادت کے لئے تشریف لا رہے ہیں اور ممکن ہے آپ ﷺ اس طرف سے تشریف لائیں اور تمہارے پاؤں اس طرف ہیں، تیری چارپائی کو اس طرف رکھنا چاہیئے کہ تیرے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ مجھے افاقہ ہوا بات کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی، میں نے حاضرین کو اشارہ کیا انہوں نے میری چارپائی اس طرف پھیر دی، اسی وقت آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "کیف حالک یا بنیّ" (بیٹا! تیرا کیا حال ہے؟)، ان الفاظ کی حلاوت مجھ پر غالب آگئی عجیب وجد اور آہ و بکا کا مجھ سے ظہور ہوا، حضور ﷺ نے مجھے اس طرح گود میں لے لیا کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک میرے سر پر تھی، آپ ﷺ کی قمیص مبارک تر ہو گئی آنسوؤں سے، آہستہ آہستہ اس وجد کو سکون آگیا۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ عرصہ سے مجھے موئے مبارک کی آرزو تھی، کیسا عظیم کرم ہو اگر اس قسم کی کوئی چیز عنایت فرمائیں، آپ ﷺ اس خیال سے واقف ہو گئے، ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موئے مبارک میرے ہاتھ میں پکڑا دیئے۔ میرے دل میں گزرا یہ دونوں بال بیداری میں میرے پاس رہیں گے، آپ

[1] (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱، مطبوعہ بیروت)

ﷺ اس خیال سے بھی واقف ہو گئے، فرمایا یہ دونوں بال اس عالم میں بھی باقی رہیں گے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے صحت کُلّی اور طویل زندگی کی بشارت دی۔ پھر مجھے افاقہ ہو گیا۔ میں نے چراغ طلب کیا، وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں نہیں تھے۔ میں غمگین ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی جناب میں توجہ کی، مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور آنحضرت ﷺ متمثل ہوئے اور فرمایا میرے بیٹے! تجھے آگاہ ہونا چاہیئے کہ میں نے وہ دونوں بال احتیاط کے طور پر تمہارے تکیہ کے نیچے محفوظ کر دیئے ہیں۔ وہاں تو انہیں پالے گا۔ مجھے افاقہ ہوا تو میں نے انہیں وہاں سے لے کر عزت و احترام سے ایک جگہ حفاظت سے رکھ لیا۔ اس کے بعد بخار جاتا رہا۔[1]

حضور ﷺ کے مبارک بالوں کی خصوصیت

"ان موئے مبارک کے خواص میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ پہلے آپس میں گھتے ہوئے تھے۔ جب درود شریف پڑھا جاتا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ منکرین میں سے تین اشخاص نے امتحان کرنا چاہا۔ میں اس بے ادبی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ جب مناظرہ نے طول کھینچا تو موئے مبارک دھوپ میں لے گئے، اسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا، حالانکہ دھوپ بڑی تیز تھی اور بادل کا موسم بھی قطعاً نہیں تھا، ان میں سے ایک شخص نے توبہ کی، دوسرے نے کہا یہ اتفاقیہ قصہ ہے۔ دوسری مرتبہ پھر دھوپ میں نکالا، دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، دوسرے نے بھی توبہ کر لی۔ تیسرے نے کہا یہ اتفاقیہ بات ہے، تیسری مرتبہ پھر دھوپ میں لے گئے، تیسری مرتبہ بھی بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، تیسرے نے بھی توبہ کر لی"۔

ایک خصوصیت یہ تھی کہ ایک مرتبہ زیارت کے لئے باہر لایا، بہت بڑا مجمع تھا۔ ہر چند میں قفل میں چابی لگاتا تھا مگر وہ نہیں کھلتا تھا، کوشش کرتا مگر کامیاب نہ ہوتا تھا۔ میں اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا، معلوم ہوا کہ فلاں جنبی ہے۔ اس کی جنابت کی نحوست سے کامیاب نہیں ہو رہے ہیں۔ میں نے عیب پوشی کرتے ہوئے تمام کو نیا غسل کرنے کے لئے کہا۔ جنبی اس مجمع سے نکل گیا۔ اس کے بعد آسانی سے کھل گیا۔ تو ہم نے زیارت کی۔[2]

تبرکات کی تقسیم

"حضرت والد صاحب آخری عمر میں تبرکات تقسیم فرماتے تھے، ان دونوں بالوں میں سے ایک مجھے عنایت فرمایا، **والحمدللہ رب العالمین**"۔[3]

---

[1] (انفاس العارفین ص ۷۵، ۷۴)

[2] (انفاس العارفین (اردو) ص ۷۵)

[3] (انفاس العارفین (اردو) ص ۷۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حضور ﷺ کے موئے مبارک عطا فرمانے کا واقعہ اپنی کتاب "در ثمین" میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"الحدیث الخامس عشر۔ اخبرنی والدی انّه کان مریضًا فرأى النبیّ ﷺ فی النّوم فقال کیف حالک یا بنیّ! ثمّ بشره بالشّفاء واعطاه شعرتین من شعور لحیته فتعافی من المرض فی الحال وبقیت الشّعرتان عندهٗ فی الیقظة فأعطانی احدهما فهی عندی۔"

یعنی "میرے والد مبارک نے مجھے بتایا کہ جب وہ بیمار ہوئے تو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا میرے بیٹے تیرا کیا حال ہے اور ساتھ ہی صحت یابی کی خوشخبری دی اور دو موئے مبارک ریش کے عنایت فرمائے، میں اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔ صبح اٹھا تو دونوں موئے مبارک میرے پاس تھے۔ (میرے والد نے) ایک بال مجھے دے دیا جو ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔"[1]

۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان عبارات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ سرور کائنات ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ بعد میں آنے والے غلاموں کو بھی وقتاً فوقتاً اپنے تبرکات سے نوازا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبد الرحیم کو نبی پاک ﷺ نے اپنے موئے مبارک خواب میں عنایت فرمائے، جو عالم بیداری میں بھی ان کے پاس موجود تھے۔

۲) یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کرنے کرانے پر علماء امّت کا تعامل رہا ہے۔

۳) منکرین کے لئے حضور ﷺ کے مبارک بالوں سے معجزات کا ظہور ہوا اور بادل کے ٹکڑے نے ان پر سایہ کیا۔

۴) حضور سید عالم ﷺ حیات ہیں، آپ ﷺ کے جسم اطہر سے جدا ہونے والے مبارک بال بھی زندہ ہیں، کہ آپس میں گھتے ہوئے بالوں پر درود شریف پڑھا جاتا تو الگ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔

۵) جب درود شریف پڑھا جائے تو آپ ﷺ کے بال مبارک محسوس کرتے ہیں کہ درود شریف پڑھا جا رہا ہے۔ تو خود نبی پاک ﷺ درود پڑھنے والے کے درود کیونکر محسوس نہیں فرماتے اور کیونکر نہیں سن سکتے؟

پیارے بھائیو! شیطان کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ صحابہ اور صالحین کے طریقے پر لوگ عمل پیرا ہو جائیں اور موئے مبارک شریف کی برکتیں حاصل کر لیں اور ویسے بھی شیطان کی عین آرزو و تمنا ہے کہ لوگوں کے قلوب عظمتِ مصطفی ﷺ سے خالی ہو جائیں، اس بدبخت کا کام ہی راہ راست سے دور کرنا ہے۔

[1] (در ثمین فی مبشّرات النّبیّ الامین ص ۳۶)

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

الَّذِی یُوَسۡوِسُ فِی صُدُوۡرِ النَّاسِ (الناس ۵)

"جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔"

شیطان بدبخت وسوسہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کہاں سے آ گئے؟ کیا کسی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے اپنے مبارک بال تقسیم فرمائے ہوں یا حضور پر نور ﷺ کی رضا موئے مبارک شریف کے فیض کو پھیلانے میں ہے۔ مزید یہ کہ نعوذ باللہ بعض اوقات تو شیطان موئے مبارک شریف کی توہین اور بے ادبی پر ابھارنے کی کوشش کرتا ہے اور صریح گستاخی کرتا ہے جس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (الامان و الحفیظ) اور یہ سارے برے کام اور گستاخی و بے ادبی وہابی، نجدی، مودودی، رائیونڈی، پنج پیری، وغیرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچنا ہم سب کیلئے ضروری ہے، اور ان کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی۔

حدیث شریف: ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں۔ غزوہ بدر میں حضرت زبیر نے عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں برچھی ماری تھی:

قال عروۃ فسألہ ایاہ رسول اللہ فاعطاہ فلمّا قبض رسول اللہ ﷺ اخذھا ثمّ طلبھا ابو بکر فاعطاہ فلمّا قبض ابو بکر سألھا ایاہ عمر فاعطاہ فلمّا قبض عمر اخذھا ثمّ طلبھا عثمان منہ فاعطاہ فلمّا قتل عثمان وقعت عند اٰل علیؓ فطلبھا عبداللہ بن زبیر فکانت عندہ حتّی قتل۔

یعنی "حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مستعار لے لی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس لے لی پھر ان سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس برچھی کو مانگ لیا۔ اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مانگ لی، ان کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لیا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی آل کے پاس رہی، پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے لے لیا اور وہ ان کے پاس رہی یہاں تک کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔"[1]

(نوٹ): حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجاج نے ۷۳ھ میں شہید کیا۔

[1] (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۷۰)

گویا برچھی تقریباً ستر یا اکہتر سال تک بطور تبرک محفوظ رکھی گئی۔ اس طرح کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بطور یادگار کے طلب فرمائی اور پھر حضور ﷺ کے چاروں خلفاء میں بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔ اس سے صالحین کی تلوار بطور تبرک رکھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حدیث شریف: حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی جس کے پائے ساگوان لکڑی کے تھے۔ حضور ﷺ اس چارپائی پر سویا کرتے تھے۔ جب وصال ہوا تو آپ ﷺ کو اس چارپائی پر رکھا گیا۔ حضور نبی پاک ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وصال کے بعد اسی پر رکھا گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی پر رکھا گیا، پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اس پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنو امیّہ کے عہد میں میراث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فروخت ہوئی، عبد اللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔[1]

یہ صالحین کی چارپائی بطور تبرک رکھنے کی دلیل ہے۔

حدیث شریف: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر ہمارا گزر وادی حجر سے ہوا تو:

انّ النّاس نزلوا مع رسول اللہ ﷺ ارض ثمود الحجر و استقوا من بئرھا و اعتجنوا بہ فامرھم رسول اللہ ﷺ ان یّھرقوا ما استقوا من بئرھا و ان یّعلفوا الابل العجین و امرھم ان یّستقوا من بئر الّتی کان تردھا النّاقۃ۔

ترجمہ: لوگ وہاں اترے اور وہاں کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی پیا اور اس کے ساتھ آٹا گوندھا تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ اس پانی کو انڈیل دو۔ اور ارض ثمود (وادی حجر) کے کنویں کا پانی نہ پیو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھا ہے، اسے اونٹوں کے سامنے ڈال دو اور حکم فرمایا کہ اس کنویں سے پانی لو جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔[2]

بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے دوسری روایت ہے جس میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

لمّا مرّ النّبیّ ﷺ بالحجر قال لاتدخلوا مساکن الّذین ظلموا انفسھم ان یّصیبکم ما اصابھم الّا ان تکونوا باکین ثمّ قنع رأسہ و اسرع السیر حتّٰی جاز الوادی۔

جب نبی پاک ﷺ وادی حجر سے گزرے تو فرمایا کہ ان لوگوں کے مکانوں میں جب داخل ہو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو روتے ہوئے داخل ہو، ایسا نہ ہو کہ وہی عذاب تم پر نازل ہو۔ پھر حضور ﷺ تیز چلے اور وادی کو طے فرمالیا۔[3]

---

[1] (زرقانی علی المواھب بحوالہ ابن عماد ج۳ ص ۳۸۲)

[2] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۷۸)

[3] (بخاری ج ۲ ص ۶۳۷)

علّامہ ابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی مشہور زمانہ تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" تفسیر قرطبی میں یہی روایت نقل کرکے فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کے ارشاد سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے آثار و دیار کو ترک کرنا چاہیئے، تو اس میں انبیاء کرام اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے۔"

فیہ دلیل علی التبرّک بآثار الصّالحین و ان تقادمت اعصارھم و خفیت آثارھم۔

یعنی اس میں دلیل ہے آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کی اگرچہ ان کا زمانہ گزر چکا اور ان کے آثار پوشیدہ ہو گئے ہوں۔[1]

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انّ اللہ لیصلح بصلاح الرّجل المسلم ولدہ و ولد ولدہ و اھل دویرہ و دویرات حولہ و لا یزالون فی حفظ اللہ ما دام فیھم۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کی برکت سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے سب گھر والوں کو درست کرتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ خدا کی حفاظت و امان میں رہتے ہیں۔ دوسری روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد صالح کی برکت سے اس کے پڑوس میں سو گھرانوں سے بلاء و عذاب کو دفع فرما دیتا ہے۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کرنے کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

و لو لا دفع اللہ النّاس بعضھم ببعضٍ لفسدت الارض۔

یعنی "اور اگر اللہ تعالیٰ (نیک) لوگوں کی وجہ سے دوسروں سے عذاب دفع نہ کرتا بلکہ ہر بدکاری کی سزا دیتا تو سب زمین خراب ہو جاتی"۔[3]

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے ان دو احادیث کو علامہ ابن کثیر سے نقل کرنے کے بعد ان پر اس طرح تبصرہ کیا ہے: "امام التفسیر ابن کثیر نے دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد اگرچہ ان کی تضعیف کی ہے، لیکن اوّل تو فضائل اعمال بحسب تصریح جمہور محدثین حدیث ضعیف مقبول ہے۔ پھر تعددِ طرق سے اس کے ضعف کی مکافات بھی ہو گئی اور مضمون ان احادیث کا

---

[1] (تفسیر قرطبی سورۃ الحجر)
[2] (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۷)
[3] (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۲)

قرآن مجید کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ خلاصہ یہ کہ دیندار اور نیک مسلمان کا وجود سب مسلمانوں کے لئے موجب برکات ہے، خواہ ظاہر میں اس سے نفع حاصل کریں یا نہ کریں۔"[1]

قاضی زاہد دیوبندی نے اپنی کتاب "رحمتِ کائنات ﷺ" میں لکھا ہے: "اکابر علماء کرام اور اولیاء عظام نے اپنے کفنوں میں بزرگوں کے عطا کردہ کپڑے وغیرہ رکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔ اس گناہ گار نے بھی قبر کی راحت کے لئے مندرجہ ذیل تبرکات رکھے ہوئے ہیں:

(۱) غلاف خانہ کعبہ کا ایک ٹکڑا، (۲) اندرون کعبہ کے غلاف کا ایک ٹکڑا۔ (۳) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جبہ مبارک کا ایک ٹکڑا جو آپ کے نواسے حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مورخہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ کو عطا فرمایا تھا۔ (۴) اپنے محبوب آقا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا عطا فرمودہ عربی عبا، (۵) احرام کی چادر، (۶) روضہ مطہرہ کے اندرونی سبز غلاف کا ٹکڑا۔"[2]

مولوی قاسم نانوتوی بانی دیوبند بھی بزرگوں کے پڑوس میں دفن ہونا باعث برکت سمجھتا ہے: "خان صاحب نے فرمایا کسی عامی نے حضرت نانوتوی سے پوچھا کہ حضرت یہ جو بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنّا کرتے ہیں، اس سے کیا فائدہ؟ جبکہ نہ کسی کی برائی کام آئے گی نہ کسی کی نیکی کسی کے کام آئے گی۔ یہ سائل بھرے مجمع میں حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا اور پنکھا بہت بڑا تھا۔ حضرت نے فرمایا بھائی تم اس مجمع میں کس کو پنکھا جھل رہے ہو۔ اس نے عرض کیا آپ کو۔ فرمایا کہ ہوا اوروں کو بھی لگ رہی ہے۔ کہا جی ہاں! فرمایا یہ جواب ہے تمہارے سوال کا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جب رحمت اور مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو مقصود تو وہی بزرگ ہوتے ہیں، مگر حسب قرب و بعد پہنچتی ہیں سب آس پاس کو بھی"۔[3]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: مقاصد حسنہ میں ایک روایت "**ادفنوا موتاكم وسط قوم صالحين**" نقل کر کے ایک راوی سلیمان بن موسیٰ کو مجروح کر کے کہا ہے: "**ولكن لم يزل عمل السلف والخلف علىٰ هٰذا او مايروى كون المقدسة لا تقدس احدًا انّما قدس المرء عمله فقد ينافيه**" یعنی اور ظاہر ہے کہ اس پر سلف و خلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں خواہ کوئی خاص روایت ثابت نہ ہو۔ **لان انتفاء الخاص لا يستلزم انتفاء العام**۔[4]

---

[1] (کشکول از مفتی محمد شفیع، ص ۴۸-۴۷)
[2] (قاضی زاهد دیوبندی، رحمت کائنات ص ۱۹۶)
[3] (ارواح ثلاثہ ص ۲۸۳)
[4] (ارواح ثلاثہ ص ۲۸۴)

یہی مولوی اشرف علی تھانوی آیت معراج کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے: الّذی بر کنا بطور مدح کے بڑھایا ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا بدرجۂ اولیٰ مفہوم ہو گیا کیونکہ جب اس کے آس پاس باوجود نہ ہونے مسجد کے برکت ہے تو خود اس میں تو ضرور برکت ہو گی۔ کیونکہ آس پاس دو قسم کی برکتیں ہیں۔ ایک دنیوی سو اس سے تو دینی برکت ضرور زیادہ ہے اور دوسری دینی کہ مدفن انبیاء ہے، سو دفن ہونا صرف تلبس جسم کا اور قبلہ ہونا جیسا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا وہ قبلہ رہا ہے، تلبس روح کا ہے، یہ زیادہ موجب برکت ہو گا۔ خصوص جب وہاں ہی رہ کر عبادت کریں کہ جسم کا تلبس بھی ہو جاوے گا کیونکہ وہ قبلہ ہونے کے ساتھ اکثر انبیاء کا معبد اور محل عبادت بھی رہا ہے۔ پس اس طرح اس مسجد مبارک کے مبارک تر ہونے پر دلالت ہو گئی۔[1]

پھر مقامات متبرکہ کے متعلق لکھا ہے: "ان میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے راہ میں بعض مقامات متبرکہ میں نماز پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ مقامات شریفہ میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے۔"[2]

حدیث شریف: امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: لعنۃ اللہ علی الیھود و النّصاریٰ اتّخذوا قبور انبیآئھم مساجدًا۔

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔[3]

شارحینِ حدیث نے اس کے تحت فرمایا:

کانت الیھود و النّصاری یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانھم ویجعلونھا قبلۃ ویتوجھون فی الصلوۃ نحوھا فاتّخذوھا اوثانًا لعنھم ومنع المسلمین عن مثل ذٰلک ونھاھم عنہ امّا من اتّخذ مسجدًا فی جوار صالحٍ او صلّی فی مقبرتہٖ وقصد بہٖ الاستظھار بروحہٖ او وصول اثر ما من آثار عبادتہٖ الیہ لا التعظیم لہ والتوجہ نحوہ فلا حرج علیہ انتھی کلام الطیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والمرقاۃ واللمعات نحوہ۔

ترجمہ: یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو ان کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کرتے تھے اور انہیں قبلہ بنا کر ان کی قبور کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ اور انہیں بت بنا کر پوجتے تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ان کی مثل کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن جس شخص نے صالحین کے جوار میں مسجد بنائی، یا ان کے مقبرہ میں نماز پڑھی

---

[1] (نشر الطیب ص ۹۸-۹۷)
[2] (نشر الطیب ص ۹۲)
[3] (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۲۵، مشکوٰۃ شریف ص ۶۹، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۰۱)

اور ان کی روحانیت کے استظہار کا ارادہ کیا اور اس اثر کو حاصل کرنے کے لئے جو صالحین کی عبادت کا ہے، اگر یہ تعظیم یہود و نصاریٰ کی مثل نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

"تبرکات کے لئے یہ سمجھا جائے کہ نیک لوگوں کے تبرکات کو کفن میں شریک کرنا بھی باعث مغفرت ہو سکتا ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ: "سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کپڑا لے کر حاضر ہوئی اور یہ عرض کیا کہ اس کو جناب خود زیب تن فرماویں مگر ایک آدمی نے (اس یقین پر کہ سید دو عالم ﷺ کسی سائل کو نامراد نہیں فرماتے) آپ ﷺ سے وہ کرتہ مانگ لیا اور ساتھ ہی یہ عرض کیا کہ میں نے یہ کرتہ اس لئے مانگا ہے کہ یہ مبارک کرتہ میرا کفن ہو، چنانچہ وہ کرتہ اس سعادت مند کا کفن ہی ہوا۔"

یہ مبارک واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفن کے لئے کسی متبرک کپڑے کا محفوظ رکھنا اور اسے کفن میں شریک کرنا بہتر امر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا:

"وفيه التبرك باثار الصالحين"۔[2]

قال ابن عمر رضی اللہ عنہ فلبس الخاتم بعد النبی ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و الاظهر انهم لبسوها احيانًا لاجل التبرك به۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کے بعد آپ کی انگوٹھی مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرک کے لئے کبھی کبھی پہنا کرتے تھے۔[3]

و كان عند معاويه رضی اللہ عنہ ازار رسول اللہ ﷺ و رداءہ و قميصه و شيئ من شعره و اظفاره فقال كفنونی فی قميصه و ادرجونی فی ردائه و ازرونی بازاره و احشوا منخری و شعری و مواضع السجود من شعره و اظفاره و صلوا بينی و بين ارحم الراحمين۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ازار، چادر اور قمیص مبارک تھی اور کچھ موئے مبارک اور ناخن مبارک تھے۔ کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی قمیص مبارک میں کفن دینا اور چادر مبارک میں لپیٹنا اور آپ ﷺ کی

---

[1] (حاشية البخاری ج ۲ ص ۸۶۵)

[2] (فتح الباری ج۳ص ۱۱۵)

[3] (مرقات باب الخاتم ج۸، ص ۲۷۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

ازار مبارک اوڑھا دینا، اور میری ناک کے نتھنوں میں اور بالوں میں اور سجدہ کی جگہوں پر آپ ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک رکھ دینا، اور نماز جنازہ پڑھ کر مجھے ارحم الرّاحمین (اللہ تعالیٰ) کے سپرد کر دینا۔[1]

اسی طرح روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت وصال یہ وصیت فرمائی "سید دوعالم ﷺ نے مجھ کو جو کرُتا عنایت فرمایا تھا وہ مجھے اس طرح پہنا دینا کہ میرے بدن کے ساتھ چمٹا رہے اور میرے پاس جو سید دوعالم ﷺ کے ناخن مبارک محفوظ ہیں ان کو پیس کر میری دونوں آنکھوں اور منہ میں ڈال کر مجھے اس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔"[2]

---

[1] (عمدۃالقاری، ج۴ص ۱۷۰، ج۴ص ۱۷۴، ج۳ص ۴۷، فیض الباری ج ۱ ص ۲۷۲، ج ۱ ص ۳۳۹، تاریخ ابن ھشام ج ۲ ص ۱۱۲، شفاء ج ۱ ص ۲۲۰، نسیم الریاض ج۳ص ۱۴۶، شفاء ج ۲ ص ۷۰، وفاءالوفاء ج ۲ ص ۴۴۳، مرقات ج ۱ ص ۲۱، فتح الملھم ج ۲ ص ۲۲۳، عالمگیری ص ۱۶۶، تذکرہ ج ۱ ص ۱۰۴۰، البدایۃ ج۴ص ۳۰۰، البدایۃ ج ۱ ص ۳۹۹، البدایۃ ج ۲ ص ۲۷۳، البدایہ ج ۲ ص ۴۰، البدایۃ ج ۶ ص ۱۵۸، البدایہ ج ۶ ص ۳۳۴، فتوح الشام ج ۲ ص ۴۰۴، ج ۱ ص ۸۱، ج ۱ ص ۲۰۸، ج ۱ ص ۱۱۶، ج ۲ ص ۶۷، ج ۲ ص ۶۳، ج ۲ ص ۱۴۴، ج ۲ ص ۳۲)

[2] (دلیل الفالحین ج ۲ ص ۵۲۰) (بحوالہ رحمتِ کائنات، ص ۱۹۶-۱۹۵)

(۱۷) باب نمبر سترہ: نامِ محمد ﷺ سے تعظیماً برکت حاصل کرنے کا ثبوت

حضور نبی اکرم ﷺ کے شمائل و خصائص کا شمار جس طرح ممکن نہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے نام مبارک کے فضائل بھی بے شمار ہیں جن کا تعین ممکن نہیں۔ نام محمد ﷺ کی برکات بہت ہیں۔ ذیل میں ان کا ذکر مختصراً کیا جاتا ہے۔

۱) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے من ولد له مولودٌ فسمّاه مُحمّداً حُبّاً لِّی وتبرّ کاً باسمی کان هو ومولوده فی الجنّة۔

یعنی جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے بچہ کا نام "محمد" رکھا تو وہ دونوں باپ بیٹا جنّت جائیں گے۔[1]

اس مذکورہ بالا حدیث پاک کے متعلق امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: واسناده حسن۔ "اور اس کی سند بھی اچھی ہے (بہت اچھی ہے)۔"[2]

اور علّامہ حلبی نے فرمایا: اصحّها واقربها للصّحة۔[3]

۲) مشہور حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قال الله تعالیٰ: وعزتی وجلالی! لا أعذّب احداً تسمّی باسمک فی النار۔

"اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم! اے حبیب مکرّم ﷺ میں کسی ایسے شخص کو آگ کا عذاب نہیں دوں گا، جس کا نام آپ ﷺ کے نام پر ہو گا۔"

امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں نام سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کا مشہور نام "محمد" یا "احمد" ہے۔

۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن دو بندے دربارِ الٰہی میں کھڑے کیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ کی طرف سے حکم ہو گا کہ ان دونوں کو جنت لے جاؤ۔ وہ دونوں عرض کریں گے یا اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حقدار ہوئے، حالانکہ ہم نے تو کوئی عمل جنتیوں والا نہیں کیا۔

---

[1] (زرقانی علی المواهب، ج۵ ص ۳۰۱، سیرت حلبیه ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۸، البرهان ص ۴۴۳)
[2] (اللالی المصنوعه ص ۱۰۶، ج ۱)
[3] (سیرت حلبیه ۷۹، ج ۱)

اس پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا:

ادخل الجنّة فانّی آلیت علی نفسی أن لّا یدخل النّار من اسمه احمد و محمد۔

یعنی تم دونوں جنت جاؤ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہو گا وہ دوزخ نہیں جائے گا۔ [1]

۴) سیّدنا نبیط صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے:

وعزّتی و جلالی لا اعذّب احدًا تسمّی باسمک فی النّار۔

یعنی اے محبوب مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم میں کسی ایسے بندے کو دوزخ کا عذاب نہ دوں گا جس نے اپنا نام تیرے نام پر رکھا ہو گا۔ [2]

۵) سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبیِ رحمت ﷺ نے فرمایا:

من ولد له ثلاثة اولادٍ فلم یسمّ احدًا منهم محمّدًا فقد جهل۔

یعنی جس کے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا وہ جاہل ہے۔ [3]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مضمون کی ایک مرسل حدیث نضر بن شنقی سے نقل کر کے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مقبول قرار دیا ہے۔

۶) مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اذا سمّیتم الولد محمّدًا فاکرموه و اوسعوا له فی المجلس و لا تقبحوا له۔

"جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کی عزت کرو اور اس کے لئے جگہ فراخ کرو اور اس کی قباحت و برائی مت کرو۔" [4]

اسی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ چونکہ عام لوگ نام مبارک کی عزت نہیں رکھتے اس لئے عام نام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

۷) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا سمّیتم محمّدًا فلا تضربوا و لا تقبّحوه و أکرموه و أوسعوا له فی المجلس۔ [5]

---

[1] (احکام شریعت ص ۳۸، زرقانی علی المواهب ص ۳۰۱، ج ۵، احکام القرآن ص ۴۴۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

[2] (زرقانی علی المواهب ج ۵ ص ۳۰۲، سیرتِ حلبیه ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹)

[3] (سیرتِ حلبیه ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹، البرهان ص ۴۴۷)

[4] (زرقانی علی المواهب ج ۵ ص ۳۰۲، احکام شریعت ص ۴۰، البرهان ص ۴۴۷)

[5] (شعرانی، کشف الغمة ج ۱ ص ۲۸۳، مناوی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۸۵، عجلونی کشف الخفا و مزیل الالباس ج ۱ ص ۹۴ رقم ۲۳۹، حلبی انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۹)

۸)جو یہ چاہے کہ لڑکا پیدا ہو وہ بچے کا نام محمد رکھے۔

من اراد ان یکون حمل زوجتہ ذکراً فلیضع یدہ علیٰ بطنھا و لیقل ان کان ذکراً فقد سمّیتہ محمّداً۔

یعنی جو کوئی چاہے کہ اس کی بیوی کا حمل لڑکا ہو تو وہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہے (ان کان ذکراً فقد سمّیتہ محمداً) بفضلہ تعالیٰ لڑکا ہو گا۔[1]

۹)علّامہ حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں:

و فی الشّفاء انّ للہِ ملٰئکۃ سیّاحین فی الارض عبادتھم کلّ دارٍ فیھا اسم محمّدٍ حراستہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس کا پہرہ دینا۔[2]

۱۰)سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ما کان فی اھلبیت اسم محمد الاّ کثرت برکتہ۔

"جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس گھر میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔"[3]

تنبیہ: اس مقام پر علماء کرام اور محدثین عظام نے فرمایا یہ ساری بہاریں اس شخص کے لئے ہیں جو کہ سنّی صحیح العقیدہ ہو ورنہ بے ادب گستاخ کے لئے کسی قسم کی کوئی رعایت نہ ہو گی۔[4]

کیونکہ جو شخص اس مقدّس و مطہر نام کی عظمت کا قائل ہی نہیں، اور کہے کہ عمل کے بغیر کوئی جنّت جا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے رعایت کا سوال ہی نہیں وہ اپنے عملوں کے بل بوتے پر جنّت حاصل کرے اور ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھے من نوقش لہ فی الحساب یھلک۔ جس کو حساب میں پوچھ گچھ ہوئی وہ بچ نہیں سکتا۔

۱۱)سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا زمانہ تھا ان کی قوم بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت ہی گنہگار اور کردار کا گندا تھا، اس نے سو سال اور ایک قول کے مطابق دو سو سال نافرمانیوں میں گزار دیئے جب وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اس کا غسل و کفن گوارا نہ کیا بلکہ اسے ٹانگ سے پکڑ کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک آئے ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے کلیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارا ایک دوست فوت ہو گیا ہے اور اسے لوگوں نے گندگی پر پھینک دیا ہے۔ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کو اٹھائیں اور عزّت و احترام کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کریں پھر آپ اس کا جنازہ پڑھائیں، یہ حکم سن کر کلیم اللہ علیہ السلام قوم کو لے

[1] (سیرت حلبیہ ۹۷، احکام شریعت ص ۴۰، البرہان ص ۴۴۸)
[2] (سیرت حلبیہ ص ۹۷، البرہان ص ۴۴۸)
[3] (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲، احکام شریعت ص ۴۰، البرہان ص ۴۵۰-۴۴۹، مناوی فیض القدیر ج ۵ ص ۴۵۳)
[4] (احکام شریعت ص ۳۸)

کر وہاں پہنچے اسے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو وہی پاپی ہے لیکن مامور تھے اسے اعزاز کے ساتھ اٹھا کر تجہیز و تکفین کر کے جنازہ پڑھایا اور دفن کر دیا۔ بعد میں موسیٰ علیہ السلام نے دربار الٰہی میں عرض کی یا اللہ یہ شخص اتنا بڑا مجرم و گنہگار ایسے اعزاز کا حقدار کیسے ہو گیا، تو ربّ کریم نے فرمایا اے میرے پیارے کلیم، تھا تو یہ بڑا گنہگار اور سخت سزا کا حقدار مگر ہوا یوں کہ ایک دن اس نے توریت کھولی اور اس میں میرے حبیب ﷺ کے نام مبارک محمد ﷺ پر اس کی نظر پڑی اور اس کے دل میں میرے حبیب ﷺ کی محبت نے جوش مارا، اس نے اس نام مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھ کر درود پاک پڑھا، لہٰذا اس تعظیم کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں، اور اس کو اپنے مقبول بندوں میں داخل کر دیا ہے۔[1]

اوپر جو مذکور ہوا کہ صد سالہ مجرم تعظیم نامِ مصطفی ﷺ کی وجہ سے بخشا گیا، اس واقعہ کو ایک واقعہ کہہ کر خارجی نظریات والے رد کر دیتے ہیں لیکن مندرجہ ذیل حدیث پاک کو کیسے رد کرینگے جو کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ میں محفوظ ہے پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

۱۲) سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ما اجتمع قوم قط فی مشورة معهم رجل اسمه محمد، لم يدخلوه فی مشورتهم الالم يبارک لهم۔

"کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو اور محمد نام والا کوئی ان کے درمیان ہو لیکن اس کو مشورہ میں داخل نہ کیا جائے، تو ان کے کام میں برکت نہیں ہو گی۔"[2]

۱۳) حضرت محمد بن عثمان عمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما ضر أحدکم لو کان فی بيته محمد و محمدان و ثلاثة۔

تم میں سے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اگر اس کے گھر کے افراد میں ایک یا دو یا تین شخص محمد نام کے ہوں۔[3]

۱۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما أطعم طعام علی مائدة، ولا جلس عليها، وفيه اسمی الا قدسوا کل يوم مرتين۔

---

[1] (مقاصد السالکین ص ۵۰، القول البدیع ص ۱۱۸، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۴۲، سیرتِ حلبیہ ج ا ص ۸۰، البرہان ص ۴۵۲، تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۱۸۶ مطبوعہ بیروت، سبل الهدی والرشاد ج ا ص ۴۱۲-۴۱۱ مطبوعہ بیروت، انسان العیون فی سیرت الامین والمامون ج ا ص ۸۳ مطبوعہ بیروت، سیرت حلبیہ اردو ج ا ص ۴۱، و ۲۷۰ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، نزهة المجالس ج ۲ ص ۱۵۵ طبع بیروت، حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۹۵ بیروت، سعادت الدارین فی الصلوة علی سید الکونین اردو ج ا ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور، فضائل درود شریف، تبلیغی نصاب ص ۹۹ مطبوعہ لاہور)

[2] (خطیب بغدادی، موضع أوهام الجمع والتفریق ج ا ص ۴۴۶، حلبی نے انسان العیون ج ا ص ۱۳۵ میں کہا ہے حفاظ حدیث نے اس روایت کی صحت کا اقرار کیا ہے)

[3] (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۵۴، مناوی فیض القدیر ج ۳ ص ۲۴۶، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۶۰)

”کوئی بھی دستر خوان ایسا نہیں جس پر کھانا کھایا جائے اور وہاں میرا اہم نام بیٹھا ہو تو فرشتے ہر روز دو مرتبہ (اس دستر خوان کی) تعریف نہ کرتے ہوں۔“[1]

۱۵) لیس أحد من أهل الجنة الا يدعى باسمه أی و لا يكنى الا آدم عليه السلام فانه يدعى أبا محمد تعظيماً له و توقيراً للنبی ﷺ۔

یعنی ”جنت میں سب کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا یعنی ان کی کنیت نہیں ہو گی، سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے۔ انہیں تعظیماً ”**ابو محمد**“ کہہ کر پکارا جائے گا، اور یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی توقیر کے سبب ہے۔“

[1] (خطیب بغدادی، موضع أوهام الجمع والتفريق ج ۱ ص ۴۴۶، حلبی انسان العیون، ج ۱ ص ۱۳۶، تبرک کی شرعی حیثیت، ص ۲۱)

(۱۸) باب نمبر اٹھارہ: حضور ﷺ کے بول (خوشبو مبارک) و دم مبارک تبرکاً پینے کا ثبوت

نبی اکرم شفیع اعظم ﷺ کی خدمت میں دو خواتین تھیں دونوں کا نام برکت تھا۔ ایک برکت امّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اور دوسری برکت امّ یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ برکت امّ ایمن رضی اللہ عنہا سرکار ﷺ کی خادمہ تھیں، اور برکت امّ یوسف رضی اللہ عنہا امّ المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں۔ امّ ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیّد دو عالم ﷺ کی چارپائی کے نیچے ایک پیالہ رکھا ہوتا تھا، ایک دن نبی رحمت ﷺ نے اس میں بول مبارک کیا۔ بعد ازاں میں اٹھی اور مجھے پیاس لگ رہی تھی، میں نے وہ پیالہ اٹھایا اور پی لیا۔ جب صبح ہوئی تو امّت کے والی ﷺ نے فرمایا: اے امّ ایمن (رضی اللہ عنہا) اس پیالے میں جو کچھ ہے زمین پر ڈال دو، میں نے عرض کیا: **واللہ لقد شربت ما فیھا فضحک النبیّ ﷺ حتّٰی بدت نواجذہ ثمّ قال لا یجفر بطنک بعدہ ابدًا و فی لفظٍ لا تلج النّار بطنک**۔ یعنی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ اس پیالہ میں تھا، میں نے وہ پی لیا ہے، یہ سن کر سیّد الکونین ﷺ ہنسے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی داڑھ مبارک بھی مسکرانے کی وجہ سے ظاہر ہوئیں، (بجائے اس کے کہ حضور ﷺ امّ ایمن سے ناراض ہوتے یا منہ دھونے کا حکم دیتے، بلکہ فرمایا) اے امّ ایمن، آئندہ تیرا پیٹ کبھی درد نہیں کرے گا، اور تیرا پیٹ کبھی بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔[1]

حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ نے ایک برتن میں پیشاب (خوشبو مبارک) کیا۔ میں اٹھی اور پانی سمجھ کر پی گئی کیونکہ میں پیاسی تھی۔ صبح کو حضور ﷺ کے پوچھنے پر جب میں نے بتایا کہ واللہ وہ تو میں پی گئی، تو آپ ﷺ سن کر بہت ہنسے۔

وَ قَالَ لَنْ تَشْتَکِیْ وَ جْعَ بَطْنِکَ بَعْدَ یَوْمِکَ ھٰذَا اَبَدًا۔

یعنی اور فرمایا آج سے تجھ کو کبھی پیٹ کی کوئی بیماری نہ ہو گی۔[2]

اسی طرح برکت رضی اللہ عنہا نامی کنیز نے (جو امّ المؤمنین امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی) حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک) پی لیا تھا جس پر حضور ﷺ نے اس کو فرمایا:

صحّتْ ایام امّ یوسف و فی روایۃٍ قال لھا لقد احتظرت من النّار بحظار۔

---

[1] (المواھب اللدنیہ ج ۴ ص ۲۱۷، المستدرک ج ۴ ص ۶۴، سیرتِ حلبیہ ج ۲ ص ۲۸، زرقانی ج ۴ ص ۲۳۱، دلائل النبوّۃ ج ۲ ص ۴۴۴، انوارِ محمدیہ ص ۲۱۹)

[2] (المستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۳، دلائل النبوۃ ابو نعیم ص ۳۸۰، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۱، ج ۲ ص ۵۳۹، زرقانی علی المواھب ج ۴ ص ۲۳۱، انوار محمّدیہ للنبھانی ص ۲۸۵، شفاء شریف ص ۳۲، کنز العمال ج ۶ ص ۱۳۰، ذکر الجمیل فی حلیۃ الحبیب الخلیل ص ۳۴۹، عروج المحجوب ص ۳۰، نشر الطیب ص ۱۶۲، التعلیق المجلّی لما فی منیۃ المصلی للفقیہ المحدث العلّامۃ وصی احمد الصورتی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۰۳)

یعنی موت تک تجھے صحت و تندرستی عطا ہو گئی اور تو نے اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لیا ہے۔ چنانچہ وہ مرض الموت سے پہلے کبھی بھی بیمار نہ ہوئیں۔[1]

حضراتِ گرامی! یہ حضور ﷺ کا بول مبارک ہے جو پیٹ کی بیماریاں گنوا رہا ہے۔ گویا رحمتِ عالم ﷺ کا بول مبارک دافع الامراض ہے اور ایک یہ ہے کہ جن کے تھوک کے لئے ریل گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ تھوکو مت اس سے بیماری پھیلتی ہے۔ گویا حضور ﷺ کا بول مبارک بھی شفا ہے اور ان وہابیوں خبیثوں کا لعابِ دہن بھی وَبا ہے۔ پھر ان کی ہمسری کا دعویٰ کیا حقیقت رکھتا ہے؟

اس حدیث پاک کے متعلق حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وحدیث ھٰذہ المرأۃ الّتی شربت بولہ صحیحٌ الزم الدّار قطنی مسلمًا و البخاری اخراجہ فی الصّحیح۔

یعنی یہ حدیث پاک کہ امّ ایمن نے بول مبارک پی لیا یہ حدیث صحیح ہے۔ دار قطنی نے امام مسلم اور امام بخاری کی شرائط پر اس حدیث کو صحیح پایا اور کہا کہ ان دونوں اماموں کو یہ حدیث اپنی اپنی صحیح میں درج کرنی چاہیئے تھی۔[2]

وفی شرح العلامہ الزّرقانی: (وروی أنہ کان یتبرک ببولہ و دمہ ﷺ) أی بشربھما، کما ھو المروی۔

شرح علامہ زرقانی میں ہے: آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بول مبارک (خوشبو مبارک) اور خون مبارک پی کر تبرک حاصل کرتے تھے۔[3]

مصنّف البرھان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ایسے ائمہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو ہماری طرف سے بہترین جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے یہ کہہ کر ہمارے ایمان بچا لئے کہ حدیث صحیح ہے ورنہ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق ہے وہ کچھ کا کچھ کر دیتے۔ **رحمھم اللہ تعالیٰ فی الدّارین۔**"

طبرانی و بیہقی نے بسندِ صحیح حکیمہ بنت اسیمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا سے انہوں نے ان کی والدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ برّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک) پی لیا۔ جس پر رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: وہ آتشِ جہنم سے چاروں طرف سے محفوظ ہو گئی۔[4]

---

[1] (سیرتِ حلبیہ ج ۲ ص ۲۹، شفا قاضی عیاض ج ۱ ص ۳۶۱-۳۶۰، المکتبہ السلفیۃ، المدینۃ المنورہ)
[2] (شفاء ج ۱ ص ۶۵، نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۱)
[3] (شرح الزرقانی، ج ۵ ص ۵۴۴)
[4] (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۵۴۰)

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ ان دونوں حدیثوں کے لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولم یأمر واحدًا منھما بغسل فمٍ ولا نھاھما عن عودۃٍ۔

یعنی حضور ﷺ نے ان دونوں میں سے نہ تو کسی سے کہا کہ اپنے منہ کو دھو اور نہ ہی آئندہ کے لئے منع فرمایا۔

معلوم ہوا کہ امّت کے حق میں حضور ﷺ کے فضلات مبارک طیّب و طاہر باعثِ برکت اور دافع الامراض ہیں ورنہ حضور ﷺ منع فرما دیتے۔

اور یہی امام اس کے بعد فرماتے ہیں:

الحدیث ھٰذہ المرأۃ الّتی شربت بولہ صحیحٌ۔[1]

حضرت سلمیٰ امرأۃ ابی رافع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے غسل فرمایا تو میں نے غسل کا پانی پیا اور آپ ﷺ کو اطلاع دی۔

فقال اذھبی فقد حرّم اللہ بدنک علی النّار۔

"تو فرمایا جا تیرے جسم پر آتشِ دوزخ حرام ہو گئی"۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے جو خون نکلا وہ ایک قریشی غلام نے پی لیا۔

فقال اذُھب فقد احذرت نفسک من النّار۔

"تو حضور ﷺ نے فرمایا جا تو نے اپنے نفس کو دوزخ سے بچا لیا۔"[3]

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کا خون مبارک پی گئے تھے جب کہ پچھنے لگوا کر خون ان کو دیا تھا کہ جاؤ باہر کہیں ایسی جگہ چھپا دو جہاں کوئی نہ دیکھے، وہ باہر نکل کر پی گئے۔ جب واپس آئے تو فرمایا کیا کر آیا ہے؟ عرض کی ایسی جگہ چھپا آیا ہوں جہاں کوئی نہ دیکھے گا۔ فرمایا شاید تو پی آیا ہے؟ عرض کی ہاں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس میں آپ ﷺ کا خون ہو گا اس کو دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔ فرمایا جا تو بھی دوزخ کی آگ سے بچ گیا۔

پھر فرمایا:

ویل لک من النااس وویل للناس منک۔

افسوس ان لوگوں پر جو تجھے قتل کریں گے اور افسوس کہ تو ان سے نہ بچے گا۔

---

[1] (شفاء شریف، زرقانی علی المواھب ج ۴ ص ۲۲۹)

[2] (طبرانی، خصائص کبریٰ)

[3] (خصائص کبریٰ، زرقانی علی المواھب ج ۴ ص ۲۲۹)

ای اشارة الیٰ شهادة رضی الله عنه من جانب الحجاج الظالم۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ خونِ اقدس کا ذائقہ کیا تھا تو فرمایا ذائقہ شہد کی طرح اور خوشبو کستوری جیسی۔ [2]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور اکرم ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا تو لبِ مبارک بھی مجروح ہو گیا جس سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ حضرت مالک بن سنان (حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد) رضی اللہ عنہمانے جو دیکھا تو آگے بڑھ کر لب مبارک کو چوسنا شروع کر دیا اور اتنا چوسا کہ وہ جگہ سفید ہو گئی۔ جب وہ چوس رہا تھا تو حضور ﷺ نے اس کو فرمایا اسے پھینک دے! تو اس نے کہا واللہ! میں آپ ﷺ کے خون مبارک کو زمین پر نہ پھینکوں گا اور نگلتا ہی گیا۔

فقال رسول الله ﷺ من اراد ان ینظر الیٰ رجل من اهل الجنّة فلینظر الیٰ هذا۔

یعنی تو حضور ﷺ نے فرمایا جو کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص (مالک بن سنان رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے (جس نے میرا خون پی لیا ہے)۔ [3]

احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خُود کے حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کیے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ٹوٹ گیا لیکن اس کی پرواہ نہ کی، دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا، لیکن وہ حلقہ بھی کھینچ لیا، ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے، اس کو جہنّم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ [4]

---

[1] (مستدرک، کنز العمال، شفاء شریف، بزار، ابو یعلیٰ بیهقی، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸، زرقانی ج ۴ ص ۲۳۰)

[2] (شرح شفاء ملا علی قاری)

[3] (زرقانی علی المواهب، ج ۴ ص ۲۳۰)

[4] (حکایت صحابہ ص ۲۰۷)

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے حضور ﷺ کا جنگ احد میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خون زخم چوسنا اور ذائقہ حاصل کرنا اور حضور ﷺ کا بول مبارک لے جانا روایتِ معتبرہ سے ثابت ہے۔ درحالیکہ دونوں چیزیں نجس العین ہیں پس اس واقعہ کی تاویل کیا ہے۔ ارشاد فرمایئے۔

جواب: روایت کی تو میں نے تنقید نہیں کی لیکن اگر یہ ثابت بھی ہو تو علماء نے حضور ﷺ کے ان رطوبات کو طاہر کہا ہے۔ علّامہ شامی نے اس کی تحقیق کی ہے پس کچھ بھی اشکال نہیں اور اس کی کوئی دلیل میں نے کسی کے کلام میں منقول نہیں دیکھا لیکن اسی وقت میرے ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے ان شاربین پر نکیر نہیں فرمایا اور آپ کا نکیر نہ فرمانا حجۃ شرعیہ بالاجماع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

یہاں یہ بات بہت ہی قابلِ غور ہے کہ خون کا حرام ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے:

انّما حرّم علیکم المیتۃ والدّم۔ (البقرہ ۱۷۳)

کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی آدمی یا جانور کا خون پیا ہو مگر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے خون مبارک کو پی لیا حالانکہ وہ ایسی چیز بھی نہیں جس کی طرف رغبت ہو، بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ خون پینا بالطبع مکروہ ہے۔ اگرچہ یہاں حضور ﷺ کے خونِ مقدس کی حلّت و حرمت کا بیان مقصود نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے کیوں پیا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ محبت کی وجہ سے تو یہ باور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کیسا ہی دوست اور محبوب ہو اس کا خون یا پیشاب پینا گوارا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کوئی علامتِ محبت ہے۔ معلوم ہوا کہ محبت کی وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کا منشا کچھ اور ہی تھا اور وہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس حقیقت کو جان گئے تھے کہ حضور پر نور ﷺ کا جسم مبارک اور اجسام کے مثل نہیں ہے، وہ سراپا طاہر اور مطہر ہے اور اس جسم پاک کا ہر ہر جزو ہمہ تن نور ہے اور اس میں وہ برکت اور فضیلت رکھی ہوئی ہے کہ کسی دوسرے جسم میں نہیں، چنانچہ وہ فضلات مبارک کو تبرّک سمجھتے تھے اور پی جاتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کو اپنے باطن میں پہنچانا باعثِ ترقی روحانی ہے۔

غور فرمایئے وہ صحابہ کرام جن کی فضیلت تمام امّتِ مرحومہ پر نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، جب حضور ﷺ کے فضلات مبارکہ کو طیّب و طاہر سمجھتے تھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ معاذ اللہ وہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کی مثل اور ہمسر سمجھتے ہوں؟ واللہ حضور پُر نور ﷺ تو کہاں آپ کے بول وبراز کی ہمسری نہیں ہو سکتی۔

---

[1] (امدادالفتاویٰ ج ۱ ص ۸۰)

علامہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک تحریر کیا ہے کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ رسولِ اکرم ﷺ رفع حاجت کے لئے دور تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو میں اس جگہ پہنچا اور دیکھا کہ وہاں سوا تین پتھروں (ڈھیلوں) کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

فاخذتھنّ فاذًا بھنّ منھنّ روائح المسک فکنت اذا جئت یوم الجمعۃ المسجد اخذتھن فی کمّی فتغلب رائحتھنّ من تطیّب و تعطّر۔

یعنی میں نے ان تینوں ڈھیلوں کو اٹھالیا تو ان سے کستوری جیسی خوشبو مہک رہی تھی، میں ان کو گھر لے آیا اور جب جمعہ کا دن آتا میں ان کو آستین میں رکھ کر مسجد میں آتا اور ایسی پیاری خوشبو مہکتی کہ وہ خوشبو ہر کسی کی خوشبو اور عطر پر غالب آجاتی۔

اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہو گیا، یا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ویسے ہی عقیدت سے بیان کر دیا بلکہ یہ قانونِ قدرت ہے اللہ تعالیٰ نے زمین پر فرض کر دیا ہے کہ جب بھی میرے حبیب رفع حاجت کریں فوراً فضلہ مبارک کو نگل جائے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قلت یا رسول اللہ انّک تدخل الخلاء فاذا خرجت دخلت اثرک فما آری شیئًا الّا انّی اجد رآئحۃ المسک قال انّا معاشر الانبیآء تنبت اجسادنا علیٰ ارواح اھل الجنّۃ فما خرج منھا من شیءٍ الّا ابتلعتہ الارض۔

ایک دن میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں جب آپ ﷺ واپس آتے ہیں تو میں اندر جاتی ہوں مجھے وہاں اور تو کچھ نظر نہیں آتا مگر یہ کہ وہاں سے کستوری کی سی خوشبو آتی ہے، فرمایا ہم پیغمبروں کے وجود بہشتی روحوں کی صفت پر پیدا کئے جاتے ہیں، پس ان جسموں میں سے کوئی چیز نہیں نکلتی، مگر زمین اسے نگل لیتی ہے۔[1]

(یعنی جنتیوں کی روحوں میں جو لطافت و پاکیزگی اور خوشبو ہوتی ہے وہ ہمارے جسموں میں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا بول و براز اور پسینہ وغیرہ خوشبودار ہوتا ہے اور جس جگہ پر پڑتا ہے اسے معطر کر دیتا ہے) اور ان سے جو کچھ نکلتا ہے اسے زمین اپنے اندر حلول کر لیتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قلت للنبیّ ﷺ انّک تأتی الخلآء فلا نری منک شیئًا مّن الاذیٰ فقال یا عائشۃ ما علمت انّ الارض تبتلع ما یخرج من الانبیاء فلا یری منہ شیئٌ۔

---

[1] (ابو نعیم، شفاء، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۰، زرقانی ج ۴ ص ۲۲۹)

یعنی میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء سے تشریف لاتے ہیں تو ہم کو وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی؟ فرمایا اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو چیز انبیاء علیہم السلام سے نکلتی ہے، اس کو زمین نگل جاتی ہے اور اس میں سے کچھ دکھائی نہیں دیا کرتا۔[1]

اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین کا فضلۂ مبارک کو نگل جانا اور وہاں سے خوشبو کا مہکنا غالبًا اس لئے تھا کہ کوئی اس فضلہ مبارکہ کو دیکھنے نہ پائے اور اس کی طبیعت میں دوسرے لوگوں کے فضلات کی طرح نجاست و کراہت کا خیال پیدا نہ ہو بلکہ طہارۃ و پاکیزگی کا تصور پیدا ہو۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ عینی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ قوی دلائل سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے سارے فضلات طیّب و طاہر تھے اور اس کو آپ ﷺ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔[2]

علامہ قاضی عیاض و علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں:

انّہ ﷺ کان اذا اراد ان یتغوّط انشقّت الارض فابتلعت غائطہ و بولہ و فاحت لذٰلک رائحۃٌ طیّبۃٌ۔

کہ جب حضور ﷺ پاخانہ (خوشبو مبارک) پھرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ ﷺ کے پاخانے (خوشبو مبارک) اور پیشاب (خوشبو مبارک) کو نگل جاتی اور وہاں سے عمدہ اور پاکیزہ خوشبو مہکنے لگتی۔[3]

امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و امّا طیب ریحہٖ ﷺ و عرقہٖ و فُضلاتہٖ فقد کانت الرّائحۃ الطّیّبۃ صفتہ ﷺ و ان لّم یمسّ طیبًا۔

یعنی بہر نوع حضور ﷺ کی ریح مبارک، پسینۂ اقدس اور حضور ﷺ کے فضلاتِ شریفہ کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سب حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کی صفات تھیں خواہ آپ ﷺ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں۔[4]

اور یہی امام آگے چل کر فرماتے ہیں:

و روی انّہ کان یتبرّک ببولہٖ و دمہٖ ﷺ۔

ترجمہ: اور مروی ہے کہ حضور ﷺ کے بول مبارک (خوشبو مبارک) اور خونِ اقدس سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔[5]

---

[1] (ابو نعیم، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۰، شفاء شریف دلائل دلائل النبوۃ ص ۳۸۰، زرقانی ج ۴ ص ۲۲۸)
[2] (مدارج النبوّت)
[3] (شفاء شریف، زرقانی علی المواھب ج ۴ ص ۲۲۷)
[4] (مواھب اللدنیہ، ص ۲۸۴)
[5] (مواھب للدنیہ ج ۱ ص ۲۸۴)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری رحمہ اللہ القوی فرماتے ہیں:

و قد تکاثرت الادلّۃ علیٰ طہارۃ فضلاتہٖ و عدّ الائمّۃ ذالک فی خصائصہٖ۔

ترجمہ: بے شک آپ ﷺ کے فضلات شریفہ کے طیّب و طاہر ہونے پر بڑی کثرت سے دلائل قائم ہیں اور ائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کو آپ ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔[1]

البتہ وہ غیر لوگ جن میں ایمانی کمزوری ہے وہ تو مخالفت کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں سے بچائے رکھے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم ﷺ۔

شیخ الاسلام علامہ امام بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قد وردت احادیث کثیرۃٌ انّ جماعۃً شربوا دم النّبیّ ﷺ منھم ابو طیبۃ الحجّام و غلامٌ من قریش حجم النّبیّ ﷺ و عبداللہ بن زبیرٍ شرب دم النّبیّ ﷺ رواہ البزار و الطّبرانی و الحاکم و البیھقیّ و ابو نعیمٍ فی الحلیۃ و یروی عن علیص انہ شرب دم النّبیّ علیہ الصّلوٰۃ و السّلام و روی ایضًا انّ امّ ایمن شربت بول النّبیّ ﷺ۔ رواہ الحاکم و الدّار قطنی و ابو نُعَیمٌ و اخرج الطّبرانی فی الاوسط فی روایۃ سلمیٰ امراۃ ابی رافعٍ انّھا شربت بعض ماۤءٍ غسل بہ رسول اللہ ﷺ فقال لھا حرّم اللہ بدنک علی النّار۔

یعنی ''بے شک بہت سی حدیثیں اس بارے میں وارد ہوئیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے حضور ﷺ کا خون مبارک پیا، ان میں حضرت ابو طیبہ حجام ہیں اور ایک قریشی لڑکا ہے جس نے حضور ﷺ کو پچھنے لگائے تھے اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے بھی آپ ﷺ کا خون مبارک پیا ہے، روایت کیا ہے اس کو بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی اور ابو نعیم نے حلیہ میں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی حضور ﷺ کا خونِ اقدس پیا ہے نیز مروی ہے کہ امّ ایمن نے حضور ﷺ کا پیشاب مبارک پیا ہے۔ اس حدیث کو حاکم، دار قطنی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں ابو رافع کی عورت سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ اس نے حضور ﷺ کا غسل میں استعمال کیا ہوا پانی پیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس پانی کی وجہ سے تجھ پر دوزخ کو حرام کر دیا۔''[2]

حضرت امام ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قال ابو بکر بن العربی بول النّبیّ ﷺ و نحوہ طاھران و ھو احد قولی الشّافعی و قال النّووی فی الرّوضۃ انّ بولہ و دمہ و سائر فضلاتہٖ طاھرۃ۔[3]

---

[1] (فتح الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۲۱۸)
[2] (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۷۸)
[3] (شرح شفاء ج ۱ ص ۳۵۴)

ترجمہ: حضرت ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بول و براز مبارک طاہر ہیں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "الرّوضۃ" میں کہا ہے کہ آپ ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک)، خون اور تمام فضلات پاک ہیں۔"

امام شہاب الدّین خفاجی فرماتے ہیں:

قال النّووی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث شرب البول صحیح حسنٌ وذٰلک کافٍ فی الاحتجاج اذلم ینکر علیھا ولا امرھا بغسل فمھا ولا نھاھا عن العود لمثالہ وقال القاضی حسین الاصح القول بطھارۃ الجمیع واختارہ کثیرٌ من المتاخّرین۔[1]

امام نووی فرماتے ہیں:

ورسول اللہ ﷺ لا یتقذّرہ احد بل یتبرکون بآثارہ ﷺ فقد کانوا یتبرّکون ببصاقہ ﷺ ونخامتہ ویدلکون بذٰلک وجوھھم وشرب بعضھم بولہ وبعضھم دمہ وغیر ذٰلک ممّا ھو معروفٌ من عظیم اعتنائھم بآثارہ ﷺ الّتی یخالفہ فیھا غیرہ۔

یعنی "رسول اکرم ﷺ سے کوئی بھی مؤمن گھن نہ کرتا تھا بلکہ حضور ﷺ کے تبرّکات حاصل کیا کرتے تھے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کی تھوک مبارک رینٹھ مبارک کو بھی تبرّک جانتے تھے اور ان چیزوں کو اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبو مبارک) پی لیا تھا اور بعض نے سرکار ﷺ کا خون مبارک پی لیا تھا، کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے تبرّکات کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے، ہاں اس میں غیر لوگ مخالفت کرتے ہیں۔"[2]

رأس المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ القویٰ فرماتے ہیں:

وہیچ کس اثر فضلۂ ایشاں را بروئے زمین ندیدہ زمین می شگافت وفرو میبرد وازاں مکان بوئے مشک می شمیدند۔

یعنی اور کسی نے آپ ﷺ کے فضلات مبارک کا اثر زمین پر نہیں دیکھا کیونکہ زمین پھٹ جاتی اور وہ اس میں پوشیدہ ہو جاتا اور اس جگہ سے نہایت پاکیزہ مشک جیسی خوشبو آتی۔[3]

---

[1] (نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۵۴)
[2] (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۸۰)
[3] (تفسیر عزیزی سورۃ والضحیٰ ص ۲۱۹)

شیخ المحدثین شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احادیث مبارکہ سے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا: یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کا بول مبارک (خوشبومبارک) اور خون مبارک پاک و طاہر ہیں اور اسی قیاس پر آپ ﷺ کے تمام فضلات مبارکہ کا حکم ہے اور علّامہ عینی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[1]

نیز فرمایا کہ شیخ ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے فضلات مبارکہ کے پاک ہونے پر بہت زیادہ اور کثرت سے روشن دلائل ہیں اور ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضور ﷺ کی خصوصیات سے شمار کرتے ہیں۔[2]

شفا قاضی عیاض میں ہے:

فقد قال قومٌ من اھل العلم بطھارۃ ھٰذین الحدثین منہ ﷺ۔

یعنی علماء کرام کی ایک جماعت نے رسول اکرم ﷺ کے بول وبراز مبارکہ (خوشبو مبارک) کو پاک کہا ہے۔[3]

تفسیر روح البیان میں ہے:

و فی انسان العیون انّ فضلاتہ ﷺ طاھرۃ۔

"انسان العیون میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے فضلات مبارکہ پاک ہیں۔"[4]

نیز فرمایا:

حکی انّ بعض اھل الرّیاضۃ المحقّقین من اھل التوحید الحقّانی کان یشّم من فضلاتہٖ رائحۃُ المسک و ذٰلک لیس ببعید لصفوۃ باطنھم و سریان آثار حالھم الیٰ جمیع اعضائھم و اجزائھم۔

یعنی حکایت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول بندے جو کہ اہلِ ریاضت اور محققین میں سے اور حقّانی توحید والے تھے، ان کے فضلات (بول وبراز وغیرہ) سے کستوری کی سی خوشبو مہکا کرتی تھی اور یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے باطن ان کے احوالِ مبارکہ کی وجہ سے صاف ہو چکے تھے اور ان کے باطنی احوال کے آثار ان کے اعضاء اور اجزاء تک سرایت کر جاتے ہیں۔[5]

---

[1] (مدارج النبوۃ (فارسی) ج ۱ ص ۲۶، (اردو) ج ۱ ص ۵۱)
[2] (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۵۱)
[3] (شفاء قاضی عیاض ج ۱ ص ۶۴)
[4] (روح البیان ج۵، ص ۶)
[5] (روح البیان ج۵، ص ۷)

فائدہ: علّامہ حقّی نے یہاں "توحیدِ حقّانی" فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ شیطانی توحید والوں کو یہ انعام کب نصیب۔ شیطانی توحید والے وہ ہیں جو کہ توحید کی آڑ میں نبیوں علیہم السلام، ولیوں رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے لوگوں سے بچائے رکھے۔ (آمین)

زرقانی علی المواہب میں ہے:

وھو الطّاھرۃ علی الرّاجح و مجموع من قیل انہ شرب دمہ لافی خصوص ھٰذا الیوم مالک بن سنان ھٰذا و علیّ و ابن الزّبیر و ابو طیبۃ الحجّام و سالم بن ابی الحجّاج و سفینۃ مولی المصطفیٰ ﷺ۔

یعنی رسول اکرم ﷺ کے فضلات مبارکہ قول راجح کی بناء پر پاک ہیں۔ نیز فرمایا جن حضرات نے سید الکونین ﷺ کا خون مبارک پیا ہے وہ حضرت صحابہ کرام مالک بن سنان، سیدنا مولیٰ علی شیر خدا، سیّدنا عبد اللہ بن زبیر، سیّدنا ابو طیبہ حجام اور سیدنا سالم بن ابو الحجاج اور سیدنا سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، جیسی ہستیاں ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔[1]

قطبِ وقت سیدنا امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

(فان قیل) یفھم من تقریر کم ھٰذا انّ من کان معصومًا و لم یشتغل عن ربہٖ بحکم طبیعتہٖ ان یکون بولہ و غائطہ طاھرًا (فالجواب) نعم و ھو کذٰلک کما افتیٰ بہٖ شیخ الاسلام البلقینی و السّبکی و الجلال السّیوطی و غیرھم حتّٰی قال شیخ الاسلام السراج البلقینی و اللہ لو وجدت شیئًا من بول النبیّ و غائطہٖ لاکلتہ و شربتہ و فی الحدیث ما یؤیّد ذٰلک و روی الطّبرانی و غیرہ نحن معاشر الانبیاء بنیت اجسادنا علیٰ اجسام اھل الجنّۃ و لذٰلک کانوا یشمّون المسک من موضع برازہٖ ﷺ۔

ترجمہ: "اگر کوئی سوال کرے کہ تمہاری اس تقریر سے سمجھا جارہا ہے کہ جو ذات معصوم ہو اور وہ اپنے ربّ تعالیٰ سے اپنے طبعی حکم کی وجہ سے اعراض نہ کرے تو اس کا پیشاب پاخانہ پاک ہونا چاہیئے۔ (جواب) ہاں ایسا ہی ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام سراج بلقینی، علّامہ سبکی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ نے فتویٰ دیا ہے کہ "سیّد الکونین ﷺ کے بول و براز مبارکہ (فضلات) پاک ہیں"۔[2]

"حتّٰی کہ شیخ الاسلام سراج بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اگر مجھے کہیں سے رحمت للعٰلمین ﷺ کے بول و براز (خوشبو مبارک) شریف مل جائیں تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بول شریف پی لوں اور براز شریف کھالوں اور

---

1 (زرقانی علی المواھب ج۲ ص ۳۹)
2 (الیواقیت و الجواھر ج۲ ص ۶۲)

حدیث پاک بھی اسی کی تاکید کر رہی ہے کہ رحمتِ دو عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا ہم جو نبیوں کی جماعت ہیں ہمارے اجسام جنّتیوں کے اجسام پر بنائے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں رسول اکرم ﷺ رفع حاجت فرماتے تھے، وہاں سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کستوری کی سی خوشبو سونگھا کرتے تھے۔"

میرے عزیز غور کر، اسے کہتے ہیں ایمان بالرسول ﷺ جیسے کہ آپ نے شیخ الاسلام بلقینی کا ارشاد گرامی پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ائمہ کرام کو ہماری طرف سے بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا کرے اور ہمیں بھی ان کے ساتھ اپنے حبیب لبیب ﷺ کے جوارِ خاص میں جگہ عطا کرے۔ (آمین)

عاشقِ رسول خواجہ غلام محیّ الدین قصوری رحمہ اللہ جن کا لقب تھا دائم الحضوری یعنی ہمیشہ دیدارِ مصطفی ﷺ سے مشرف رہنے والے، وہ اپنی ایمان افروز کتاب "تحفۂ رسولیہ" میں فرماتے ہیں:

غائط و خون و بولِ نبی طاہر است — گفت چنیں آنکہ بدیں ماہر است

یعنی نبی اکرم ﷺ کے بول و براز شریف (خوشبو مبارک) اور خون مبارک پاک ہیں اور یہ کسی ایرے و غیرے کا قول نہیں بلکہ یہ ان اماموں رحمہم اللہ کا قول مبارک ہے جو کہ دین کے ماہر ہیں۔[1]

فتاویٰ شامی رد المحتار میں ہے:

صحّح بعض ائمّة الشّافعيّة طهارة بوله ﷺ و سائر فضلاته و به قال ابو حنيفة كما نقله فى المواهب اللّدنية عن شرح البخارى للعينى وصرّح به البيرى فى شرح الاشباه وقال الحافظ ابن حجر تظافرت الادلّة علىٰ ذالك وعدّ الائمّة ذٰلك من خصائصه ﷺ ونقل بعضهم عن شرح المشكوة لملّا على القارى انّه قال اختاره كثيرٌ من اصحابنا و اطال فى تحقيقه فى شرحه على الشّمائل فى باب ما جاء فى تعطّره عليه الصّلاة و السّلام۔

یعنی بعض ائمہ شافعیہ نے رسول اکرم ﷺ کے بول مبارک اور دیگر فضلات مبارکہ کے پاک ہونے کی تصحیح کی ہے اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، جیسے کہ "المواھب اللدنیہ" میں عینی شرح بخاری سے نقل کیا ہے نیز علامہ بیری نے شرح اشباہ میں اس کی تصریح کی ہے اور علّامہ ابن حجر نے فرمایا نبی اکرم ﷺ کے فضلات مبارکہ کی طہارت پر کثرت سے دلائل موجود ہیں اور ائمہ کرام نے فضلاتِ مبارکہ کی طہارت کو سرکار ﷺ کے خصائص سے شمار کیا ہے اور بعض ائمہ کرام نے مرقات شرح مشکوۃ سے نقل فرمایا ہے کہ اس حکم کو یعنی فضلات مبارکہ کی طہارت کو ہمارے بہت سے فقہاء حنفیہ نے اختیار کیا ہے، نیز ملّا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح شمائل میں لمبی تحقیق کی ہے۔ (تعطّر خوشبو کے باب میں)[2]

---

[1] (تحفہ رسولیہ ص ۵)

[2] (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۳۳)

جناب مولوی انور شاہ کشمیری صدر مدرس دیوبند فرماتے ہیں:

لانّ العلمآء ذھبوا الٰی طھارۃ فضلاتہ ﷺ۔

یعنی علماء امّت حضور ﷺ کے فضلات شریفہ کی طہارت کی طرف گئے ہیں۔[1]

"جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں: اور مروی ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ ﷺ کے بول وبراز (خوشبو مبارک) کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت پاکیزہ بمثل مشک خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی لئے علماء آپ ﷺ کے بول وبراز (خوشبو مبارک) کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ ابو بکر بن سابق مالکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو نصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو نقل کیا ہے اور مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم احد میں آپ ﷺ کا خون (زخم کا) چوس کر پی گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا، پی لیا تھا اور برکت اور آپ ﷺ کی خادمہ امّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کا پیشاب مبارک (خوشبو مبارک) پی لیا تھا، سو ان کو ایسا معلوم ہوا جیسا شیریں نفیس پانی ہوتا ہے۔[2]

سید العارفین حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ القیوم فرماتے ہیں:

اشقیا را دیدۂ بینا نبود — نیک وبد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگ حق بیں آنکھوں سے محروم ہیں، اس لئے ان کی آنکھوں میں نیک وبد یکساں دکھائی دیتا ہے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

چنانچہ انہوں نے انبیاء کی برابری کا دعویٰ کر دیا اور اولیاء کو اپنے برابر سمجھ لیا ہے۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

اگر کسی نے اس سُوئِ ادب پر اعتراض کیا تو کہہ دیا ہم بھی انسان وہ بھی انسان، ہم اور وہ دونوں سونے اور کھانے وغیرہ کے پابند ہیں پھر فرق کیا ہوا؟

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ — ہست فرقے در میاں بے منتہیٰ

مگر انہوں نے اپنی کور باطنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں فریقوں میں بے انتہا فرق ہے

---

[1] (فیض الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۲۸۹)

[2] (نشر الطیب، ص ۱۹۳)

ہر دو گوں زنبور خوردند از محل ۔۔۔ لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل

مثلاً ہر دو رنگ کی زنبوروں (یعنی بھڑ اور شہد کی مکھی) نے (پھولوں اور شگوفوں کا رس) ایک ہی جگہ سے چوسا مگر اس سے ڈنگ پیدا ہوا اور دوسری سے شہد۔

ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب زیں ۔۔۔ یکے سر گیں وزاں مشک ناب

دوسری مثال یہ کہ دونوں قسم کے ہرنوں نے ایک ہی طرح کی گھانس چری اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیا لیکن ایک میں تو مینگنیاں بن گئیں اور دوسری میں خالص کستوری۔

ہر دو نے خوردند از یک آبخور ۔۔۔ آں یکے خالی وآں پر از شکر

تیسری مثال یہ کہ دونوں قسم کے نے ایک ہی گھاٹ سے سیر اب ہوئے لیکن ایک کھوکھلا ہے اور دوسرا شکر سے پر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں ۔۔۔ فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

ایسی ہی لاکھوں نظیریں دیکھو گے ان میں ستر برس کی راہ کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گردد پیدی زو جدا ۔۔۔ واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

اسی طرح یہ غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور وہ (نبی) جو کھاتا ہے تو وہ سب کا سب نورِ خدا بن جاتا ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست ۔۔۔ آبِ تلخ وآبِ شیریں را صفاست

اگر دونوں کی صورتیں ملتی جلتی ہیں تو یہ ممکن ہے (چنانچہ) تلخ پانی اور شیریں پانی دونوں میں صفائی موجود ہے۔

جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد بیاب ۔۔۔ او شناسد آبِ خوش از شورہ آب

صاحبِ ذوق کے سوا کون پہچان سکتا ہے (اس صاحبِ ذوق سے) ملاقات کر کیونکہ وہی خوشگوار پانی اور شور (تلخ) پانی میں فرق کر سکتا ہے۔

تفصیلی اشعار مثنوی شریف میں درج ہیں وہاں رجوع کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَل لِّی نُورًا فِی قَلْبِی وَنُورًا فِی قَبْرِی وَنُورًا مِّن بَینِ یَدَیَّ وَنُورًا مِّن خَلفِی وَنُورًا عَن یَّمِینِی وَنُورًا عَن شِمَالِی وَنُورًا مِّن فَوْقِی وَنُوْرًا مِّن تَحتِی وَنُورًا فِی سَمعِی وَنُورًا فِی بَصَرِی وَنُورًا فِی شَعرِی وَ نُورًا فِی بَشَرِی وَنُورًا فِی لَحمِی وَنُورًا فِی دَمِی وَنُورًا فِی عِظَامِیاللھُمَّ اَعظِم لِی نُورًا وَّ اَعطِنِی نُورًا و اَجعَل لِّی نُورًا۔

ترجمہ: اے اللہ کر دے میرے لئے میرے دل میں نور اور میری قبر میں نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے کانوں میں نور اور میری آنکھوں میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میری جلد میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میری ہڈیوں میں نور، اے اللہ! میرے لئے بہت ہی زیادہ نور کر دے اور مجھے نور عطا فرما اور مجھ کو نور کر رکھ۔[1]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک ﷺ کی اس نورانی دعا کو ضرور قبول فرمایا تو ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کی ہر چیز نور ہے اور آپ سراپا نور ہی نور ہیں اور جو چیز بھی آپ کے جسم مبارک میں جاتی وہ بھی نور ہو جاتی۔

آں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

ثابت ہوا کہ آپ کے تمام فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں اور ان کو نجاست و غلاظت کہنا بے ادبی و گستاخی ہے۔ اور ان سے تبرک حاصل کرنا بھی ثابت بالسنۃ ہے۔

---

[1](ترمذی شریف، ج۲ ص ۴۸۹)

(۱۹) باب نمبر انیس: انبیاء اور اولیاء کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسمانیہ کا تبرکاً بوسہ لینا

تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں جن کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ امتِ مسلمہ کے ہر دور میں اکابر اولیاء اور عامۃ الناس اپنے زمانہ کی متبرک اور مقدس شخصیات کے ہاتھ، پاؤں اور سر چوم کر ان کے فیوض و برکات کو سمیٹتے رہے ہیں۔

ذیل میں اسی حوالے سے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں:

حضرت عبد الرحمن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ربذۃ کے مقام سے گزرے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقیم ہیں، ہم نے ان کی خدمت میں حاضری دی اور ان کو سلام عرض کیا:

فاخرج یدیه فقال بایعت بهاتین نبیّ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلهٖ و سلّم فاخرج کفًّا له ضخمة کأنّها کفّ بعیرٍ فقمنا الیها فقبّلناها۔

"تو انہوں نے اپنے ہاتھ (چادر یا آستین سے) باہر نکالے اور فرمانے لگے کہ میں نے ان ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ہتھیلی سامنے کی جو اونٹ کی ہتھیلی کی طرح بھاری اور گداز تھی۔ ہم کھڑے ہوئے اور اس کا بوسہ لے لیا"۔[1]

امام ابو نعیم اصبہانی نے بھی حضرت یونس بن میسرہ سے مروی اسی طرح کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز یزید بن اسود عائدین کے پاس گئے۔ ان کے پاس حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے:

فلما نظر الیه مدّ یده فأخذ یده فمسح بها وجهه و صدره لأنه بایع رسول اللہ ﷺ۔

یعنی پس جب حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دیکھا تو اپنا ہاتھ آگے کیا، انہوں نے ہاتھ لے کر (حصولِ برکت کے لئے) اپنے چہرے اور سینے پر ملا کیونکہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے (اسی ہاتھ سے) بیعت کی تھی۔"[2]

تابعی کبیر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

أمسست النبی ﷺ بیدک؟

یعنی کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک کو چھوا ہے؟

تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

نعم! یعنی ہاں!

---

[1] (ادب المفرد للبخاری، باب تقبیل الید، صفحہ ۱۴۴ سطر ۱ تا ۳ تنویر القلوب صفحہ ۲۰۰)

[2] (ابو نعیم اصبہانی حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۳۰۶)

فقبّلها۔

یعنی حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ چوم لیا۔[1]

یحییٰ بن ذماری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر کہا:

بایعت هذه رسول اللہ ﷺ؟ فقال: نعم، قلت: أعطنی یدک أقبّلها فأعطانیها فقبّلتها۔

"آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ہاتھ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! تو میں نے کہا کہ اپنا ہاتھ میری طرف کریں کہ میں اسے بوسہ دوں، انہوں نے اس کو میری طرف کیا تو میں نے اسے بوسہ دیا۔"[2]

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

رأیت علیا یقبل ید العباس و رجلیه۔

"میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔"[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام عالی مقام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا:

أرنی الموضع الذی قبله رسول اللہ ﷺ فرفع الحسن ثوبه، فقبّل سرّته۔

یعنی آپ مجھے وہ جگہ دکھائیں جہاں حضور ﷺ نے بوسہ لیا ہے، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جسم سے کپڑا اسر کا دیا تو انہوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناف کا بوسہ لیا۔[4]

ذہن نشین رہے کہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں، اس قدر عظیم البرکت شخصیت ہونے کے باوجود بھی انہوں نے اہلِ بیتِ اطہار سے فیض اور برکت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔

صاحبِ الصحیح امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا:

دعنی حتی أقبّل رجلیک، یا أستاذ الأستاذین و سید المحدثین و طبیب الحدیث فی علله۔

---

[1] (بخاری، الأدب المفرد، ۱۴۴ : ۱، باب تقبیل الید، رقم ۹۷۴) (تنویر القلوب ص ۲۰۰) (دارمی شریف ۱:۳۱)
[2] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲:۹۴، رقم: ۲۲۶) (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸:۴۲)
[3] (بخاری، الادب المفرد، ۱:۳۳۹، باب تقبیل الید، رقم ۹۷۶) (کنز العمال، ۱۳:۳۷۳۲۹) (فتاویٰ حقانیہ، ج ۲ ص ۴۵۳)
[4] (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ۹:۹۴، رقم ۴۶۷۷)

یعنی اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور عللِ حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔"[1]

تمام محدثین، مفسرین، فقہاء محققین، اور علماء مدققین، سلف صالحین اور اولیاء کاملین، سب کا یہی عقیدہ ہے کہ ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔ جیسا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

سیدنا امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف الادب المفرد میں باب تقبیل الرجل، باب تقبیل الید میں، امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جامع ترمذی باب **ماجاء فی قبلة الید و الرجل** میں، امام ابو عبد اللہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنن ابن ماجہ میں باب الرجل یقبل ید الرجل میں، اور امام کا باب باندھ کر احادیث جمع فرمائیں۔ اگر ہاتھ اور پاؤں چومنا شرک ہوتا تو اتنے بڑے محدثین اصحابِ صحاح جن پر وہابیہ اور دیابنہ کو بھی کلی طور پر اعتماد ہے، کبھی باب باندھ کر اتنے اہتمام سے احادیث شریف جمع نہ فرماتے۔

شیخ المحدثین شیخ عبد الحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ مقدمہ اشعۃ للمعات میں حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "مسلم صاحب الصحیح چوں تردادے در آمد میگفت بگذار مرا تا بوسہ زنم دو پائے ترا" یعنی امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ جو کہ صحیح مسلم شریف کے جامع ہیں، جب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے عرض کیا کہ مجھے چھوڑ دیں (اجازت فرمائیں) کہ میں آپ کے مبارک پاؤں کو چوم لوں۔"[2]

امام نووی رحمہ اللہ شارح صحیح مسلم سے کسی نے پوچھا:

تقبل ید غیرہ ما حکمه۔

یعنی اپنے غیر کے (دوسرے آدمی کے) ہاتھ کو چومنے کا کیا حکم ہے؟

تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

یستحب تقبیل ایدی الصّالحین و فضلاء العلماء صالحین۔

(اولیاء اللہ) فضلاء اور علماء کے ہاتھوں کو چومنا مستحب ہے۔[3]

---

[1] (ابن نقطہ، التقیید لمعرفة رواة السنن و المسانید، ۳۳:۱)(اشعة اللمعات فارسی، ۹:۱ مطبوعہ نور الکشور)
[2] (اشعت اللمعات فارسی ۹:۱)(سیرت البخاری ص ۴، مولوی عبد السلام مبارک پوری وہابی)
[3] (کتاب الاذکار للنووی ص ۲۳۴، سطر ۱۳، ۱۴، مصر و حاشیہ مشکوة المصابیح ص ۴۰۲)

خاتم الفقہاء والمحدثین علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ سے مصافحہ کرنے اور ہاتھ پاؤں چومنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

المصافحة للقادم سنّة و كذا تقبيل ما ذكر من نحو عالم و صالح و شريف و نسيب۔

آنے والے کے ساتھ مصافحہ کرنا اور عالم دین صالح شریف اور عمدہ نسب والے کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینا سنّت ہے۔

آپ نے اپنے فتاویٰ میں ایک واقعہ درج فرمایا ہے کہ فقہائے ثقہ میں سے ایک فقیہ نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ کچھ عرصہ مکہ شریف میں برکت کے طور پر رہا۔ اولیاء اللہ میں سے مکہ میں ایک میرا دوست تھا۔ ایک دفعہ میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ مجھے زمانے کا قطب دکھائے۔ تھوڑی دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ جب تم اسے دیکھو تو اس کے ساتھ بات نہ کرنا۔ کچھ مدت گذرنے کے بعد میں نے قطب کو دیکھا۔ **فقبلت يده و جلست ساكتا** تو میں ان کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دے کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ قطب نے تھوڑی دیر مراقبہ کرنے کے بعد فرمایا۔ اے فقہاء کی جماعت! تم میں سے ایک آدمی شہر کا سردار ہے۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس قطب سے اس فقیہہ سردار کی بابت پوچھوں، لیکن مجھے پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد مجھے پھر ان سے اتفاق ہوا۔ اور میرے دل میں حاضری کے وقت خیال تھا کہ اس فقیہہ سردار کے متعلق پوچھوں تو قطب نے خود ہی میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس وقت شہر کا فقیہہ سردار شیخ برھان الدین ابو شریف ہے۔ پھر اس کے بعد شیخ زکریّا ہو گا۔ ان دو اماموں کے متعلق قطب کی شہادت کا مشاہدہ ہوا تو واقعی وہ دونوں شہر کے بلکہ دنیا کے سردار اور اس کی زینت تھے۔[1]

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

عند ابی یوسف لا یكره و لا بأس بالمصافحة و تقبيل يد العالم و السلطان العادل۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک عالم دین اور عادل سلطان (بادشاہ) سے مصافحہ کرنے اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج اور کراہت نہیں۔[2]

حضرت سفیان بن عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انّه قال تقبيل يد العالم و السلطان العادل سنّة۔

بے شک عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنا سنت ہے۔[3]

---

[1] (فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۳، مطبوعہ مصر مصنفہ ابن حجر مکی)

[2] (ملتقی الابحر ص ۳۳۸، للحلبی مطبوعہ مصر) (شرح الاشباہ عینیہ و النظائر للحموی ج ۲ ص ۴۵۱ شرح تحفہ النصائح فارسی ص ۱۹۱)

[3] (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر بر حاشیہ ملتقی الابحر ص ۳۳۸ مطبوعہ مصر)

حضرت سعد اللہ بن عیسیٰ المعروف سعدی چلپی علیہ الرحمۃ عنایہ شرح ہدایہ میں اور علامۃ الفہامہ امام اکمل الدین بابرتی علیہ الرحمۃ نے بھی شرح ہدایہ میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے۔ عن سفیان رحمۃ اللہ علیہ تقبیل ید العالم سنّۃ حضرت سفیان علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ عالم دین کے ہاتھ کو بوسہ دینا سنت ہے۔[1]

حضرت فقیہہ ابو اللیث السمرقندی، امام جلال الدین سیوطی اور علامہ عبد الغنی الدہلوی نے چومنے کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱) محبت کے طور پر، (۲) رحمت کے طور پر، (۳) شفقت کے طور پر، (۴) احترام کے طور پر، (۵) شہوت کے طور پر۔

فامّا قبلۃ المودۃ فھی قبلۃ الوالدین لولدھما علی الخدو اما قبلۃ الرحمۃ فقبلۃ الولد لوالدیہ علی الرأس و اما قبلۃ الشفقت فقبلۃ الاخت للاخ علی الجبھۃ و اما قبلۃ التحیۃ فقبلۃ المؤمنین فیما بینھم علی الید و امّا قبلۃ الشّھوۃ۔ فقبلۃ الزّوج لزوجتہٖ علی الفم۔

محبت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے رخساروں کو چومنا۔ رحمت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے اولاد کا والدین کے سر کو چومنا۔ شفقت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے ہمشیرہ کا بھائی کی پیشانی کو چومنا۔ عزت و احترام کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا۔ اور شہوت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے خاوند کا اپنی بیوی کے منہ (ہونٹوں) کو بوسہ دینا۔[2]

شیخ محقق شیخ المحدثین عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تقبیل ید عالم وزاہد یا مردے کبیر السن جائز است۔

عالم دین اور زاہد یا عمر رسیدہ آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔[3]

امام الفضلاء حضرت علامہ سید احمد بن محمد الحموی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فی مفتاح السعادت و اما تقبیل الید ان کان ممن یستحق الاکرام کالعلماء و السادات و الاشراف یرجی ان یجال الثواب کما فعلہ بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

---

[1] (عنایہ شرح ھدایہ للسعدی الچلپی و عنایہ شرح ھدایہ للامام اکمل الدین بر حاشیہ نتائج الافکار ص ۱۲۰ مطبوعہ مصر)

[2] (بستان العارفین للسمرقندی بر حاشیہ تنبیہ الغافلین ۱۵۹، مصباح الزجاجہ للسیوطی ابن ماجہ ۲۷۱ الحاجہ للعلامہ عبد الغنی الدھلوی بر حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۷۱ در مختار ج ۲ ص ۲۴۳، مطوعہ کلکتہ، مظاھر حق ج ۴ ص ۵۴، مطبوعہ لکھنؤ)

[3] (اشعۃ اللمعات فارسی ج ۴ ص ۲۴، مطبوعہ نور الکشور)

یعنی مفتاح السعادت میں لکھا ہے کہ ایسے شخص جو تعظیم و تکریم کا مستحق ہے، جیسے علماء دین، سادات، اشراف اور ذوالاحترام حضرات ہیں، ان کے ہاتھ چومنے میں ثواب کی امید ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ثابت ہے۔[1]

علامہ قطب الدین دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیفِ لطیف مظاہر حق میں فرماتے ہیں کہ بوسہ دینا اوپر ہاتھ عالم متورع کے جائز ہے بعضوں نے کہا کہ مستحب ہے۔[2]

کتاب تنویر الابصار کے مصنف سند الفقہاء حضرت علامہ محمد بن عبد اللہ تمر تاشی علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف لطیف میں تحریر فرماتے ہیں:

من طلب عالماً او زاهداً ان یمکّنه من قدمهٖ لیقبله اجابه۔

"جو شخص کسی عالم یا زاہد سے اس کے پاؤں چومنے کی اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دینی چاہیئے۔"

لا بأس بتقبیل ید العالم و السلطان العادل۔

"عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"[3]

فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب در مختار کے مصنف علامہ علاؤالدین الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لا بأس بتقبیل ید الرجل العالم و المتورع علی سبیل التسبرک و نقل المصنف عن الجامع انه لا بأس بتقبیل ید الحاکم المتدین و السطان العادل و قیل سنۃ مجتبیٰ۔

حصولِ برکت کی غرض سے عالم اور پرہیز گار متقی شخص کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ مجتبی نامی کتاب کے مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ دیندار حاکم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔[4]

خاتم الفقہاء والمحققین علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور و معروف کتاب رد المحتار المشہور شامی میں فرماتے ہیں:

قیل سنۃ ای تقبیل ید العالم و السلطان العادل۔

یعنی عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے کو سنت کہا گیا ہے۔[5]

عارف باللہ علامہ محمد امین الکردی الاربلی الشافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یسن تقبیل الید لصالحٍ و نحوہ کعلم و زهد۔

---

[1] (شرح الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۵۲، مطبوعہ نور الکشور)
[2] (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴ مطبوعہ لکھنؤ)
[3] (تنویر الابصار باب الاستبراء، مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴)
[4] (در مختار ج ۲ ص ۲۴۷ باب الاستبراء حاشیہ جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۸)
[5] (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۳۷)

علم اور زہد و منیرہ کی بناء پر ہاتھ چومنا سنت ہے۔[1]

علامہ عبد الرحمن صفوری اپنی کتاب شرعت الاسلام کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

من قبل رجلی امہ فکانما قبل عتبۃ الکعبۃ۔

جس نے اپنی والدہ کے پاؤں کو بوسہ دیا پس اس نے خانہ کعبہ کی دہلیز کو بوسہ دیا۔[2]

حضرتِ عمرو بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں (سیدنا) حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدینہ طیبہ کے (پاکیزہ) گلیوں میں سے گزر رہا تھا، کہ سامنے سے حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، سو انہوں نے جنابِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا (اے امام) میں آپ پر فداء ہو جاؤں، اپنے شکم اقدس سے ذرا سا قمیص اٹھا دیں تاکہ میں اس مقام کو بوسہ دے سکوں جہاں رسول اکرم ﷺ بوسے دیا کرتے تھے۔ سو جنابِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیٹ سے قمیص ہٹا دی، تو جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناف (مبارک) کو بوسہ دیا۔[3]

و روی عن اصحاب النبی ﷺ انھم کانوا اذا قدم من سفر ھم یعانق بعضھم بعضا و یقبل بعضھم بعضا۔

"صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ جب وہ اپنے سفر سے واپس ہوتے تو ایک دوسرے کو گلے لگا کر ملتے، اور ایک دوسرے کو بوسہ دیتے۔"[4]

عن انس قبلۃ المسلم المصافحۃ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی مسلمان کو بوسہ دینا، مصافحہ ہے۔

یعنی مصافحہ سنت ہے تو بوسہ دینا بھی سنت ہے۔[5]

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ عبد الرحمن کا بیان ہے کہ میرے والد کبھی کبھی مجھ کو اپنے ہم جلیس کے ساتھ بھیجتے تو وہ میرے سر کو بوسہ دیتے تھے۔[6]

---

[1] (تنویر القلوب ص ۱۹۹، مطبوعہ مصر)

[2] (نزھۃ المجالس ج ا ص ۱۷۱، مطبوعہ مصر)

[3] (اخرجہ احمد فی مسندہ و الطبرانی فی المعجم و ابن حبان فی صحیحہ و البیھقی فی سننہ و ابن ابی شیبۃ فی مسندہ ثم نصب الرایۃ جلد ۲ کراھیۃ (۲۹))

[4] (بستان العارفین، الباب الثانی، و الثمانون ص ۸۴)

[5] (کنز العمال، کتاب الصحبۃ فی سنن الاقوال و الافعال ص ۵۶، ج ۹)

[6] (سیر الصحابہ ص ۱۴۷، ج ۷)

حضرت ابو نضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے رخسار کو بوسہ دیا

عن ایاس بن دغفل قال رأیت ابا نضرۃ قبّل خد الحسن رضی اللّٰہ تعالی عنہ۔

”حضرت ایاس بن دغفل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو نضرہ منظر بن مالک بصری تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا انہوں نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رخسار کو بوسہ دیا۔“[1]

عن حسن بن علی تقبیل المسلم ید اخیہ المصافحۃ۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ کو بوسہ دینا مصافحہ ہے۔یعنی مصافحہ سنت ہے تو بوسہ دینا بھی سنت ہے۔[2]

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سر مبارک کو بوسہ دینے کی خواہش ظاہر کی۔

قال ابو وائل قال رجل انی لاشتھی ان اقبل راسہ یعنی من حلاوۃ کلامہ۔

حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شیریں بیانی کی حلاوت پر میرا دل بے اختیار چاہتا تھا کہ ان کے سر کو بوسہ دوں۔[3]

عن سعید بن جبیر کنت اسمع الحدیث من ابن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنہ فلو یؤذن لقبلت رأسہ۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنا کرتا تھا۔ پھر اگر وہ اجازت مرحمت فرماتے تو یقیناً میں ان کے سر کو بوسہ دیتا۔[4]

سوال: کیا علماء و صلحاء کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے؟

جواب: حامداً و مصلیاً علم اور بزرگی کے احترام کی خاطر ہاتھ پیر چومنے کی اجازت ہے۔[5]

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ استاذ، والد، والدہ، کسی بزرگ اور صالحین کے ہاتھ پاؤں چومنا برائے تعظیم چومنا جائز ہے یا ناجائز۔ بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب: استاذ وغیرہ کا ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔

---

[1] (المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الادب باب فی المعانقہ عندما یلتقی الرجلان، ج۱۳، ص ۱۸۹) (سنن ابی دائود، کتاب الادب باب فی قبلۃ الخد، ص ۳۶۸، ج ۲)

[2] (کنز العمال، کتاب الصحبۃ فی سنن الاقوال و الافعال ص ۵۷، ج ۹)

[3] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ حرف العین المھملۃ ص ۱۲۹، ج۴) (سیر الصحابہ ص ۲۶۸، ج ۲)

[4] (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ حرف العین المھملۃ ص ۱۲۹، ج۴)

[5] (فتاویٰ محمودیہ، ج ۱۹ باب السلام و القیام و المصافحہ، الفصل الرابع فی القیام و التقبیل ص ۱۲۶)

لان صحابه يقبلون يد رسول الله ﷺ ورجله وكذا بعضهم يقبل ايد بعضهم من شاء الاطلاع على الروايات فليراجع الى الادب المفرد المؤلفة للامام بخارى رحمة الله تعالىٰ عليه هو الموفق۔[1]

اس فتاویٰ فریدیہ میں حاشیہ پر مفتی محمد وہاب منگلوری مدرس دار العلوم صدیقیہ، زروبی، لکھتے ہیں:

قال العلامة الحصكفى ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرّك درر۔۔۔وقيل سنةٌ مجتبىٰ وتقبيل رأسه أى العالم أجود۔

قال ابن عابدين أى تقبيل يد العالم والسلطان العادل قال الشرنبلالى وعلمت أن مفاد الاحاديث سنيّته أو ندبه كما اشار اليه العينى۔[2]

لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا

فوالله ما يرحوا حتى اعتلوا الجدار، وقلصوا المآزر، وطفق الناس بالعباس يمسحون اركانه، ويقولون: هنيئا لک ساقى الحرمين۔[3]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قحط عام الرمادہ کے موقع پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ یا خدا! پہلے ہم حضور اکرم ﷺ کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے اور اب ہم حضور ﷺ کے چچا محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل ہم کو سیر اب کر۔[4]

ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو یکا یک صاف شفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے۔ چونکہ یہ بارش بالکل غیر متوقع تھی، اس لئے لوگ فرط محب و مسرت سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہکے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دے کر کہتے تھے ساقی حرمین مبارک ہو! ساقی حرمین مبارک ہو!

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا

قال رأيت رسول الله ﷺ واقفا مع على بن ابى طالب اذ اقبل ابو بكر صديق فصافحه النبى ﷺ وعانقه وقبل فاه فقال على اتقبل فا ابى بكر فقال ﷺ يا ابا الحسن منزلة ابى بكر عندى كمنزلتى عند ربى۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا دیکھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے مصافحہ

---

[1] (فتاویٰ فریدیہ، کتاب السنة والبدعة، ج ۱، ص ۱۱۳، مصنفہ شیخ الحدیث مفتی محمد فرید، مفتی دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)
[2] (الدر المختار مع رد المختار، ص ۲۷۱، ج۵، قبیل فصل فی البیع کتاب الحضر والاباحة) (فتاویٰ فریدیہ ص ۱۱۳)
[3] (الأستيعاب فى معرفة الاصحاب، باب حرف العين ج ۲ ص ۳۶۱) (سیر الصحابہ ج ۲ ص ۲۰۴)
[4] (بخاری ج ۱ ص ۵۲۶)

فرمایا اور گلے لگایا اور ان کے دہن مبارک پر بوسہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ کیا حضور ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ کا بوسہ لیتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا! اے ابو الحسن، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا میرا مرتبہ اپنے رب کے حضور۔[1]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

ثم قال این ابو بکر الصدیق قال فوثب الیہ ابو بکر وقال ھا انا ذا یا رسول اللہ ﷺ قال ادن منی فدنا منہ فضمہ الی صدرہ وقبل بین عینیہ۔

حافظ ابو سعید خرگوشی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف المصطفی عربی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر فرمایا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جذبہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں! حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پاس آؤ! پاس حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں سینہ سے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

پس گفت کجاست عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

این عمر ابن خطاب فوثب الیہ عمر وقال ھا انا ذا یا رسول اللہ ﷺ فقال ادن منی فدنا منہ فضمہ النبی ﷺ الی صدرہ وقبل بین عینیہ۔

حضرت نجم الدین محمود راوندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف النبی فارسی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں سینے سے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔[3]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

صعد رسول اللہ ﷺ علی المنبر ثم قال این عثمان بن عفان فوثب الیہ وقال ھا انا ذا یا رسول اللہ ﷺ فقال ادن منی فدنا منہ فضمہ الی صدرہ وقبل بین عینیہ۔

---

1 (سیرت حافظ عمر بن محمد ملا۔ العطایا النبوتہ فی الفتاویٰ الرضویہ ج ۲۲ ص ۲۶۵)

2 (شرف النبی باب بیست و نہم در فضیلت صحابہ صدر فضیلت صحابہ ص ۲۸۸)

3 (شرف النبی باب بیست و نہم در فضیلت صحابہ ص ۲۸۹)

حافظ ابو سعید خرگوشی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرف النبی ﷺ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ، فرمایا پاس آؤ، پاس حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں سینے سے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔[1]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوسہ دیا

عن عائشة قالت رأيت النبی ﷺ التزم عليا و قبله و هو يقول بابی الوحيد الشهيد۔

ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چمٹے ہوئے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے میرا باپ یگانہ شہید پر قربان ہو۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا

ان عليا دخل على النبی ﷺ و عنده العباس فسلم فرد عليه ﷺ و قام فعانقه و قبل ما بين عينيه و اجلسه عن يمينه۔

ابو الخیر الحاکمی اور اصحاب کنوز المطالب نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے سلام کیا اور حضور اکرم ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور اٹھ کر آپ سے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور دائیں طرف بٹھایا۔[3]

امام الانبیاء ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

ما رأيت أحدا أشبه سمتا و دلا و هديا برسول الله ﷺ فی قيامها و قعودها من فاطمة بنت رسول الله ﷺ قالت: و كانت اذا دخلت على النبی ﷺ قام اليها فقبلها و أجلسها فی مجلسه و كان النبی ﷺ اذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبلته و أجلسته فی مجلسها۔

---

[1] (شرف النبی باب بیست و نہم در فضیلت صحابہ ص ۲۸۹) (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۲۶۷)

[2] (الصوائق المحرقہ الباب التاسعۃ الفصل ثانی ص ۱۲۴)

[3] (الصوائق المحرقہ الباب الاحدعشر الفصل الاول ص ۱۵۶)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی کو طریقہ، روش اور نیک خصلتی (اور ایک روایت میں ہے کہ بات کرنے میں) حضور ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان امور میں حضور نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں) جس وقت داخل ہوتی تھیں حضور نبی اکرم ﷺ فاطمہ کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کی طرف متوجہ ہوتے، دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے، حضور ﷺ جب ان کے ہاں جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، دستِ مبارک کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ اس حدیث سے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔“[1]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا

حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لئے حیدر کہتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو دودھ نہیں پیتے تھے بلکہ ناخن مارتے تھے۔ اتنے میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ کو گود میں لے کر بوسہ دینا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے کہا کہ یا محمد (ﷺ) اس کو بوسہ نہ دیں کیونکہ یہ حیدر ہے، یعنی ناخن مارتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی والدہ کی بات نہ سنی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بوسہ لیا اور اپنا لعاب دہن مبارک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں ڈالا۔ پہلی چیز جو حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں داخل ہوئی وہ حضور اکرم ﷺ کا لعاب دہن مبارک تھا۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا

واعتنق علیا باحدی یدیہ وفاطمۃ بالید الاخریٰ فقبل فاطمۃ وقبل علیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا تشریف لائے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنار میں لیا اور دوسرے ہاتھ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کنار میں لیا۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیا اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوسہ دیا۔[3]

---

[1] (ترمذی الجامع الصحیح، ج۵ ص ۷۰۰، کتاب المناقب باب فضل فاطمۃ رقم ۳۸۷۲، ابو دائود السنن ج۴ ص ۳۵۵، کتاب الادب رقم ۵۲۱۷، نسائی السنن الکبریٰ ج۵ ص ۹۶، رقم ۸۳۶۹، ابن حبان الصحیح ج۱۵، ص ۴۰۳، رقم ۶۹۵۳، حاکم، المستدرک، ج۳ ص ۱۷۴، رقم ۴۷۵۳، ابن راھویہ المسند، ج۱ ص ۸، رقم ۶، عسقلانی، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، ادب المفرد ص ۱۳۸ مطبوعہ مصر، حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص ۱۴۸، غنیۃ الطالبین ص ۳۱، مدارج النبوۃ فارسی ج۲ ص ۵۴۲)

[2] (حضرات القدس دفتر اول ص ۸۰)

[3] (مسند الامام احمد بن حنبل حدیث ام سلمۃ زوج النبی ﷺ ج۷ ص ۴۲۱)

حضور اکرم ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیتے تھے

وکان علیہ السلام یقبل رأس فاطمۃ رضی اللہ عنہا ویقول اجد منہا ریح الجنۃ۔

حضور اکرم ﷺ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سر کو بوسہ دیتے اور فرماتے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔[1]

وکان اذا قدم من سفرٍ بدأ بھا فقبلھا وعانقھا۔

جب حضور اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف فرماتے تو پہلے آپ ﷺ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے اور انہیں سینے سے لگاتے اور پھر انہیں بوسہ دیتے۔[2]

وکان یقبّلھا فی فیھا ویمصوھا لسانہ واذا اراد سفر أیکون أخر عھدہ بھا واذا قدم اوّل ما یدخل علیھا۔

حضور اکرم ﷺ حضرت بی بی فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے دہان مبارک میں بوسہ دیتے تھے اور اپنی زبان مبارک ان کو چسواتے تھے اور جس وقت آپ ﷺ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تھے، سب سے آخر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے اور جس وقت سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس داخل ہوتے۔[3]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیا

فضمھا الیہ وقبلھا۔[4]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی طرف کھینچا اور انہیں بوسہ دیا۔[5]

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کے سر اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

شیخ المحدثین عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیفِ لطیف مدارج النبوۃ شریف میں ایک روایت درج فرماتے ہیں: کہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۱ ربیع الاول شریف کو نور مجسم شفیع معظم ﷺ کی خدمتِ سراپا قدس میں اپنے لشکر سمیت رخصتی کی اجازت حاصل کرنے کے ارادہ سے حاضر ہوئے۔

---

[1] (رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق عینی ج ۲ ص ۲۱۰، اشعۃ اللمعات باب المصافحہ والمعانقہ ج ۹ ص ۲۳) (محمود الفتاویٰ کتاب الحظر والاباحۃ ج ۴ ص ۲۷۳، البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۸ ص ۲۲۱)

[2] (رمز الحقائق، شرح کنز الدقائق، عینی ھذا کتابٌ فی بیان احکام الکراھیۃ، ھذا فصلٌ فی البیان احکامُ النظر والمسّ، ص ۲۱۰، ج ۲) (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۲۳)

[3] (المواھب للدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۱ ص ۳۹۵)

[4] (المصنف لابن ابی شیبۃ ۳۰ کتاب الفضائل ۱۸ باب الفضائل علی بن ابی طالب ص ج ۱۷ ص ۱۱۹)

[5] (المصنف لابن ابی شیبۃ ۳۰ کتاب الفضائل ۱۸ باب الفضائل علی بن ابی طالب ص ج ۱۷ ص ۱۱۹)

وبر بالین شریف حاضر شد و سر مبارک را پیش برد و سر و دست مبارکش را تقبیل نمود۔

اور نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے سر کو جھکا کر حضور ﷺ کے سر مبارک اور ہاتھ مبارک کا بوسہ لیا۔[1]

حضرت وازع بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

حضرت وازع بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول پاک ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ (مگر ہم نبی اکرم ﷺ کی صورت مبارکہ سے نا آشنا تھے) تو کسی نے ہم کو کہا: **ذاک رسول اللہ** ﷺ (یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں): **فاخذنا بیدیہ و رجلیہ فقبلناھما** تو ہم نے حضور پر نور ﷺ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو پکڑ کر بوسہ دیا۔[2]

ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اپنی معرکۃ الآراء مبارک تصنیف خصائص الکبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کی شکایت حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کی۔ تو حبیبِ رب العالمین رحمۃ اللعالمین محمد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تو اس پر ناراض رہتی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں۔ تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے سروں کو ایک دوسرے کے قریب کرو۔ تو رسولِ مقبول ﷺ نے ان دونوں کے سروں کو اس طرح ملایا کہ عورت کی پیشانی اس کے خاوند کی پیشانی سے ملی اور دعا فرمائی: اے اللہ! ان دونوں میں محبت اور الفت پیدا فرما دے۔ ان کی ایک دوسرے ساتھی سے محبت پیدا فرما دے۔ کچھ عرصہ بعد وہ عورت شفیع معظم نورِ مجسم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ فقبلت رجلیہ تو آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اور تمہارے خاوند کیسے ہو؟ تو اس نے عرض کیا حضور ﷺ نہ وہ بچوں کی طرح ہے اور نہ بڑوں کی طرح ہے اور اسے مجھ سے زیادہ کوئی بچہ بھی محبوب نہیں (یعنی وہ میرے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرتا ہے)۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **اشھد انی رسول اللہ** میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی عرض کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔[3]

---

[1] (مدارج النبوۃ شریف فارسی ج ۲ ص ۴۸۶)
[2] (ادب المفرد للبخاری ص ۱۴۴ تنویر القلوب ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر)
[3] (خصائص کبریٰ ص ۸۷ ج ۳، دلائل نبوۃ لابو نعیم ۱۶۵ ج ۲)

حضرت اشج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا

حضرت مزیدۃ العبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اشج رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلتے ہوئے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے: **حتیٰ اخذ بید النبی ﷺ فقبلھا**۔ یہاں تک کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کا دستِ رحمت پکڑ کر اس کو چوما۔ تو نبی غیب دان ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان فیک لخلقین یحبھما اللہ و رسولہ۔

تم میں دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کو محبوب ہیں۔[1]

مندرجہ بالا حدیث شریف سے واضح ہے کہ ہاتھ چومنا نہ فعل قبیح ہے اور نہ ہی شرک بلکہ احسن فعل ہے۔ جس کی تحسین رسول رب کائنات ﷺ نے بھی فرمائی ہے۔

حضرت ذارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

حضرت ذارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ وفد عبد القیس میں تھے۔ جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو ہم نے اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کی: **فنقبل ید رسول اللہ ﷺ و رجلہ**۔ تو ہم نے شہنشاہِ عرب و عجم ﷺ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔[2]

دو یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دو یہودیوں نے سید الابرار احمد مختار ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سوال کئے۔ تو رازدارِ رب العلاء محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء نے ان کے جواب ارشاد فرمائے۔ تو ان یہودیوں نے جواب سن کر **فقبلا یدیہ و رجلیہ** آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔[3]

ایک اعرابی نے احمد مجتبیٰ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے کتاب **الشفاء بتعریف حقوق المصطفی** میں، علامہ شامی علیہ الرحمہ نے رد المحتار میں، علامہ فقیہ سمرقندی رحمہ اللہ نے تنبیہ الغافلین میں، علامہ کردی اربلی علیہ الرحمۃ نے تنویر القلوب میں ایک روایت حضرت

---

[1] (ادب المفرد ص ۸۶ مطبوعہ مصر)

[2] (ابو دائود شریف ج ۲ ص ۲۱۸، مشکوۃ المصابیح ص ۴۰۲، کتاب الاذکار للنووی ص ۲۳۴)

[3] (ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸، مشکوۃ شریف ص ۱۷) (کتاب الاذکار للنووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۲ ص ۲۷۱، شرح فقہ اکبر لعلامۃ المغنیساوی ص ۲۲، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۱۸)

بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی نقل فرمائی ہے کہ ایک اعرابی نے جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **قل لتلک الشجرة رسول الله ﷺ یدعوک**۔ اس درخت کو کہو کہ تجھ کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت دائیں بائیں آگے اور پیچھے جھکا جس سے اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں۔ پھر وہ زمین کو کھودتا ہوا اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا خاک اڑاتا ہوا اور آگے بڑھتا ہوا بار گاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے: السلام علیک یا رسول اللہ! اعرابی نے کہا اب اس کو اپنی جگہ پہ لوٹنے کا حکم فرمائیں۔ تو نبی مختار حبیب کردِ گار ﷺ کے فرمان پر درخت واپس اسی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ معجزہ دیکھ کر اعرابی نے عرض کیا: **اذن لی اسجد لک**۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو یہ حکم فرماتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو بلاشک عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ بعد ازیں اس نے عرض کیا: **اذن لی ان اقبل یدیک و رجلیک فاذن له**۔ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دوں۔ تو ہادی سبل، ختم رسل ﷺ نے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کی اجازت عنایت فرمادی۔[1]

اگر ہاتھ پاؤں چومنا ناجائز ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کبھی اجازت مرحمت نہ فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے والدین، مشائخ، علماء حقداروں کے ہاتھ پاؤں کو تبرکاً چومنا جائز ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

فقبلنا یداہ ﷺ۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔[2]

علامہ بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری علیہ الرحمۃ الباری نے حدیث شریف درج فرمائی ہے:

ان رجلا أتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله انی نذرت ان فتح الله عز و جل علیک بمکّة ان أتی البیت فاقبل اسفل الاسکفة فقال قبل قدمی امک و قدو فیت نذرک۔

بے شک ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے عرض کی کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ پر فتح دی تو میں بیت اللہ کے پاس جاؤں گا اور اس کی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی والدہ کے دونوں پاؤں کو بوسہ دو۔ تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔[3]

---

[1] (شفاء شریف ۱۹۶، ج ۱) (تنبیه الغافلین، ۲۶۲) (شامی ج ۵ ص ۲۷۱) (تنویر القلوب للکردی ص ۱۹۹)

[2] (ابو دائود شریف ۲۱۸، ج ۲) (الادب المفرد ۱۴۳) (کتاب الاذکار لعلامه نووی علیه الرحمة ص ۲۳۴) (تنویر القلوب ص ۲۰۰)

[3] (عمدة القاری ص ۸۲ ج ۲ مطبوعه مصر)

اگر ہاتھ اور پاؤں چومنا شرک ہوتا یا سجدہ ہوتا تو سرکارِ دوعالم ﷺ اس کو والدہ کے پاؤں کو چومنے کا حکم نہ فرماتے۔

صفوان بن عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی کو کہا کہ آؤ اس نبی ﷺ سے **وَلَقَدْ اٰتَینَا مُوسٰی تِسعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ (الاسراء ۱۰۱)** کے متعلق پوچھتے ہیں۔ پس ان دونوں نے نبی پاک ﷺ سے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو اور اسراف نہ کرو، زنا نہ کرو، اس نفس کو قتل نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے مگر حق کے ساتھ۔ جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی بری کو لے کر کسی غلبے والے کے پاس نہ جاؤ کہ وہ اس کو قتل کر دے۔ کسی پر الزام نہ دو، پاک دامن عورت کو خصوصاً۔ ہفتہ کے روز تجاوز نہ کرو۔ ان دونوں یہودیوں نے سن کر **فقبلا یدہ و رجلہ و قالا نشھد انک نبی**۔ حضور پرنور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔[1]

عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے سر ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

فاکب عداس علی رسول اللہ ﷺ فقبل رأسہ و یدیہ و رجلیہ قال یقول: ابنا ربیعۃ احدھما لصاحبہ: اما غلامک فقد افسدہ علیک، فلما جاءھما عداس قالا لہ: ویلک یا عداس مالک تقبل راس ھذا الرجل و یدیہ و قدمیہ قال یا سیدی مافی الارض خیر من ھذا الرجل: لقد اخبرنی بامر لا یعلمہ الا نبی۔[2]

ترجمہ: ابن ربیعہ، عتبہ اور شیبہ نے جب حضور اکرم ﷺ کی تکلیف و پریشانی کو دیکھا تو اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کو عداس کہا جاتا تھا، اور اسے کہا کہ ان انگوروں کا ایک گچھا تھال میں رکھ کر اس شخص کی خدمت میں لے جا کر پیش کر اور عرض کر کہ اسے تناول فرمائیں۔ عداس نے انگور لئے اور تھال میں رکھے، اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ جب آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک تھال کی طرف بڑھایا کہ انگور کھائیں تو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھی اور انگور کھائے۔ عداس آپ ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھنے لگا اور عرض کیا بخدا اس شہر کے لوگ تو یہ کلام زبان پر نہیں لاتے۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو کس شہر سے تعلق رکھتا ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نصرانی ہوں اور اہل نینوا سے تعلق رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نیک بندے حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کے شہر سے؟ تو اس نے پوچھا آپ ﷺ کو حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کا پتا کیسے چلا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی ہیں، میں بھی نبی ہوں اور وہ بھی نبی تھے۔ عداس نے آپ ﷺ کا جواب سنا تو ادب اور نیاز سے جھک کر آپ ﷺ کے سر، ہاتھ، اور پاؤں مبارک کو بوسہ

---

[1] (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۱۷، ۱۱۸، مطبوعہ مصر)

[2] (الوفا باحوال المصطفیٰ الباب التاسع و العشرون فی ذکر ما جری لرسول اللہ فی خروجہ الی الطائف ص ۲۱۴) (لمواھب الدنیہ ج ۱ ص ۱۳۷) (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ فی باب العین و الدال ج ۴ ص ۴) (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۲۴) (الاصابہ فی تمیز الصحابہ حرف العین المھملۃ ج ۳۸۶)

دیا۔ ربیعہ کے بیٹوں نے یہ منظر دیکھا تو ایک دوسرے سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے تیرے غلام کو اب تیرے کام کا نہیں چھوڑا۔ جب عداس ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا تیرے لئے افسوس ہے تجھے کیا ہو گیا تو اس شخص کے سر، ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے لگ گیا تو اس نے کہا: "اے میرے سردار اس شخصیت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایسے امر کی خبر دی ہے کہ جس کو صرف نبی ہی جانتا ہے۔"[1]

حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا

فدنوت منه رويدا فوضعت يدى على صدره فتبسم ضاحكا، وفتح عينيه لينظر الى، فخرج من عينيه نور حتى دخل خلال السماء وانا انظر، فقبلته بين عينيه، واعضيته ثدى الايمن، فاقبل عليه بما شاء من لبن فحولته الى الايسر فابى۔

آپ ﷺ اپنی پشت مبارک پر سوئے ہوئے تھے اور نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ آپ ﷺ کے حسن و جمال کے باعث میں آپ ﷺ کو جگانے سے ڈری۔ آہستہ سے آپ ﷺ کے قریب گئی۔ پھر میں نے آپ ﷺ کے سینے مبارک پر ہاتھ رکھا آپ ﷺ نے ایسے تبسم فرمایا کہ گویا ہنس رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں تاکہ میری طرف دیکھ سکیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے نور نکلا۔ حتیٰ کہ آسمان میں داخل ہو گیا۔ اس وقت میں اس نور کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیاں بوسہ دیا۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو اپنی دائیں چھاتی دے دی۔ آپ ﷺ نے جتنا دودھ چاہا میری چھاتی سے اتر آیا۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو اپنی بائیں چھاتی کی طرف پھیرا لیکن آپ ﷺ نے دوسری چھاتی کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا

شیخ الاسلام ابو القاسم عبد الکریم ہوازن القشیری، شیخ المحدثین عبد الحق محدث دہلوی، شیخ الاسلام ابن حجر مکی علامہ یافعی علیہم الرحمۃ نے اپنی اپنی مستند کتب میں ایک روایت درج فرمائی ہے:

قال الشعبى: صلى زيدن ثابت على جنازة فقربت اليه بغلته ليركبها فجاء ابن عباس فاخذ بركابه فقال زيد: خل عنه يابن عم رسول الله ﷺ فقال ابن عباس: هكذا امرنا ان نفعل بالعلماء والكبراء فقبل زيد بن ثابت يده وقال هكذا امرنا ان نفعل باهل بيت نبينا ﷺ۔

---

[1] (الوفاباحوال المصطفیٰ الباب التاسع والعشرون فی ذکر ماجری لرسول اللہ فی خروجہ الی الطائف ص ۲۱۴)(لمواهب الدنیه ج ۱ ص ۱۳۷)ا(اسدالغابة فی معرفة الصحابه فی باب العین والدال ج ۴ ص ۴)(الشمامة العنبریه من مولد خیر البریه ص ۲۴)(الاصابه فی تمیز الصحابه حرف العین المهملة ج ۳۸۶)

"حضرت شعبی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور فراغت کے بعد لوگوں نے خچر پیش کیا تاکہ اس پر سوار ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے اور خچر کی لگام تھام لی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے، آپ لگام کو چھوڑ دیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہمیں یہی بتایا ہوا ہے کہ علماء کرام کی تعظیم کریں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا ہمیں اہل بیت کے متعلق یہی حکم ملا ہے۔"[1]

مندرجہ بالا روایت میں ہاتھ کو بوسہ دینے والے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور جن کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا گیا، وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ یہ دونوں وہ قابلِ قدر ہستیاں ہیں جن کی عظمت ہر مسلمان کے دل میں جاگزین ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ الباری جیسی شخصیت جن پر سرورِ عالم ﷺ کو بھی انبیاء علیہم السلام میں ناز ہے، تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ مبارک پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوسہ دیا۔[2]

حضرت بی بی فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کو بوسہ دیا

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: فلما مرض النبی ﷺ دخلت فاطمة علیه فقبلته ثم رفعت رأسها فبكت۔

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی طبیعت مبارک ناساز ہوئی تو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ ﷺ کو بوسہ دینے لگیں۔ پھر اپنا سر اٹھا کر رونے لگیں۔[3]

---

[1] (احیا علوم الدین کتاب العلم الباب الخامس فی آداب المتعلم والمعلم ج ۱ ص ۵۷) (الاصابہ فتی تمیز صحابہ حرف العین المہملة ج ۴ ص ۱۲۶) (فتح الباری شرح صحیح البخاری باب ۲۸ ج ۱۱ ص ۶۸) (سیر الصحابہ ج ۲ ص ۲۷۰) (مدارج النبوة زید بن ثابت بن ضحاک ج ۲ ص ۵۴۱) (کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الثالث الفصل الخامس بر آلہ وذریتہ وامہات المؤمنین ج ۲ ص ۴۰۹) (الصوائق المحرقہ الباب الاحد عشر الفصل الاول ص ۱۷۹) (رسالہ قشیریہ ص ۷۶)

[2] (کیمیائے سعادت فارسی ۱۹۴) (عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی ص ص ۱۶۰)

[3] (ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمة رضی اللہ تعالی عنها، ج ۲) (حیاة الصحابہ، القیام للمسلم، ۲:۲۱۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بمع جماعت حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا

ثم مشٰی معھم حتی اتی النبی ﷺ فرموا بانفسھم عن رکائبھم، فاخذوا یدہ فقبلوھا۔

حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گفتگو فرمارہے تھے، دوران کلام آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جگہ سے تم پر ایک جماعت ظاہر ہو گی، وہ لوگ خیر اہل مشرق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے آنے کی طرف گئے اور تیرہ شتر سواروں سے ملاقات ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ ان کے بارے میں فرمایا تھا، اس سے ان کو بشارت دی۔ پھر ان کے ہمراہ ہو لئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ لوگ اکٹھے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، اور اپنے اونٹوں سے کود پڑے۔ کوئی چل کر کوئی دوڑ کر آیا۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کا ہاتھ مبارک پکڑا اور بوسہ دیا۔[1]

الحاصل اس بارے میں بہت احادیث مبارکہ وارد ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور ﷺ مبارک کا ہاتھ پاؤں مبارک کو بھی بوسہ دیا اور ایک دوسرے کے ہاتھ کو بھی بوسہ دیا۔ اسی طرح چار مذاہب سے بھی یہ ثابت ہے کہ حقداروں کا ہاتھ پاؤں تبرکاً چومنا جائز ہے اور اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی خبیث ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے:

ان تعانق و قبل احدھما رأس الآخر ویدہ علی وجہ التبرک و تدین جازا۔

"اگر دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے کے سر اور ہاتھ کو انہوں نے تبرکاً بوسہ دیا تو یہ شرعاً جائز ہے۔"[2]

معلوم ہوا کہ ہاتھ پاؤں چومنا سلف صالحین کا طریقہ ہے اور سلف صالحین اور اولیاء کاملین علیہم الرحمۃ کا طریقہ ایک ایسا طریقہ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھی پسند ہے۔

چنانچہ سرور کائنات فخر موجودات، باعثِ تخلیق کائنات، منبع کمالات حضور پر نور، نورٌ علی نور، شہنشاہ زمین و آسمان، سید مرسلاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفی علیہ افضل الصلوات والتسلیمات والتحیات کا فرمان مقدس حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

---

[1] (المواھب اللدنیہ الفصل العاشر ذکر من وفد علیہ وزادہ فضلا و شرفا لدیہ ج ۱ ص ۴۷۰)

[2] (غنیۃ الطالبین، ص ۳۱)

یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔[1]

حدیث شریف میں ہے:

و من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه۔

”جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔“

قرآن کریم میں ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (النساء ۱۱۵)

”اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔“

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہے، ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لہٰذا ہاتھ اور پاؤں کو تبرکا چومنا یعنی سچے مؤمنوں کا عقیدہ اور عمل ہے۔

فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روحانی تاثیر سے مسئلہ تبرکات کو قرآنِ مجید، احادیث نبویہ ﷺ، آثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اقوال صلحاء و علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت کر دیا اور منکرین حاسدین کے ہر اعتراض کا دندان شکن جواب دے دیا، امیدِ قوی ہے کہ وہ شخص جو عقلِ سلیم رکھتا ہے اگر تعصب کو دور کر کے حق شناسی سے ان اوراق کا مطالعہ کرے گا، تو اس کے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے، ہاں اگر کسی منکر کو اس قدر دلائلِ عقلیہ و نقلیہ کے ہوتے ہوئے بھی تسلی نہ ہو تو اس کا علاج خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے، ہمارا کام تو سمجھا دینا ہے۔ اگر وہ نہیں سمجھتا تو اس میں فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی کا کوئی قصور نہیں۔

بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

گر نیاید بگوش رغبت کس　　　　بر رسولاں بلاغ باشد و بس

---

[1] (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۱۱۲، رقم الحدیث ۸۵۸۳ مطبوعہ مکتبۃ العلوم و الحکم الموصل، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹ رقم الحدیث ۳۶۰۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۸۳ رقم الحدیث ۴۴۶۵، مطبوعہ دار لکتب العلمیہ بیروت، المدخل السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت، مستدرک ج ۳ ص ۷۸، البدایہ و النہایہ لابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۸، ابو دائود طیالسی ج ۱ ص ۳۳، رقم ۲۴۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۷، اعلام الموقعین لابن قیم ج ۱ ص ۶۹، بستان العارفین للسمرقندی ص ۹ مرقات باب الاعتصام، کتاب الروح لابن قیم ص ۱۰ الزیلعی ج ۴ ص ۱۳۳ ریاض النفرہ ج ۱ ص ۱۹۸، مؤطا امام محمد ص ۱۰۴، رد المختار للشامی ج ۳ ص ۵۱۸، ج ۵ ص ۴۳، تفسیر مواہب الرحمن، الدرایہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۳۰۶، ہمعات للشاہ ولی اللہ ص ۲۹، مجموعۃ الرسائل و المسائل النجدیہ ج ۱ ص ۲۰۷ کتاب الموفق، عمدۃ التحقیق للشیخ ابراہیم المالکی، ص ۹۵، شرح لقطۃ العجلان للعلامہ محمد جمال الدین دمشقی ج ۱ ص ۹۵، مطبوعہ مصر تنویر العینین فارسی للشاہ ولی اللہ، فتاویٰ ستاریہ از عبد الستار دہلوی، تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ، السنی المطالب از امام محمد بن سید درویش علیہ الرحمۃ اہل حدیث امرتسر ص ۹، ۳ ستمبر ۱۹۱۵)

ترجمہ: اگر کسی کے رغبت کے کان میں نصیحت نہ پڑے (تو ناصح کو کوئی نقصان نہیں کیوں کہ) پیغام پہنچانے والوں کی ذمہ داری صرف پہنچادینا ہوتی ہے۔

قرآن پاک کی آیات مع تفسیر، احادیثِ مبارکہ مع شرح، اقوال ائمہ مذاہب اربعہ اور اقوالِ اولیاء و علماء سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور ثابت ہوگئی کہ تبرکات کی تعظیم کرنا، سنبھال کے اپنے پاس رکھنا، جائز اور درست ہے۔

(۲۰) باب نمبر بیس: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام، اولیاء رحمہم اللہ اور آباء کی قبور کو تبرکاً بوسہ دینے کا ثبوت

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ قبور کی دو قسمیں ہیں ایک عام مسلمانوں کی قبور جن کی شریعت و طریقت سے کوئی نسبت نہیں، دوم وہ قبور جو مسلمان والدین، مشائخ، علماء، سادات کی ہیں تو پہلی قسم کی قبور کو بوسہ دینے کو فقہاء نے مکروہ، اور دوسری قسم کی قبور کو بوسہ دینے کو مستحسن، مستحب اور جائز قرار دیا ہے۔

نور الصراط فی اثبات جواز الحیل و دور الاسقاط (مصنفہ شیخ القرآن والحدیث مفتی نورالدین نور اللہ مرقدہ) کے صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے:

بوسہ دادن قبر والدین را جسمی داشباحی یا اشباہی باشند یا روحی مثل اساتذہ و مشائخ علامہ علی القاری در مرقات شرح مشکوۃ تحت حدیث مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِقُبُوْرِ الْمَدِیْنَۃِ فَاَقْبَلَ عَلَیْھِمْ آوردہ کہ وَقَالَ بَعْضُ الْعلمائی لَا بَأْسَ بِتَقْبِیْلِ قَبْرِ الْوَالِدَیْنِ انتہی ودر طوالع الانوار شرح در المختار آوردہ کہ وَالتَّقْبِیْلُ لِغَیْرِ الْمُصْحَفِ کَقُبُوْرِ الْاَنْبِیَاءِ وَمَنْ یُّتَبَرَّکُ بِھِمْ فَلِلْعلمائی فِیْہِ کَلَام" کَرِھَہٗ بَعْضُھُمْ وَاسْتَحْسَنَہٗ بَعْضُھُمْ حَتّٰی اَنَّ الشَّافِعِیَّ رَحْمَۃُاللہِ عَلَیْہِ اَبَاحَہٗ مُطْلَقًا اِذَا کَانَ. لِلتَّبَرُّکِ وآوردہ: وَاعْتَمَدَہٗ جَمَاعَۃ" مِنْھُمُ الحافظ العینی الحنفی الشارح للبخاری والمقری المالکی صاحب فتح المتعال والسعنھوری الشافعی وَلَا مُنَافَاتَ بَیْنَ الْکَرَاھَۃِ وَالْاِسْتِحْسَانِ بِاَنَّہٗ مُقَیَّد" بِنِیَّۃِ التَّبَرُّکِ وَاَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَالْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا وَلِکُلِّ اِمْرِئٍ بِمَا نَوٰی وَنِیَّۃُ الْمُؤمِنِ خَیْر" مِّنْ عَمَلِہٖ قال السعنھوری نقل الطیب التاثری من المحب الطبری یَجُوْزُ تَقْبِیْلُ الْقَبْرِ وَمَسُّہٗ قال وعلیہ عامۃ الصالحین انتھی وفی مطالب المؤمنین وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِیْلِ قَبْرِ وَالِدَیْہِ لما فی کفایۃ الشعبی اَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنِّیْ حَلَفْتُ اَنْ اُقَبِّلَ عَتَبَۃَ بَابِ الْجَنَّۃِ وَالْحُوْرَ الْعِیْنِ فَاَمَرَہُ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یُقَبِّلَ رِجْلَ الْاُمِّ وَجَبْھَۃَ الْاَبِ وَیُرْوٰی اَنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ ﷺ اِنْ لَمْ یَکُنْ لِیْ اَبَوَانِ فَقَالَ قَبِّلْ قَبْرَھُمَا قَالَ فَاِنْ لَمْ اَعْرِفْ قَبْرَھُمَا قَالَ خُطَّ خَطَّیْنِ وَانْوِ بِاَنَّ اَحَدَھُمَا قَبْرُ الْاُمِّ وَالْاٰخَرُ قَبْرُ الْاَبِ فَقَبِّلْھُمَا فَلَا تَحْنَثُ فِیْ یَمِیْنِکَ کذا فی مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور۔

ترجمہ: والدین خواہ جسمی ہوں یعنی جن سے پیدا ہو، یا علم ظاہر کے والدین یا طریقت کے والدین یعنی اساتذہ و مشائخ کی قبور کو بوسہ دینا ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث "آپ ﷺ مدینہ منورہ کی قبور کے پاس سے گزرے" کے تحت فرمایا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ والدین کی قبور کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ طوالع الانوار شرح الدر المختار میں ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ انبیاء اور دیگر متبرک قبور کو بوسہ دینے میں علماء کی کئی رائے ہیں بعض نے مکروہ اور بعض نے اچھا قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبرک کے لئے مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ اس پر علماء کی ایک جماعت نے اعتماد فرمایا جن میں حافظ عینی حنفی شارح بخاری اور مقری مالکی مصنف فتح المتعال اور سعنھوری شافعی بھی ہیں۔ کراہت اور جواز کے

مابین کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ قبر کو بوسہ دینا نیت پر منحصر ہے اور تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے اور مؤمن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔ سعنھوری نے کہا کہ طیب الناثری نے محب طبری سے نقل کیا ہے کہ قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور یہ عام صلحاء کا طریقہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے جیسا کہ کفایۃ الشعبی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جنت کی چوکھٹ اور حور کو بوسہ دوں گا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور والد کے ماتھے کو بوسہ دو۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اگر میرے والدین نہ ہوں تو؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ کہا اگر میں ان کی قبریں نہیں جانتا تو؟ فرمایا دو لکیریں کھینچ کر یہ نیت کرو کہ یہ ایک میری ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی اور ان کو بوسہ دو تو حانث نہ ہو گا۔ جیسا کہ مغفرۃ الغفور فی زیارۃ القبور میں ہے۔"

صدر الافاضل فخر الاماثل محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یہ روایت مخالفین کے مقبول و مسلم پیشوا مولوی عبد الحئ صاحب کے والد ماجد مولوی عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی نے لکھی اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قبروں کا چومنا جائز، اور قبر موجود نہ ہو تو ایک خط کو قبر فرض کر کے اس کا احترام کرنا بھی صاحب قبر کا احترام ہے۔[1]

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

واما تقبیل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرک..فھو حسن محمود۔

"مبارک جگہوں کا بوسہ اچھا ہے۔"[2]

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مزار اور دیگر مزارات کے چومنے کا سوال ہوا تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔[3]

امام عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بزرگ کو لکھا:

واذا رأی قبور الصالحین قبلھا۔

ترجمہ: جب بزرگوں کے مزارات دیکھتے تو انہیں چومتے۔[4]

---

[1] (فتاویٰ صدر الافاضل ص ۴۱۲ مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

[2] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ص ۲۴۱ جلد ۹، مطبوعہ بیروت لبنان)

[3] (خلاصہ الوفاء محبوب مدینہ ص ۴۶)

[4] (مزارات کو چومنا، ص ۸-۷، مطبوعہ مکتبہ فیضان مدینہ کراچی، بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق، ص ۶۷۵، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی)

شرح الالیاس جلد ثالث صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے:

قوله وكره تقبيل فم الرجل الخ قال الفقيه ابو الليث القبلة على خمسة اوجه قبلة تحية وهى قبلة على اليد وقبلة رحمة وهى قبلة الابوين للولد على الخد وقبلة شفقة وهى قبلة الولد للابوين وفى الحديث الجنة تحت اقدام امهاتكم روىٰ ان رجلا جاء الى النبى ﷺ وقال انا حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة وحور العين فامر النبى ﷺ ان تقبل رجل الام وجبهة الاب او يروى انه قال يا رسول الله ﷺ ليس لى ابوان فقال قبل قبرهما ثم قال لم اعرف قبرهما قال خط خطين وانوِ احدهما قبر الاب والاٰخر قبر الام وقبلة المودة وهى قبلة الاخ للاخ والاخت على الجبهة وقبلة الشهوة وهى قبلة الرجل للزوجة، ابو المكارم۔

فتاویٰ عالمگیری (الباب السادس عشر فى زيارة القبور وقرأة القرآن فى المقابر) میں ہے:

ولا بأس بتقبيل قبر والديه۔[1]

وکیل الاحناف ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ، کتاب الجنائز، الفصل الثانی، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ صفحہ ۲۵۳ پر لکھتے ہیں:

لا بأس بتقبيل قبر والديه۔

مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی، صاحب قمر الاقمار شرح نور الانوار، نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن ﷺ میں لکھا ہے:

والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے

مجمع البرکات میں بھی ہدایہ کی شرح "عینی" سے نقل کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔ "مطالب المؤمنین" میں ہے کہ اپنے والدین کی قبروں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اس کی وجہ "کفایۃ الشعبیٰ میں منقول یہ روایت ہے: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے جنت کے دروازہ کی چوکھٹ اور حسین آنکھوں والی حور کا بوسہ لینے کی قسم کھائی ہے۔ نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ اپنی والدہ کے پاؤں اور اپنے والد کی پیشانی کا بوسہ لے لے۔ اور مروی ہے کہ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اگر میرے والدین موجود نہ ہوں تو؟ ارشاد فرمایا: ان کی قبر کا بوسہ لے لو۔ اس نے کہا اگر ان کی قبر کی شناخت مجھ سے نہ ہو سکے تو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دو لکیریں کھینچ لو اور نیت کر لو کہ ان میں سے ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری والد کی قبر، اور پھر چوم لو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ (مغفرة الذنوب فى زيارة القبور)

[1] (فتاویٰ عالمگیری، جلد ۵، صفحہ ۳۵۱)

شفا شریف میں ہے:

كَانَ اِبْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِىْ يَجْلِسُ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِى الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَضَعُهَا عَلٰى وَجْهِهٖ اِسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ مَشْرُوْعِيَّةِ تَقْبِيْلِ الْاَرْكَانِ جَوَازَ تَقْبِيْلِ كُلِّ مَنْ يَسْتَحِقُّ الْعَظْمَةَ مِنْ اٰدَمِيٍّ وَغَيْرِهٖ نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ تَقْبِيْلِ مِنْبَرِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَقْبِيْلِ قَبْرِهٖ قَالَ فَلَمْ يَرَ بِهٖ بَاْساً وَنُقِلَ عَنِ ابْنِ اَبِى الصِّنْفِ الْيَمَانِىْ اَحَدُ علماء مَكَّةَ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ جَوَازُ تَقْبِيْلِ الْمُصْحَفِ وَاَجْزَاءِ الْحَدِيْثِ وَقُبُوْرِ الصّٰلِحِيْنَ ملخصاً۔

ترجمہ: جس منبر پر حضور ﷺ خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے۔ ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے۔ امام احمد ابن حنبل صسے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کا منبر یا قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں، منقول ہے: قرآن کریم، حدیث کے اوراق اور بزرگان دین کی قبروں کو چومنا جائز ہے۔ [1]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

استنبط بعض العارفین من تقبیل الحجر الاسود تقبیل قبور الصّٰلحین۔

یعنی حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

مزارات کو چومنا نہ شرک ہے، نہ حرام ہے، نہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ مزارات کو تبرک کی نیت سے چومنا جائز ہے اور اس کے بارے میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ چند دلائل یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبد الملک بن عمرو ثنا کثیر بن زید عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِىْ صَالِحٍ قَالَ ثُمَّ اَقْبَلَ مَرْوَانُ يَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْهَهٗ عَلَى الْقَبْرِ فَقَالَ اَتَدْرِىْ مَا تَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ اَيُّوْبَ فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَلَمْ اٰتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَبْكُوْا عَلَى الدِّيْنِ اِذَا وَلِيَهٗ اَهْلُهٗ وَلٰكِنْ اُبْكُوْا عَلَيْهِ اِذَا وَلِيَهٗ غَيْرُ اَهْلِهٖ۔

"حضرت داؤد بن ابی صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے ایک آدمی کو قبرِ انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا متولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا متولی نا اہل ہو۔"[2]

[1] (شفا شریف جلد ۲، صفحہ ۷۰)

[2] (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۲ رقم الحدیث ۲۳۶۳۳ مطبوعہ موسسہ قرطبہ مصر) (تاریخ مدینۃ دمشق ج ۵۷ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں:

فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْهَهُ عَلَى الْقَبْرِ فَاَخَذَ بِرَقَبَتِهِ فَقَالَ اَتَدْرِىْ مَاتَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ اَيُّوْب فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَبْكُوْا عَلَى الدِّيْنِ اِذَا وَلِيَهُ اَهْلُهُ وَلٰكِنْ اَبْكُوْا عَلَيْهِ اِذَا وَلِيَهُ غَيْرَ اَهْلِهِ۔ هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه۔

"تو اس نے ایک آدمی کو (حضورِ اکرم ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نا اہل ہو۔"[1]

امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں:

فَوَجَدَ رَجُلاً وَاضِعًا وَجْهَهُ عَلَى الْقَبْرِ فَقَالَ اَتَدْرِىْ مَاتَصْنَعُ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ اَيُّوْب فَقَالَ نَعَمْ جِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی کو (حضور ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اس نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔[2]

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

رواه احمد بسند حسن۔[3]

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبداللہ بن احمد رأیت ابی یاخذ شعرۃً من شعر النبی ﷺ فیضعها علی فيه یقبلها واحسب انی رایته یضعها علی عینه ویغمسها فی الماء ویشربه یستشفی به ورایته اخذ قصعۃ النبی ﷺ فغسلها فی جب الماء ثم شرب فیها ورایته یشرب من ماء زمزم یستشفی به ویمسح به یدیه ووجهه۔ قلت این المتنطع المنکر علی احمد وقد ثبت ان عبداللہ سال اباه عمن یمس رمانۃ منبر النبی ﷺ ویمس الحجرۃ النبویۃ فقال لا اری بذلک باسا اعاذنا اللہ وایاکم من رای الخوارج ومن البدع۔

---

[1] (المستدرک للحاکم کتاب الفتن والملاحم ج۵ ص ۴۱۸ رقم الحدیث ۸۷۴۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)، (طبرانی کبیر ج۴ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۹۹۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱۰ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۹۳۶۶ مطبوعہ دار الحرمین القاہرۃ مصر)

[2] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ولایۃ اھلھا ج۵ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

[3] (وفاء الوفاء ج۴ ص ۱۳۵۶، مطبوعہ بیروت)

امام عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک سے ایک مو (بال) لے کر اپنے منہ پر رکھتے ہیں اور اسے چومتے ہیں اور میرا گمان ہے کہ میں نے موئے مبارک اپنی انکھوں پر رکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور شفا حاصل کرنے کے لئے وہ موئے اقدس پانی میں ڈبوتے اور اسے پی لیتے۔ اور میں نے اپنے ابا جان کو دیکھا کہ آپ نے آقائے دو عالم ﷺ کے پیالہ مبارکہ کو پکڑا اور اسے پانی کے مٹکے کے اندر دھویا پھر اس میں پانی پیا اور میں نے اپنے والد گرامی کو شفاء حاصل کرنے کے لئے آب زم زم پیتے دیکھا اور آب زم زم کے ساتھ اپنے ہاتھ اور چہرہ کا مسح کرتے دیکھا۔"

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے کلام کو منع کرنے والا ہے؟ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے والد گرامی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جو منبر و حجرہ نبوی ﷺ کو چھوئے و مس کرے تو جواباً امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خارجیوں کی سوچ سے پناہ میں رکھے اور بدعتیوں سے۔ (آمین)۔[1]

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ان بلالاً رأى النبی ﷺ فی منامه وهو يقول ما هذه الجفوه يا بلال اما آن لک ان تزورنی فانتبه حزينا وركب راحلته وقصد المدينة فاتى قبر النبی ﷺ فجعل يبكی عنده ويمرغ وجهه عليه فاقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما۔۔۔

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غمگین ڈرتے ہوئے جاگے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے قصد کے ساتھ پس جب نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے تو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما آئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو سینہ سے لگایا اور دونوں کو بوسہ دیا۔[2]

---

[1] (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ موستہ الرسالۃ بیروت)

[2] (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت) (شفاء السقام فی زیارت خیر الانام ص ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن)، (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فاتی قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ۔

"حضور ﷺ کی قبر انور پر آئے پھر روتے بھی جاتے تھے اور قبر انور پر چہرہ بھی ملتے تھے۔"[1]

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند جید مروی ہے۔[2]

امام بدر الدین عینی رحمہ اللہ (م ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

محب طبری رحمہ اللہ نے فرمایا حجر اسود اور دیگر ارکان کو بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے جس کو بوسہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، کیونکہ اس سلسلے میں اگر کسی حدیث میں تعظیم کا حکم نہیں آیا تو کسی حدیث میں اس کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں آئی ہے اور میرے جد محمد بن ابی بکر روایت کرتے ہیں محمد بن ابی صیف رحمہ اللہ سے کہ بعض حضرات جب مصاحف کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب احادیث کے اوراق کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور یہ بات بعید نہیں ہے۔[3]

مجموعۃ الفتاویٰ المعروف بہ انوار شریعت میں لکھا ہے:

قبروں پر قبہ بنانا، پھول چڑھانا، بوسہ لینا اور غلاف قبر پر ڈالنا یہ سب جائز ہے۔[4]

چنانچہ سنن ابن داؤد میں قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:

"قال دخلت علیٰ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فقلت یا اماہ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ و صاحبیہ فکشف لی ثلثۃ قبور۔۔۔الحدیث"۔

یعنی قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر تابعین اور فقہائے سبعہ مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہ التحیۃ والصلوۃ والسلام صحابہ سے ہیں چنانچہ طبقات میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ کھولئے ہمارے سردار سید الابرار ﷺ کے مزار اقدس کو اور آپ ﷺ کے دونوں یاروں کی قبر منور کو پس حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے تینوں قبروں کو کھولا پس ان پر پردہ (یعنی غلاف) پڑا ہوا تھا ان کو اٹھایا۔

---

[1] (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

[2] (الجوھر المعظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم اردو، ص ۱۰۴)

[3] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۲۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

[4] مجموعۃ الفتاویٰ المعروف بہ انوار شریعت جلد اول صفحہ ۲۲۹ (از افادات حضرت علامہ و مولانا امام احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مناظرِ اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ، فیصل آباد)

طوالع انوار کے حاشیہ پر یوں لکھا ہے:

"وتقبیل بغیر المصحف کقبور الانبیاء ومن یتبرک بھم فللعلماء فیہ کلام کرھہ بعضھم واستحسنہ بعضھم حتی ان الشافعی اباحہ مطلقاً"۔

اور فتاویٰ سندی صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے کہ علمائے اربعہ کا فتویٰ اس کی عدم کراہت پر ہے۔

اور مرقات شرح مشکوۃ میں ذیل اس حدیث کے یوں لکھا ہے:

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال مر النبی ﷺ بقبور المدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ وقال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین"۔

نہایہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اپنے والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دی کیونکہ اس نے نذر مانی ہوئی تھی۔

فقط اصل الالفاظ حدیث شریف سلطان الفقہ کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔

علماء دیوبند کا معتبر شیخ الحدیث علامۃ العصر مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی فیض الباری میں حجر اسود کے بارے میں لکھتا ہے:

ان تقبیلہ ثابت شرعاً، فلیکن أصلا لتقبیل تبرکات الصالحین، وقبل عمر بن عبدالعزیز المصحف، وأباح أحمد تقبیل الروضۃ المطھرۃ، وتحیر منہ الحافظ ابن تیمیۃ، فانہ لا یجوز عندہ۔

حجر اسود کو بوسہ دینا شرعاً ثابت ہے اس لئے صالحین کی تبرکات کو بوسہ دینے کی اصل ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مصحف کو بوسہ دیا۔ اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روضہ مطہرہ کو بوسہ دینے کو جائز کہا۔ حافظ ابن تیمیہ اس سے حیران ہوا کیونکہ یہ اس کے نزدیک جائز نہیں۔[1]

امام سلیمان بن عمر البجیرمی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۲۲۱ھ) لکھتے ہیں:

ان قصد بتقبیل اضرحتھم ای واعتابھم التبرک لم یکرہ۔

"اگر اولیاء کی قبوریا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔"[2]

علامہ عبدالحمید شروانی شافعی (م ۱۳۰۱ھ) لکھتے ہیں:

ان قصد بتقبیل اضرحتھم التبرک لم یکرہ۔

[1] (فیض الباری، ج ۳ ص ۹۶، کتاب المناسک، باب ماذکر فی الحجر الاسود)
[2] (حاشیہ البجیرمی علی شرح منھج الطلاب ج ۱ ص ۴۹۶-۴۹۵ المکتبۃ الاسلامیۃ ترکی)

"اولیاء کی قبور کو حصول برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔"[1]

مشارق الانوار میں ہے:

ولا یقبل الاعتاب الا لقصد التبرک فلا بأس به کما قال القطب الشعرانی۔"

اور چوکھٹوں کو نہ چوما جائے مگر برکت کے حصول کے ارادہ سے۔ ایسے ہی قطب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔"[2]

حضرت عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرماتے ہیں:

واما تقبیل توابیت الاولیاء واعتابھم فلا خلاف فی جوازہ بل ولا کراھۃ فی تقبیل اعتابھم علی قصد التبرک کما افتیٰ بہ شیخنا الرملی۔ (الیٰ اخرہ) قالہ الشیخ الامام العلامۃ محمد الشوبری المصری الشافعی ثم الشیخ عبد الغنی النابلسی فی کتابہ جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیۃ الاخیار ثم شواھد الحق۔

"رہا اولیاء کرام کے تابوتوں اور انکی چوکھٹوں کو بوسہ دینا، تو اس کے جواز میں اختلاف ہی نہیں ہے بلکہ بطورِ تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں ہے، جیسے کہ شیخ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتویٰ دیا ہے، علامہ شوبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں: یہ امر بالکل واضح و ظاہر ہے اور محتاجِ دلیل نہیں ہے۔"[3]

کیونکہ دلیل کی ضرورت صرف جاہل کو ہو سکتی ہے یا منکر و معاند کو جن کی طرف نہ التفات کیا جاتا ہے اور نہ ہی مباحثہ شرعیہ میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔[4]

زاد الفقیہ میں صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے:

ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ، کذا فی الغرائب۔

یعنی کوئی حرج نہیں کہ والدین کی قبر کو چوما جائے۔

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ونقل عن ابی الصیف والمحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین وعن اسمعیل الیمنی قال کان ابن المنکدر یصیبہ الصمات فکان یقوم فیضع خدہ علی قبر النبی ﷺ فعوتب فی ذٰلک فقال انہ یستشفی بقبر النبی ﷺ۔

[1](حواشی الشروانی علی تحفت المنھاج بشرح المنھاج، ج۳، ص ۱۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
[2](مشارق الانوار ص ۱۰۴، مطبوعہ مصر، شواھد الحق، ص ۹۶، المقاصد السنیۃ ص ۴۴۴)
[3](ص ۹۶)
[4](مقاصد السنیۃ ص ۴۳۷)

علاوہ ازیں ابن ابی الصیف اور محب طبری رحمہااللہ تعالیٰ سے قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے اسماعیل الیمنی سے منقول ہے کہ محمد بن المنکدر تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو زبان میں بندش کا عارضہ لاحق ہو جاتا اور وہ بولنے سے قاصر ہو جاتے تو آکر نبی کریم ﷺ کے مزار اقدس پر اپنار خسار رکھ دیتے انہیں اس فعل کے ارتکاب پر عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں محبوب خدا ﷺ کے مزار اقدس سے اپنی بیماری سے شفاء یابی میں توسل حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ مخالف جس نیک کام کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نیک کام اور زیادہ اہتمام سے ہونے لگتا ہے۔ مخالفین نے مزارات کو جانا شرک اور اولیاء وانبیاء کی قبور کو چومنا حرام کہا ہے، لہٰذا عاشقانِ رسول ﷺ نے مزارات پر جانے اور قبور کو تبرکاً چومنے کا خوب اہتمام کیا۔ ویسے بھی فقہاء کرام نے قاعدہ وضع کیا ہے کہ جس نیک کام کی کوئی مخالفت کرے تو اس کام کو خوب اہتمام سے کیا جائے اور منکرین کو جلایا جائے۔ مثلاً جس علاقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود ہوں، ادھر گائے کی قربانی کرنا زیادہ افضل ہے ہندو کو جلانے کے لئے۔

اور جیسا کہ فتاوی درمختار کتاب الطھارۃ میں ہے:

والتوضی من الحوض افضل من النھر رغما للمعتزلہ۔

”اور نہر کی بنسبت حوض سے وضو کرنا زیادہ بہتر ہے گمراہ فرقہ معتزلہ کو جلانے کے طور پر۔“[1]

اس قول کی وضاحت فتاویٰ شامی میں اس طرح ہے:

أی لأن المعتزلۃ لا یجیزونہ من الحیاض فنرغمھم بالوضوء منھا۔

ترجمہ: چونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کرنا جائز نہیں جانتے تو ہم انہیں حوضوں سے وضو کر کے جلائیں گے۔[2]

فتاویٰ بزازیہ للکردری میں ہے:

والتوضی من الحوض افضل من التوضی بالجاری رغما للمعتزلۃ۔

ترجمہ: اور حوض سے وضو کرنا جاری پانی سے وضو کرنے کی نسبت افضل ہے معتزلہ فرقہ کو جلانے کے طریقہ پر۔[3]

معلوم ہوا کہ جن شرعی امور سے بد مذھب خوارج کلاب النار زنادقہ مرجیہ جبریہ منع کریں ان امور کو زیادہ اہتمام سے کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہمارا رسالہ تحفۃ الابرار فی تقبیل المزار کو رجوع کرے، ان شاء اللہ تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

---

[1](فتاویٰ درمختار ج ۱، ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)
[2](فتاویٰ درمختار ج ۱، ص ۱۲۴، کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)
[3](الفتاویٰ البزازیہ ج ۱، بھامش من الفتاویٰ الھندیۃ الجزء الرابع ص ۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

(۲۱) باب نمبر اکیس: انگوٹھی سے برکت کے حصول کا ثبوت

حدیث: قال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فلبس الخاتم بعد النبی ﷺ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الاظہر انہم لبسوھا احیانًا لاجل التبرک بہ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی انگوٹھی مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرک کے لئے کبھی کبھی پہنا کرتے تھے۔[1]

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا - أَوْ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ - فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لاَ يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا، فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، نَقْشُهُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ۔

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: سرور دو عالم ﷺ نے جب قیصر و کسریٰ اور سلاطینِ عالم کو دعوت نامے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو عرض کی گئی کہ یارسول اللہ ﷺ! جب تک کسی خط پر مہر ثبت نہ ہو اس وقت تک وہ سلاطین ایسے خط وصول نہیں کرتے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ایک انگشتری بنوائی جس کا نقشہ یہ تھا: محمد رسول اللہ (ﷺ)۔[2]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اب بھی اس مبارک انگشتری کی چمک مجھے نظر آرہی ہے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے حضور ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس کو صرف تین دن پہنا۔ اس کے نگینہ کو اپنی ہتھیلی کی طرف کیا۔ لوگوں نے بھی اپنے نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ ایک روز سرکارِ دو عالم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، حضور ﷺ نے انگوٹھی اٹھا کر پھینکی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے آقا ﷺ کی اقتداء کی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے چاندی کی انگشتری بنوائی اور حکم دیا کہ اس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) کندہ کر دیا جائے۔

---

1 (مرقات باب الخاتم ج۸، ص ۲۷۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

2 (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۳)

حضور ﷺ نے آخری دن تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر دم تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری دم تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی انگوٹھی پہنی۔ چھ سال تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنتے رہے، جب خط و کتابت کا سلسلہ دراز ہوا اور ہر خط پر مہر لگانا خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مشکل ہو گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھی ایک انصاری کے سپرد کی اور اسے حکم دیا کہ جتنے خطوط بھیجے جائیں ان پر تم مہر لگا دیا کرو۔

اگرچہ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ پہلے حضور ﷺ نے انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنی اور پھر بائیں ہاتھ کی انگلی پر پہنی، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک کثیر تعداد نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے آخر دم تک انگشتری کو اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنے رکھا اور وہ نگینہ جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوا تھا وہ ہتھیلی کی طرف ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی چاندی کا تھا۔

حضور ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو انگشتری اتار کر رکھ دیتے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چاندی کی انگوٹھی بنانے کی اجازت تو دے دی۔ لیکن اس بات پر منع کیا کہ کسی کی انگوٹھی کے نگینہ پر محمد رسول اللہ ﷺ کندہ کیا جائے۔

"ولا ینقش احد نقشہ"

ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

"سرکار دوعالم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی لیکن اس کا نگینہ ایسے پتھر کا تھا جو حبشہ میں پایا جاتا ہے۔"

بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی اسی مبارک انگشتری میں ایک سِرّ الٰہی تھا جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہو گئی تو آپ کی ساری سلطنت ختم ہو گئی اور جب تک سرکار دوعالم ﷺ کی بابرکت انگوٹھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سالوں میں یہ انگوٹھی رہی، مملکت اسلامیہ کے تمام اکناف و اطراف میں امن و سکون رہا۔ کسی فتنہ و فساد کی وہاں چنگاری بھی نہیں چیخی۔ لیکن عثمانی خلافت کے چھٹے سال جب یہ مبارک انگوٹھی بئر اریس میں گری اور تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہوئی تو اس وقت سے ہی فتنہ و فساد کا آغاز ہو گیا۔ اور ابھی تک ان فتنوں کی آگ سلگ رہی ہے، اور کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہے اور ہر چیز کو خاکستر کر دیتی ہے۔

(۲۱) باب نمبر ۲۱: انگوٹھی سے برکت کے حصول کا ثبوت

ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا میری اس انگشتری پر "محمد بن عبد اللہ" کندہ کرو اور وہ انگشتری خالص چاندی کی تھی۔ تو وہ نقاش کے پاس لائے اور کہا کہ یہ نقش اس پر کندہ کر دو۔ اس نے کہا کہ میں اسے کندہ کر دوں گا اور اس پر اجرت طے کی تو اللہ تعالیٰ نے نقاش کے ہاتھ کو اس طرح بدل دیا کہ اس نے "محمد رسول اللہ" کندہ کر دیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا بات ہے میں نے تو تمہیں "محمد بن عبد اللہ" کندہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ نقاش نے کہا بلاشبہ اللہ نے میرے ہاتھ کو پھیر دیا۔ خدا کی قسم! میں یہی کندہ کرنا چاہتا تھا مگر بے شعوری طور پر یہ کندہ ہو گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انگشتری کو نبی کریم ﷺ کے پاس لائے اور آپ ﷺ سے حال بیان کیا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ (ﷺ)

صلح حدیبیہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اطراف وجوانب کے شہنشاہوں، بادشاہوں، اور حکمرانوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمانا چاہے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ سلاطین خط پر مہر نہ ہو تو اس کو معتبر نہیں سمجھتے، بلکہ پڑھتے بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے سونے کی انگشتری میں مہر بنانے کا حکم دیا۔ انگوٹھی بن کر آئی تو اسے انگشت مبارک میں پہنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہننا شروع کر دیں۔ اس موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کا حکم سنایا کہ آپ ﷺ کی امت کے مردوں پر سونا پہننا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے چاندی کی انگشتری تیار کروائی۔ اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا جس میں "محمد رسول اللہ" (ﷺ)(۱) تین سطروں میں کندہ تھا۔ اس طرح کہ "اللہ" کا لفظ سب سے اوپر، درمیان میں "رسول" اور آخر میں "محمد" (ﷺ) تھا۔ آپ ﷺ اسے کبھی بائیں اور کبھی دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنتے۔ اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب ہوتا، یہ انگوٹھی حبشی صنعت کا نمونہ تھی۔ کبھی کبھی اس پر دھاگہ باندھ لیتے کہ جو یادداشت کے لئے ہوتا تھا۔ چاندی کی انگوٹھی پہننے سے لوگوں کو منع نہیں فرمایا، مگر ارشاد ہوا کہ کوئی شخص اس میں ایسا نقش کندہ نہ کروائے۔ عہد رسالت میں یہ مہر تمام مراسلات، پیغامات، تحریروں، حکم ناموں پر لگائی جاتی رہی۔ عہد صدیقی و فاروقی میں بھی اسی کا استعمال جاری رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال بعد ایک بار جبکہ وہ اریس کے کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے، یہ انگوٹھی انگلی سے نکل کر اس میں گر گئی۔ بہت تلاش کے بعد بھی نہ ملی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہی سے عہد عثمانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں فتنہ کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔

حدیث: وكان المغيرة بن شعبة يقول: أخذت خاتمي فألقيته في قبر رسول الله ﷺ وقلت حين خرج القوم: ان خاتمي قد سقط في القبر، وانما طرحته عمدًا لأمس رسول الله ﷺ فأكون آخر الناس عهداً به۔

یعنی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے تو میں نے اپنی انگوٹھی اتار کر حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک میں ڈال دی۔ جب لوگ نکلے قبر سے تو میں نے کہا کہ میری انگوٹھی قبر مبارک میں گری ہے۔ دراصل بات یہ تھی کہ میں نے قصداً انگوٹھی قبر میں ڈال دی تھی تاکہ انگوٹھی حضور اکرم ﷺ کے بدن مبارک کے ساتھ مس ہو جائے تاکہ میں آپ ﷺ سے آخری تبرک حاصل کر سکوں۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان چیزوں سے تبرّک حاصل کیا کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ کے بدن مبارک سے مس ہو چکی ہوتی تھیں۔

امام بخاری صحیح بخاری میں کتاب فرض الخمس، باب ۵ میں لکھتے ہیں:

باب ما ذکر من درع النبی ﷺ و عصاہ و سیفه و قدحه و خاتمه و ما استعمل الخلفاء بعده من ذلک من ما لم یذکر قسمته و من شعره و نعله و آنیته مما یتبرک به اصحابه و غیرهم بعد وفاته ﷺ۔

”حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات مثلاً زرہ، عصا، تلوار، پیالہ اور انگوٹھی اور ان میں سے جن چیزوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفاء نے استعمال کیا جنہیں تقسیم نہیں کیا گیا، اور حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک اور نعل مبارک اور برتن کا بیان جن سے حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر لوگ برکت حاصل کرتے تھے۔“

[1](البدایة والنهایة ج۵ ص ۲۵۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

(۲۲)باب نمبر بائیس: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی قبور کے گرد تبرکاً گھومنے کا ثبوت

طواف کرنا بہ نیت تقرب و تعبد، یہ خاصہ ہے بیت اللہ شریف کا۔ مذکورہ نیت کے بغیر کسی اور چیز کا طواف کرنا یا اس کے ارد گرد گھومنا جائز ہے۔ اگر نیت تقرب اور تعبد (یعنی عبادت کرنے) کی نہ ہو بلکہ معائنہ کرنا مقصود ہو، یا اس سے برکت حاصل کرنا یا اس میں برکت ڈالنا مقصود ہو تو پھر جائز ہے اور شرع میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: **انما الاعمال بالنیات۔**[1]

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

طاف حول اعظمها بيدر أثلث مرات۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کھجوروں کے بڑے ڈھیر کے ارد گرد تین چکر لگائے۔[2]

اسی روایت کو بخاری شریف ج ا صفحہ ۳۹۰ میں بھی ذکر کیا گیا ہے:

فجعل الناس يطوفون به ويتعجبون له اه۔[3]

فجعل يطوف بالجمل اه۔[4]

فطاف بالنخل و دعا بثمرها اه۔[5]

حديث (طاف حول اعظمها۔۔۔الخ)۔[6]

الشیخ الامام الفقیہہ النظار مسعود بن عمر المعروف بہ سعد الدین التفتازانی اپنے فتاویٰ الفتاویٰ الحنفیۃ میں لکھتے ہیں:

و ان كان قبر عبد صالح و يمكنه ان يطوف حوله ثلاث مرات فعل ذلک۔[7]

---

[1] (بخاری، ج ا، ص ۱۰۴)

[2] (مشکوٰۃ، ص ۵۳۷)

[3] (بخاری ج ا، ص ۵۰۱)

[4] (بخاری ج ا، ص ۴۰۱)

[5] (بخاری ج ا، ص ۳۲۲، ایضا بخاری ج ا، ص ۳۵۴)

[6] طیبی شرح مشکوٰۃ شریف ج ۱۱، ص ۱۳۶ باب فی المعجزات اور مظاهر حق ج ۵ ص ۲۴، اور اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۸۷ پر بھی ھے)۔ یدور بیدر ا بیدر ا اہ نسائی للمجتبیٰ (ج ۲، ص ۱۳۰)

[7] (الفتاوی الحنفیة، ص ۱۶۸ تالیف الشیخ الامام الفقیهه النظار مسعود بن عمر المعروف به سعد الدین التفتازانی ولد ۷۱۲ھ و توفی ۷۹۳ھ مطبوعة دار الکتب قصه خانی بازار پشاور)

فتاوی نورالہدیٰ المشہور فتاویٰ جامع الفوائد مطبوعہ میر محمد کتب خانہ میں لکھتے ہیں:

باکــــــ نے اگر قبــــر اولیـــاء وصلحـــاء طوافــــ می کنــد۔

کوئی حرج نہیں اگر اولیائے کرام اور صلحائے کرام کی قبور کا طواف (تبرکاً) کیا جائے۔[1]

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات و مناقب

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کرتے ہیں:

نقل انہ خرج بقصد الحجاز ثم رجع قیل لہ مافسخت العزیمۃ قط، کیف کان فی ھذہ النوبۃ؟قال لما توجھت الی الطریق استقبلنی زنجئ بیدہ سیف وقصدنی وقال ترکت اللہ ببسطام وقصدت البیت الحرام إن رجعت فیھا وإلا قطعت رقبتک ثم استقبلنی شخص آخر وقال إلی أین؟قلت إلی مکۃ شرفھا اللہ تعالیٰ قال وما معک قلت مائتا دینار قال أعطنی فإنی رجل فقیر ولی عیال وطف حولی سبع مرات فانما ھذا حجک ففعلت ورجعت۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر حج پر روانہ ہو کر چند منزل تک پہنچنے کے بعد پھر واپس آگئے اور جب لوگوں نے ارادہ توڑنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ راستہ میں مجھے ایک حبشی مل گیا اور اس نے مجھے اصرار کے ساتھ یہ کہا کہ خدا کو بسطام میں چھوڑ کر کیوں جاتا ہے چنانچہ میں واپس آگیا حج کے سفر میں کسی نے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے فرمایا کہ حج کا پھر اس نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کچھ رقم ہے؟ فرمایا دوسو دینار اس نے عرض کیا کہ میں مفلس ہوں اور عیالدار ہوں لہذا یہ رقم مجھ کو دے کر سات مرتبہ میرا طواف کر لیجئے تو اس طرح آپ کا حج ہو جائے گا آپ نے اس کہنے پر عمل کیا اور وہ رقم لے کر رخصت ہو گیا۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رسول اللہ ﷺ کے گرد دیوانہ وار تبرکاً گھومنا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَقَدْ «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ، وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِي يَدِ رَجُلٍ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کے سر مبارک کی حجامت بنا رہا تھا اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے اردگرد (پروانوں کی طرح دیوانہ وار) گھوم

[1] (فتاوی نور الہدیٰ المشہور فتاویٰ جامع الفوائد مطبوعہ میر محمد کتب خانہ (ص ۲۱))

[2] (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۷۰ (عربی) دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

رہے تھے اوران (میں سے ہر ایک) کی یہ کوشش تھی کہ حضورا کرم ﷺ کا کوئی ایک بال مبارک بھی زمین پر گرنے نہ پائے بلکہ ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آجائے۔[1]

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [ص:87]: " إِنَّ لِلَّهِ مَلاَئِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ " قَالَ: «فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا» قَالَ: " فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ، مَا يَقُولُ عِبَادِي؟ قَالُوا: يَقُولُونَ: يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ " قَالَ: " فَيَقُولُ: هَلْ رَأَوْنِي؟ " قَالَ: " فَيَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ؟ " قَالَ: " فَيَقُولُ: وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ " قَالَ: " يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَتَحْمِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا " قَالَ: " يَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونِي؟ " قَالَ: «يَسْأَلُونَكَ الجَنَّةَ» قَالَ: " يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ " قَالَ: " يَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا " قَالَ: " يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟ " قَالَ: " يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ " قَالَ: " يَقُولُونَ: مِنَ النَّارِ " قَالَ: " يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ " قَالَ: " يَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا " قَالَ: " يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ " قَالَ: " يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً " قَالَ: " فَيَقُولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ " قَالَ: " يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ المَلاَئِكَةِ: فِيهِمْ فُلاَنٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ. قَالَ: هُمُ الجُلَسَاءُ لاَ يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ "۔

[تعليق مصطفى البغا]

أخرجه مسلم في الذكر والدعاء والتوبة باب فضل مجالس الذكر رقم 2689 (يطوفون) يمشون ويدورون حول الناس. (يلتمسون) يطلبون. (فيحفونهم) يطوقونهم ويحيطون بهم بأجنحتهم. (فيسألهم) الحكمة من السؤال إظهار فضل بني آدم وأن فيهم المسبحين والمقدسين كالملائكة على ما هم عليه من الجبلة الشهوانية والفطرة الحيوانية. (يمجدونك) يعظمونك. (لحاجة) دنيوية (لا يشقى بهم جليسهم) ينتفي الشقاء عمن جالسهم]۔[2]

ارواح کا نور محمدی ﷺ کے گرد تبرکاً طواف کرنا

باب في تخليق نور محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم قد جآء في الخبر ان الله تعالىٰ خلق شجرة ولها اربعة اغصان فسماها شجرة اليقين ثم خلق نور محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم في حجاب من درة بيضاء مثله كمثل الطاؤس ووضعه على تلك الشجرة فسبح عليها مقدار سبعين الف سنة ثم خلق مراة الحياء

---

[1] (اخرجه مسلم فی الصحیح کتاب الفضائل باب قرب النبی ﷺ من الناس وتبرکھم بہ ج۴ص ۱۸۱۲ رقم ۲۳۲۵، احمدبن حنبل فی المسند ج۳ص ۱۳۳ و ۱۳۷ رقم ۱۲۴۲۳، عبدبن حمیدفی المسند ج ۱ ص ۳۸۰ رقم ۱۲۷۳)

[2] (اخرجه البخاری فی الصحیح کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللہ عزوجل ج۵ص ۲۳۵۳ رقم ۶۰۴۵، ابن حبان فی الصحیح ج۳ص ۱۳۹ رقم ۸۵۷، البیھقی فی شعب الایمان ج ۱ ص ۳۹۹ رقم ۵۳۱، ابن رجب فی جامع العلوم والحکم ج ۱ ص ۳۴۵، المنذری فی الترغیب والترھیب ص ۲۵۸ ج ۲ رقم ۲۳۱۶، روضۃ السالکین فی مناقب الاولیاء والصالحین ص ۱۰۱)

ووضعها باستقباله فلما نظر الطاؤس فيها راى صورته احسن صورة وازين هيئة فاستحي من الله فسجد خمس مرأت فصارت علينا تلک السجدات فرضا موقتا فامر الله تعالىٰ بخمس صلوٰت على محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وأمتہٖ والله تعالىٰ نظر الى ذلک النور فعرق حيآءً من الله تعالىٰ فمن عرق راسه خلق الملائكة ومن عرق وجهه خلق العرش والكرسي واللوح والقلم والشمس والقمر والحجاب والكواكب وما كان في السماء ومن عرق صدره خلق الانبياء والرسل والعلماء والشهداء والصالحين ومن عرق حاجبيه خلق امة من المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات ومن عرق اذنيه خلق ارواح اليهود والنصارى والمجوس وما اشبه ذلک ومن عرق رجليه خلق الارض من المشرق والمغرب وما فيها ثم امر الله نور محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم انظر الى امامک فنظر نور محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فراى من امامه نورًا وعن ورائه نورًا وعن يمينه نورًا وعن يساره نورًا وهو ابوبكر وعمر وعثمان وعلى رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين ثم سبح سبعين الف سنة ثم خلق نور الانبياء من نور محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ثم نظر الى ذلک النور فخلق ارواحهم فقالوا لآ اِلٰهَ اِلّا الله مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ثُمَّ خَلَقَ قَنْدِيْلًا مِّنَ الْعَقِيْقِ الْاَحْمَرِ يُرَى ظاهره من باطنه ثم خلق صورة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم كصورته فى الدنيا ثم وضع في هذه القنديل قيامه كقيامه فى الصلوٰة ثم طافت الارواح حول نور محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فسبحوا وهللوا امقدار مائة الف سنة۔[1]

[1] (دقائق الاخبار، ص ۲ تا ۴)